www.KitaboSunnat.com

زاد الخطباء

جلد 15

تالیف حافظ عبدالرحمن کشمیری رحمہ اللہ — تقریظ محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

مسجد اُمّ القریٰ بروکلین۔ نیویارک

زاد الخطباء
جلد 15
مسجد اُمّ القریٰ
بروکلین۔ نیویارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

انتساب

میں اس کتاب کا انتساب طائفۂ منصورہ کے نام کرتا ہوں جو اسلام کی آمد سے لے کر ہر دور میں موجود رہا ہے اور قیامت تک رہے گا اور خالصتاً قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند کرتا چلا آ رہا ہے اور کرتا چلا جائے گا جن کے دم قدم سے دینِ خالص دنیا میں پھلتا، پھیلتا اور پھولتا رہے گا، اپنی روشنی پھیلاتا رہے گا، اس سے ہدایت کی کرنیں پھوٹتی رہیں گی اور سچائی کے موتی بکھرتے رہیں گے، وہ طائفۂ منصورہ جس کے وجودِ مسعود کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی:

((لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِی ظَاهِرِینَ عَلَى الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ .)) (مسلم : ٣٦٥٦)

''فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، جو کوئی اس کو رسوا کرنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا، وہ اسی طرح ثابت قدم رہیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچے۔یعنی قیامت آجائے گی۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اُس طائفۂ منصورہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

❁ انتساب 5

❁ تقریظ 9

❁ مقدمہ 15

❁ جشنِ سال نو اسلام کی نظر میں 39

❁ اجنبی 49

❁ حق اور باطل 58

❁ تزکیہ نفس 67

❁ پل صراط 77

❁ حیا، معنی، مفہوم اور قدر و منزلت 88

❁ شرم و حیا 98

❁ ظلم 109

❁ ظلم کی سنگینی 120

❁ ظلم کی سنگینی اور چند صورتیں 127

❁ اللہ تعالیٰ کی صفت ''دیکھنا''...... معنی ومفہوم اور حقیقت 138

❁ چند مذموم خصلتیں 148

❁ رنج وغم کی حقیقت 158

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ تخلیقِ انسان کا مقصد اور حکمت 169
❁ خوشگوار زندگی کے چند اُصول 180
❁ روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل 191
❁ مصائب سے نجات کا راستہ 201
❁ خوشگوار زندگی کا ضابطہ...... بے مقصد کاموں سے اجتناب 211
❁ استقبالِ رمضان 220
❁ رمضان کی تیاری 231
❁ رمضان سے فائدہ کیسے اٹھائیں؟ 242
❁ روزے کی قدر و منزلت کو جانیے 252
❁ رمضان المبارک۔نعمت وغنیمت 262
❁ روزہ کی حقیقت واہمیت 272
❁ رمضان سے فائدہ اٹھالیں 282
❁ عیدالفطر 293
❁ خطبۃ الجمعۃ یوم العید 302
❁ ماہ رمضان کی آمد پر حمد الٰہی 306
❁ کامیابی کا معیار کیا ہے؟ 317
❁ حقیقی کامیابی کیا ہے؟ 329
❁ حقیقی کامیابی (1) 338
❁ حقیقی کامیابی (2) 349
❁ جسمانی صحت وطاقت کی اہمیت (حصہ اوّل) 360
❁ جسمانی صحت کی اہمیت وضرورت (حصہ دوم) 371

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ موسم حج کو غنیمت جانو 382
❁ قربانی کا حقیقی معنی ومفہوم 394
❁ عید الاضحیٰ 404
❁ ہدایت کا معنی ومفہوم اور اسباب وذرائع 417
❁ قیامت سے غفلت کے اسباب 428
❁ مردانگی صفات کے حاملین کون؟ اور ان صفات کے مفقود ہونے کے اسباب 441
❁ لوگوں کے عروج وزوال اور ان کا حل 452
❁ شوقِ جنت فطرتِ انسانی ہے 463
❁ جنت کا ثبوت اور اس کی وسعت 475
❁ جنت کی نعمتوں کا ذکر خیر 486
❁ جنت کی نعمتیں 496
❁ جنت کی مزید نعمتیں 508
❁ انسان کا مقام اور اُس کی حیثیت: اُس کی سوچ اور نیت 519
❁ اشرف مخلوق انسان یا فرشتے؟ 528
❁ ظلم کی حقیقت اور اس کی سنگینی 539
❁ ظلم کے بنیادی اسباب ووجوہات 549

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

محقق العصر، شیخ التفسیر والحدیث، استاذ الاساتذہ

فضیلۃ الشیخ، حضرت العلام مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

رئیس ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین أما بعد:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب سید الاولین والاخرین رحمۃ للعالمین خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک وصف ''داعیاً الی اللہ'' بیان فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (الاحزاب: ٤٥، ٤٦)

''اے نبی! بے شک ہم نے تمھیں گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشنی کرنے والا چراغ (بنایا ہے)''

بلکہ آنخضرت ﷺ سے اعلان کروایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (یوسف: ١٠٨)

''کہہ دیجیے کہ یہ ہے میری راہ، میں علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور ہر وہ شخص بھی جو میرا متبع ہے (یہی دعوت دیتا ہے) اور اللہ پاک ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

کہیں حکم ہوتا ہے:

﴿وَادۡعُ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ﴾ (القصص : ٨٧)

’’اور (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔‘‘

کہیں حکم ہوا:

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ اِلَیۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَیۡهِ مَاٰبِ﴾ (الرعد : ٣٦)

’’کہہ دیجیے مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ بناؤں۔ میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔‘‘

اسی دعوت وارشاد کا فریضہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے سرانجام دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی دعوت خطبات جمعہ، عیدین، فتح مکہ، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع کے خطبوں کے موقع پر دی اور اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً اور موقع بہ موقع یہ دعوت دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پوری انسانیت کے لیے رسول بنا کے بھیجے گئے تھے اس لیے آپ کی دعوت کا یہ امتیاز ہے کہ یہ دعوت زبان مبارک سے تو حاضرین کو دی جبکہ شاہاں عالم تک تحریراً بھی یہ دعوت پہنچائی۔ چنانچہ شاہِ حبشہ، شاہِ مصر، شاہِ فارس، شاہِ روم، شاہِ عُمان، حاکمِ بحرین منذر بن ساوی، حاکمِ یمامہ، حاکمِ دمشق کو خطوط لکھوا کر اپنے ایلچیوں کے ہاتھوں بھجوائے۔ جن کے نتیجے میں بعض نے ایمان قبول کیا اور اکثر اپنے کفر پر قائم رہے مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچ گیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے دین سے آگاہ ہو گئے۔

دعوت الی اللہ کے بنیادی تین تقاضے ہیں: (١) اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت۔ (٢) پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت۔ (٣) یہ عبادت واطاعت خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہو اس میں کسی کی شراکت نہ ہو نہ اپنے نفس کی نہ غیر اللہ کی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾ (البينة : ٥)

”اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں۔“

سورۃ الزمر میں آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ o اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر : ٢، ٣)

”یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف برحق نازل کی ہے، پس اللہ کی عبادت اس طرح کیجیے کہ تم دین کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہو۔ خبردار! خالص دین صرف اللہ کا حق ہے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ سے اسی کا اعلان کروایا ہے:

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ o﴾ (الزمر : ١١)

”کہہ دیجیے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اس حال میں کہ دین کو اسی کے لیے خالص کرنے والا ہوں۔“

اس کا حکم متعدد آیات مبارکہ میں ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ ”الفتح الربانی“ کے نام سے مطبوع ہیں۔ اسی حوالے سے انھوں نے بڑی عبرت انگیز اور سبق آموز باتیں فرمائی ہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”يامرون الخلق بأمر الله عزوجل وينهون بنهيه، نيابة عن النبى ﷺ هم الوارث على الحقيقة شغلهم رد الخلق الى باب الحق عزوجل.“ (الفتوحات المجلس الثالث)

”وہ نبی کریم ﷺ کے نائب بن کے لوگوں کو اللہ عزوجل کے احکامات کا حکم دیتے اور اس کی ممنوعات سے روکتے ہیں، وہی درحقیقت (رسول اللہ ﷺ کے) وارث ہیں، ان کا شغل مخلوق کو حق تعالیٰ عزوجل کے دروازے پر لے جانا ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت شیخ رحمہ اللہ قوم سے مخاطب ہو کے فرماتے ہیں:

"اجیبونی فانی داعیَ اللّٰه عزوجل ، ادعوکم الی بابه وطاعته لا ادعوکم الی نفسی ، المنافق لیس یدعو الخلق الی اللّٰه عزوجل هو داع الی نفسه هو طالب الحظوظ والقبول طالب الدنیا ." (المجلس الثامن : ۸)

"میری بات مانو کہ میں اللہ عزوجل کا داعی ہوں، میں تمھیں اللہ کے دروازے اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں، میں تمھیں اپنی طرف نہیں بلاتا۔ منافق مخلوق کو اللہ عزوجل کی طرف نہیں بلاتا وہ اپنے نفس کی طرف بلاتا ہے وہ لذتوں کا اور لوگوں میں قبولیت کا طالب ہوتا ہے اور وہ دنیا کا طالب ہوتا ہے۔"

حضرت شیخ رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں.

"اللهم اهد جمیع الخلق الی بابك هذا ابداً سوالی ، والامر الیك هذا دعاء عام أثاب علیه ، واللّٰه عزوجل یفعل فی خلقه ما یشاء ." (الفتح المجلس الرابع عشر)

"اے میرے اللہ! ساری مخلوق کو اپنے دروازے کا راستہ دکھادے، یہی میرا ہمیشہ سوال ہے مگر فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ عمومی دعا ہے جس پر مجھے ثواب ملے گا اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔"

یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے چند ارشادات ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی دعوت دعوت الی اللہ تھی۔ بلکہ ہمیشہ سے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ورثا کی دعوت رہی ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاں "دعوت الی اللہ" کا حکم فرمایا ہے وہاں دعوت کا طریقہ بھی بتلایا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل : ۱۲۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”(اے نبی! لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور ان کے ساتھ بہترین طریقے کے ساتھ مباحثہ کرو۔“

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہٰ : ٤٤)

”پس اس سے بات کرنا نرمی کے ساتھ اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے۔“

طریقۂ دعوت کے ساتھ ساتھ داعی کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا کہ وہ جو دعوت دے وہ خود اس پر عمل پیرا ہو اور اس کا عمل و کردار اس کی دعوت کے مخالف نہ ہو۔ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر اس کی دعوت سچی ہوتی تو وہ خود اس کی مخالفت کیوں کرتا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥﴾ (الصف : ٢ ، ٣)

”اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک ناراض ہونے کے اعتبار سے بڑی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے۔“

بلکہ ایسی بے عملی کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو یہودیوں کا طریقہ تھا۔ چنانچہ ان کی بدعملیوں کے ذکر میں ایک بدعملی یہ ذکر ہوئی ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ : ٤٤)

”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔“

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ (ھود : ٨٨)

”اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری بجائے میں (خود) اس کا ارتکاب کروں جس سے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تمھیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا جتنی کرسکوں۔''

جس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر میں تمھیں اصلاح کی دعوت دوں اور خود اس پر عمل نہ کروں تو یہ اصلاح کیسی؟ یہ تو فساد ہے اصلاح نہیں۔ احادیث میں بھی اس کی مذمت بیان ہوئی ہے کہ انسان دوسروں کو اصلاح کی دعوت دے اور خود اس کا اہتمام نہ کرے۔ اسی طرز عمل کے بارے میں ضرب المثل ہے: چراغ تلے اندھیرا۔ داعی کی اور بھی ذمے داریاں ہیں مگر یہاں ان کی تفصیل مطلوب نہیں۔

دعوت و تبلیغ کے جذبۂ صادقہ سے ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا عبد الرحمٰن کشمیری حفظہ اللہ نے ''زاد الخطباء'' کے نام سے اپنے کچھ خطبات کو مرتب کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے تا کہ ان کا فائدہ سامعین تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دین اسلام کو سمجھنے اور اپنانے والے بھی اس سے مستفید ہوں اور علمائے کرام بالخصوص وہ حضرات جو دعوت کے میدان میں آنے کا داعیہ رکھتے ہیں وہ بھی اس سے راہنمائی حاصل کرسکیں۔

مولانا عبد الرحمٰن جامعہ تعلیم السلام ماموں کانجن کے فیض یافتہ ہیں۔ کچھ وقت انھوں نے الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ طیبہ میں بھی گزارا ہے مگر بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر وہاں تعلیم کا دورانیہ مکمل نہ کر پائے۔ اب وہ ایک عرصہ سے امریکہ کی مشہور ریاست نیویارک کے علاقے بروکلین کی ایک جامع مسجد ''مسجد اُمّ القریٰ'' میں دعوت وارشاد کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ دارالکفر میں ان کے خطبات کے عناوین سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہاں کن کن موضوعات کی ضرورت ہے۔ یہ خطبات ان مسلمان مخاطبین کے لیے ہی نہیں بلکہ اسلام کی دعوت معلوم کرنے والے حضرات کے لیے بھی مشعل راہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ''زاد الخطباء'' کو سب حضرات کے لیے مینارہ نور اور ہمارے فاضل دوست کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ، وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء: ۱)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاo يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اتر جانے اور آباد ہونے کا حکم دیتے ہوئے ساتھ ہی اس کی رہنمائی کے لیے ہدایت نامہ بھیجنے کا وعدہ بھی فرمایا جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرہ: ۳۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

اور فرمایا کہ پھر تمہیں ایک وقت مقررہ تک وہیں رہنا، وہی جینا اور وہیں مرنا ہے اور بالآخر وہیں سے اٹھنا ہے۔

﴿فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ (الأعراف : ٢٥)

''وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا۔''

اور پھر انبیاء و رسل علیہم السلام کو ان کی طرف مبعوث فرما کر ان تک ہدایت نامہ اور پیغام الٰہی بھیجنے کا بندوبست بھی فرما دیا اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی اور اساسی مقصد اور خلاصہ کچھ یوں بیان فرمایا کہ

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء : ٢٥)

''اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی اور الٰہ نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو۔''

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کیے گئے انتظامات میں سے یہ ایک نہایت ہی اہم انتظام اور ذریعہ ہے، اگرچہ اس کے علاوہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دیگر متعدد ذرائع بھی اختیار کیے گئے ہیں، جیسا کہ خیر و شر کے درمیان تفریق وتمیز کرنے کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی، جو کہ فی نفسہ ایک نہایت ہی مؤثر دلیل اور حجت ہے، اندازہ کیجئے کہ جب کوئی جانور اس صفت اور خوبی اور قابلیت و صلاحیت سے مستفید ہوسکتا ہے کہ جسے ایک محدود عقل دی گئی ہے تو انسان کہ جسے دیگر تمام مخلوقات پر ایک بہت بڑی وجہِ فضیلت ہی یہ ہے کہ اسے دیگر مخلوقات کے مقابل وافر عقل سے نوازا گیا ہے، تو اس کے لیے صحیح اور غلط میں تفریق کرنا کس قدر سہل اور ممکن الحصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے،اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے، کوئی بلی کہ جسے آپ کوئی چیز کھانے کو دیں تو وہ بلاخوف آپ کے سامنے ہی اس کو کھانا شروع کر دے گی،لیکن وہی بلی اگر آپ کے ہاتھ سے کچھ چھین کر لے جائے تو پھر آپ کے پاس بیٹھ کر وہ ہرگز نہیں کھائے گی بلکہ آپ کی پہنچ سے کچھ دور جا کر کھائے گی، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس نے ایک غلط کام کیا ہے۔

اس حقیقت کو اور انسان کی رہنمائی کے لیے مقرر کیے گئے اس ذریعہ کو قرآن پاک میں مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّا هَدَيْنَٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (الانسان : ۳)

''ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

اور فرمایا:

﴿وَهَدَيْنَٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد : ١٠)

''اور ہم نے دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَىٰهَا﴾ (الشمس : ۸)

''پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی۔''

اور فرمایا:

﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم : ۳۰)

''اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ (طٰهٰ : ۵۰)

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راستہ بتایا۔''

اور حدیث میں ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَوْ يُمَجِّسَانِهِ)) (البخاری : ۱۳۵۸)

”ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔“

ان آیات اور حدیث کی تفسیر وتشریح تو باعث طوالت ہوگی لہٰذا صرف ترجمے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

تو اسی طرح مزید کئی ایک مقامات پر اس کا اظہار کیا گیا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے، اور اسی مناسبت سے اسے اس قدر اہمیت دی گئی ہے اور اس کا ایسا حل پیش کیا گیا ہے جو ٹھیک ٹھیک مسئلے سے مطابقت رکھتا اور ضرورت کو پورا کرتا ہے، اب ذرا دیکھیے اور اسی حوالے سے ایک دوسری مثال پر غور فرمائیے کہ یہ ذریعہ حصولِ مطلوب کے لیے کس قدر کارگر اور تیر بہدف ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو جو احکامات جاری فرمائے تو اس کے لیے وحی کا لفظ استعمال فرمایا:

﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾ (النحل : ٦٨)

”اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور چھپروں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں گھر (چھتے) بنائے۔“

اب اس آیت کریمہ میں مفسرین نے وحی سے الہام مراد لیا ہے، یعنی شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تمہیں پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھپروں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں گھر بنا کر اور ہر طرح کے پھل کھا کر شہد بنانا ہے۔

اب سؤال یہ ہے کہ کیا شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا الہام سمجھ میں آ گیا، کیا اس کے دل میں ڈالی گئی بات اس کو سمجھ میں آ گئی؟ اور کیا اس پر عمل کرنا اس کے لیے ممکن ہوا؟ یقیناً ممکن ہوا۔

تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب ایک حقیر سے جانور کو الہام سمجھنے میں کوئی دقت اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مشکل پیش نہ آئی تو انسان کی طرف کیا گیا الہام اس کے لیے سمجھنا کیونکر ناممکن ہوسکتا ہے۔

تو ہدایت و رہنمائی کا جو ذریعہ ایک معمولی سے جانور کے لیے کافی ہوسکتا ہے، وہ یقیناً ایک انسان کے لیے بالاولیٰ کافی ہوگا، تو گویا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر حجت قائم ہو جاتی ہے حالانکہ اس کے علاوہ بھی اسے کئی ایک قوتیں حاصل ہیں کہ جن سے اس پر حجت تمام ہوتی ہے اور وہ قابل احتساب ٹھہرتا ہے، جن میں سے ایک قوت و طاقت جو اسے میسر ہے اور سب پر بھاری ہے، وہ ہے عقل، جو اسے باعث احتساب و استجواب ٹھہرانے کے لیے قوی ترین تدبیر ہے۔

عقل کی قوت سے انسان بخوبی آگاہ ہے، عقل ہی کے ذریعے سے انسان اس دنیا میں اپنی زندگی کے سارے کام نبٹاتا اور بھگتاتا ہے، خوراک، پوشاک، شادی بیاہ، کاروبار، حکومت واقتدار اور ترقی وتمدن کے حوالے سے تمام معاملات عقل ہی کے ذریعے انجام پاتے ہیں، حتی کہ عقل ہی کی وساطت سے انسان چاند پر بھی کمند ڈالنے میں کامیاب ہوا ہے، تو عقل اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے جس سے انسان پر ایک بہت بڑی حجت قائم ہوجاتی ہے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے اسے ایک آخری، حتمی اور فیصلہ کن انعام یہ فرمایا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء : ١٦٥)

''ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت رسولوں کو بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے، اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بعثتِ رسل کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسولوں کو مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی حجت اور عذر باقی نہ رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجت: دلیل و برہان، ثبوت وسند، بحث وتکرار، رد وکد اور عذر و بہانہ کو کہتے ہیں، مگر یہاں حجت سے مراد دلیلِ اعتذار ہے، یعنی وہ دلیل جس کے ذریعہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی مجبوری ظاہر کی جائے اورعذر کبھی قابل قبول ہوتا ہے اور کبھی نامقبول، ایسے ہی حجت، دلیل و برہان کے اعتبار سے آدمی کے حق میں بھی ہوسکتی ہے اور اس کے خلاف بھی جیسا کہ حدیث میں ہے:

((وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ)) (مسلم : ۲۲۳)

”قرآن حجت ہے تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف۔“

مگراس آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء : ۱۶۵)

”ہم نے رسولوں کو اس لیے مبعوث فرمایا، تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت اور دلیل نہ رہ جائے۔“

تو یہاں حجت، دلیل و برہان کے معنوں میں ہرگز نہیں ہوسکتی، کیونکہ اللہ کے خلاف کوئی دلیل قطعاً قائم نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (الانبیاء : ۲۳)

”وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے اور سب جوابدہ ہیں۔“

کسی کا قطعاً کوئی استحقاق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے کاموں کے بارے میں اس سے پوچھے کہ کوئی کام اس نے کیوں کیا، کوئی چیز اس نے کیوں بنائی یا کیوں گرائی اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا اور کیوں کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ مکمل حجت اللہ ہی کے لیے ہے جو اپنی مراد کو پہنچ کے رہے گی۔

﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

(الانعام : ۱۴۹)

”آپ کہیے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی، پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

راست پر لے آتا۔‘‘

یہاں رسولوں کو بھیجنے کا مقصد اللہ کے خلاف حجت کو رفع کرنا ان معنوں میں ہرگز نہیں ہے کہ معاذ اللہ، اللہ کے خلاف کوئی حجت قائم ہوسکتی تھی چنانچہ اسے رفع کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجا، بلکہ اس سے شاید وہ حجت مراد ہے جو انسان کی سمجھ اور سوچ کے مطابق ہوسکتی ہے، یا جو انسان اپنی فطری کمزوری کے باعث بحث وتکرار اور جدل و حجت بازی کے طور پر کرتا ہے، لہٰذا انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور اس کا کرم ہے کہ

﴿اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ٥ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (الدخان : ٥ ، ٦)

’’ہمارے پاس سے حکم صادر کیا جاتا ہے، ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے، آپ کے رب کی رحمت اور مہربانی کے طور پر، وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

تو یہ محض اس کا کرم ہے کہ اس نے لوگوں کو اس حد تک رعایت بخشی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بحث وتکرار اور مجادلہ کرسکیں اور اپنی تمام تر منطقیانہ اور فلسفیانہ موشگافیاں آزمالیں اور اپنی تسلی اور تشفی کرلیں، چاہے ان کا عذر بے معنی اور مہمل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ قیامت کے دن انسان کا یہ کہنا کہ

((فَإِنِّي لَا أُجِيزُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا شَاهِدًا مِنِّي .)) (ابن حبان : ٣٥٨)

’’مجھے اپنے خلاف کوئی گواہ قبول نہیں ہے، سوائے اس کے کہ مجھ میں سے ہو یعنی میرے بدن میں سے ہو۔‘‘

اب حالانکہ انسان کا یہ عذر، یہ اعتراض اور مطالبہ بے جا اور مضحکہ خیز ہے کہ کوئی شخص اپنے خلاف چلنے والے مقدمے میں پیش ہونے والے گواہوں کے بارے میں یہ مطالبہ کرے کہ وہ گواہ اس کے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی اس کی اس خواہش کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے اس کے مطالبے کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی عذر کی کہ:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء : ١٦٥)

''تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ پر کوئی حجت اور عذر نہ رہ جائے۔''

اللہ تعالیٰ پر حجت قائم ہونے کی حقیقت تو گزشتہ سطور میں ہم نے جان لی کہ اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کی کوئی حجت قائم ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، البتہ انسان کی فطری کمزوریوں کے پیش نظر اور اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کے بموجب اور اس کے اس فیصلے کی روشنی میں جو اس نے اپنے اوپر خود لازم کر رکھا ہے کہ:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل : ١٥)

''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ایک پیغام بر نہ بھیج دیں۔''

پیغمبروں کی بعثت کا فیصلہ صادر فرمایا گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ رسولوں کو بھیجے بغیر انسان پر ہر قسم کی حجت قائم کر دیتا۔ ایسے ہی انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت کے حوالے سے بھی ذرا جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ کچھ یوں ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی قوت عطا کر کے، الہام کی نعمت سے نواز کر اور عہد اَلَسْت کا اقرار کروا کر اس پر حجت تمام کر دی ہے، مگر اُن چیزوں میں رہنمائی کے لیے کہ جو عقل کی حدود میں نہیں آتیں، جو الہام کے قالب میں نہیں ڈھالی گئیں (کہ الہام میں صرف خیر وشر کی تمیز رکھی گئی ہے) جن کا تعلق غیبیات سے ہے، رسولوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جیسے احکام شریعت پر عملدر آمد کے لیے ان کی تفہیم و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے جو محض عقل سے نہیں جانی جاسکتی، ان کی تفسیر وتشریح اور توضیح و بیان انبیاء و رسل علیہم السلام کا خاصہ، ان کا استحقاق اور ان کی ذمہ داری ہے، لہٰذا انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرما کر انسان کا وہ احتیاج اور عذر بھی پورا کرتے ہوئے اس پر حجت تمام کر دی گئی اور پھر ایک وقت آیا کہ ارسالِ رسل کا سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے سید الرسل و خاتم الانبیاء محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا، مگر سلسلۂ ارسالِ رسل کے اختتام کے ساتھ ہدایت و رہنمائی کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دیا بلکہ بحکم:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران : ١٠٤)

”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔“

اور بفرمانِ نبوی ﷺ:

((اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ)) (ترمذي : ٢٦٨٢)

”علماء انبیاء کے وارث ہیں۔“

علماء کرام کی معزز ومکرم جماعت کے ذریعے بالخصوص اور بحکم:

((بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً)) (بخاري : ٣٤٦١)

”میری طرف سے لوگوں کو ــــ احکامِ الٰہی ــــ پہنچادو، اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔“

ہر مسلمان کے ذریعے بالعموم اس سلسلے کو قیامت تک کے لیے جاری وساری کر دیا اور صرف یہیں بس نہیں، بلکہ وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کی افادیت اور ضرورت واہمیت کے پیش نظر امت کو ایک ایسی جماعتِ حقہ اور طائفۂ منصورہ کے وجودِ مسعود کی نوید بھی سنائی اور تسلی دی جو ہر دور میں موجود رہے گی اور سراسر حق پر ہوگی، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ)) (صحيح الجامع : ١٧٧٣)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا ان کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا، حتیٰ کہ اللہ کا حکم آپہنچے۔“

اور اس گروہ کی خصوصیات اور کردار، جیسا کہ ایک دوسری مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ عادل اور ثقہ ہوں گے:

((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اس علم کو ہر پشت سے عادل اور ثقہ لوگوں کا گروہ اٹھائے گا۔''

((يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ))

''جو اس علم کو غلو کرنے والوں کی تحریف سے پاک صاف کریں گے۔''

اس سے بدعات وخرافات اورعقائد باطلہ کی آمیزش کو دور کریں گے اور ہر قسم کے تعصّبات سے بالاتر ہوکرحق اور سچ اور عدل و انصاف کی بات کریں گے اور اپنے آباو اجداد اور بزرگوں کی محبت اورطرفداری کہ جولوگوں کواس درجہ نیچے لے آتی ہے کہ پھر وہ

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (النساء : ٤٦)

''وہ الفاظ کوان کے محل سے پھیر دیتے ہیں۔''

تو یہ لوگ ان کی اس تحریف کی نفی اور تکذیب کرتے ہوئے اسے علمِ دینِ خالص سے نکال باہر کریں گے۔

((وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ))

''اوراہل باطل کے ادعاءِ کاذب کوروند کے رکھ دیں گے۔''

((وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ))

''اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلوں اور موشگافیوں کی قلعی کھول دیں گے اوران کا قلع قمع کردیں گے۔''

اور یہ خوشخبری اور تسلی بھی شاید اس لیے ہے کہ گزشتہ قوموں میں انبیاء علیہم السلام کے اصحاب اور حواریوں کے بعد ناخَلف لوگ پیدا ہوجاتے، ان کے اقوال و افعال میں تضاد ہوتا اور احکام واوامر میں من مانیاں کرنے لگتے،نتیجتاً دین بالکل بدل کررہ جاتا،لہٰذا یہاں امت کوتسلی دی جارہی ہے کہ قیامت تک ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو دینِ خالص کی دعوت وتبلیغ اور ترویج واشاعت کرتا رہے گا، پھراس کے بعد بھی اگرکوئی بھولا بھٹکا اورگم گشتہ راہ رہنا چاہے تو بصد شوق رہے مگر دلیل و برہان جان کراور جو راہِ راست پر ثابت قدم رہنا چاہے وہ بھی ثبوت وحجت کے ساتھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾

(الانفال : ٤٢)

''جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیلِ روشن کے ساتھ ہلاک ہواور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیلِ روشن کے ساتھ زندہ رہے۔''

تو خلاصہ اب تک کی گفتگو کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور نہایت رحیم وکریم ہے، وہ ان کا خالق و مالک ہے اوران کی ضروریات واحتیاجات سے بھی آگاہ ہے، وہ ان کی خواہشات سے بھی واقف ہے اور ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات کو بھی خوب جانتا ہے اوران کے سینوں کے بھیدوں سے بھی باخبراور مطلع ہے، چنانچہ وہ ان کی ضرورتوں کا خوب خیال اور مکمل انتظام رکھتا ہے، وہ تمام ضرورتیں مہیا کرتا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت سے لے کر بڑی سے بڑی ضرورت تک، ہرضرورت کے حصول کی طرف مکمل رہنمائی کرتا ہے، اس کی خوراک کا، اس کی پوشاک کا، اس کے علاج معالجے کا، اسے گرمی اور سردی سے بچانے کا، اس کی راحت اور آسودگی اور آسائش وآرام کا، اس کے سفراور حضر کا، اس کے جانوروں اور چوپایوں کا اوران کے چارے کا، انسان کے کاروبار کا اوراس کی افزائش نسل کا حتی کہ اس کے لیے تزئین وآرائش کا انتظام بھی فرمایا،غرضیکہ انسان کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں اورخواہشات کا بھی خیال رکھا، ان کی طرف رہنمائی دی اورانتظام فرمایاحتی کہ اس کے لیے دنیا کی زیب وزینت کا بھی خیال رکھا۔اور یہ سب باتیں جن کا ابھی ذکر ہوا،قرآن پاک میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں،تو جب ایک طرف یہ حال ہوکہ انسان کی نہایت چھوٹی چھوٹی دنیوی اغراض وحاجیات کا خیال رکھا گیا ہوتو دوسری طرف اس کی اُن ضروریات کوکہ جن کاتعلق اس کی آخرت سے ہےاورجن پراس کی حقیقی کامیابی کا انحصار ہے، کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے!

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی انسان کومکمل اور بھرپور رہنمائی دی ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر ہوا کہ انسان کوفطرت سلیمہ پر پیدا کیااوراس کے فجوروتقویٰ کواس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دل میں الہام کیا، انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، امت مسلمہ کو لوگوں کی رہنمائی کی ذمہ داری سپرد کی کہ وہ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں، علماء کرام کو دعوت و تبلیغ کا کام سونپا اور عوام الناس کو ان کی علمی استعداد و مقدرت کے مطابق تبلیغِ دین کا حکم دیا اور پھر اہل اسلام کے لیے خصوصی طور پر ہدایت و رہنمائی کے کچھ اضافی انتظامات فرمائے۔ جن میں سے ایک تجدید دین کے لیے ہر سَو سال کے اختتام پر ایک مجدد بھیجنے کا اہتمام فرمایا، اس مجدد سے مراد کوئی مخصوص فرد ہے یا کوئی جماعت! اس میں علماء کرام کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، تاہم تجدیدِ دین تبلیغِ دین کا ایک اہم شعبہ ہے، اسی طرح ہدایت و رہنمائی کے تعلق سے اہل ایمان کے دلوں میں دین کا رجحان اور میلان اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے انہیں فرض اور نفل عبادات کے مواقع فراہم کیے، نیک کاموں کی ترغیب دی اور برے کاموں پر ترہیب دی اور دعوتِ دین کا یہ پہلو ارشاد و رہنمائی کا ایک مؤثر ترین پہلو ہے چنانچہ اس کو انتہائی منظّم اور منسق طور پر اصول وضواط کے ساتھ خطبۂ جمعۃ المبارک کی صورت میں اہل ایمان پر لازم کر دیا گیا۔

خطباتِ جمعۃ المبارک کے کیا کیا فوائد اور کیا کیا حکمتیں ہیں اور انسان کی نفسیات پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اگر خطبہ جمعہ کی سہولت میسر نہ ہوتی تو مسلم معاشروں کا کیا حال ہوتا، اس کی تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر اگر یہ لطف وکرم نہ ہوتا تو مسلم معاشروں میں بے راہ روی عروج پر ہوتی اور نظام خطبۃ الجمعۃ کی عدم دستیابی سے تمام تر ترقی وتمدن کے باوجود معاشروں پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے مسلمان بندوں پر یہ ایک خصوصی انعام واحسان ہے کہ اس نے انہیں اس نعمت اور سعادت وخوش بختی سے سرفراز فرمایا۔

وعظ ونصیحت اور تذکیر وموعظت کے بہت سے پہلوؤں میں سے خطبۃ الجمعۃ ایک نہایت ہی مؤثر اور کارگر ترین پہلو اور تدبیر و ترکیب ہے، خطبہ جمعۃ المبارک کا اگر وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین کے دیگر ذرائع کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خطبۃ الجمعۃ ایک انوکھا اور حیرت انگیز ذریعۂ پیغام رسانی ہے۔

خطابت دیگر ذرائعِ تبلیغ سے جن بہت سی باتوں میں ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ سامع خطیب کی رقت آمیز آواز سے، اس کے محبت بھرے جذبات سے، اس کے پرجوش انداز سے، اس کے چہرے کے تاثرات سے، اس کی باڈی لینگویج اور اس کی حرکات وسکنات سے، اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ اور زیر و بم سے، اس کی قدرت کلامی اور اس کے بیان کی چاشنی اور شعلہ بیانی سے، اس کے الفاظ کے انتخاب سے، اس کے ٹھہراؤ اور روانی سے، اس کے رموز و اوقاف کی ادائیگی سے، اس کی سلاست اور فصاحت و بلاغت سے متاثر ہوتا ہے، تو گویا سامع کے دل پر کلام خطیب کا اک جادوئی اثر ہوتا ہے اور شاید کچھ ایسی ہی صورت حال کے حوالے سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ((اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا)) (بخاری : ٥٧٦٧) ''یقیناً کچھ بیان ایسے ہوتے ہیں جو جادو کا سا اثر رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کے خطابات میں تو یہ بات بدرجہ اتم موجود تھی، آپ ﷺ کے ایک خطبہ مبارکہ کا احوال ملاحظہ فرمائیے۔

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ قَالَ وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِیغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ))

''عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہمیں وعظ ارشاد فرمایا، ایسا بلند پایہ اور بلیغ وعمدہ بیان اور وعظ کہ جس سے آنکھیں نم ہوگئیں، آنسو ٹپک پڑے اور دل لرز گئے۔''

آپ ﷺ کے وعظ کا اثر آپ نے ملاحظہ فرمایا! لیکن آپ ﷺ کا معاملہ تو گویا خاص معاملہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اک خصوصی نصرت و تائید حاصل تھی، آپ کے فرامین وحی الٰہی کے عین مطابق ہوتے تھے اور پھر آپ ﷺ جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے اور اس کے علاوہ آپ ﷺ ذاتی حیثیت میں بھی اخلاق حسنہ کے بلند ترین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقام پر فائز تھے، حکمت و دانائی، حلم و بردباری اور فصاحت و بلاغت اور ہر خوبی میں یکتائے روزگار تھے، لہٰذا ان خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک خصوصی معاملہ ہی تصور ہوگا کہ آپ ﷺ کی گفتگو اور آپ ﷺ کے ارشادات وخطابات میں اس قدر چاشنی اور سحر بیانی ہو، مگر جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو اصل میں ان کے خطابات کے اثر کی بات ہو رہی ہے کہ وہ اپنے خطابات میں الفاظ کے ادل بدل سے، آواز کے زیرو بم اور جذبات کے پیچ و خم سے، ہاتھوں کے پھیلانے اور سمٹانے سے لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں، ان کے دل موہ لیتے ہیں، کبھی ہنساتے اور کبھی رلاتے ہیں، کبھی گرماتے اور کبھی برفاتے ہیں، تو یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ انسان کی گفتگو، اس کی تقریر اور اس کے خطاب کا لوگوں کی نفسیات پر ایک مختلف اور منفرد اثر ہوتا ہے۔

انسان ایک نہایت ہی حساس مخلوق ہے، کوئی چھوٹا سا لفظ اسے غمگین کر جاتا ہے اور کوئی ایک ہی لفظ اسے اداس کر دیتا ہے، کوئی چھوٹی سی بات اسے خوش کر دیتی ہے اور کوئی چھوٹا سا جملہ اسے افسردہ کر جاتا ہے حتیٰ کہ ایک ابرو کا اشارہ اسے رنجیدہ کر دیتا ہے یا اس کے دل میں مسرت کی لہر دوڑا دیتا ہے اور کوئی اک خیال اس کی طبیعت کو مکدر کر دیتا ہے یا اس میں سرور و انبساط پیدا کر دیتا ہے، ان حقائق کو مثالوں کے ساتھ آشکار کرنا چاہیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی، لہٰذا صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں بوڑھے والدین کے سامنے اف کہنے سے منع کیا گیا ہے اور کلمۂ اف ناگواری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بوڑھے والدین کے بسبب کِبَر سِنی و اعصابی ناتوانی وکہنہ مرض جھنجھلا دینے والے رویے سے پہنچنے والی تکلیف پر کلمۂ اف کے ذریعے اپنی ناگواری کا اظہار بھی نہ کرنا کہ مبادا انہیں اس سے تکلیف پہنچے، کیونکہ اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان سے اکتا گئے ہیں۔

تو بتانا مقصود تھا کہ انسان اتنا حساس واقع ہوا ہے کہ کوئی چھوٹا سا لفظ اور کلمہ بھی اس کے مزاج پر ناگوار گزر سکتا ہے۔

تو ایک طرف الفاظ کی قوت قاہرہ اور دوسری طرف نازک مزاجی اور حساسیت طبع بشر،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیونکر شتابی نتیجہ ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ شاید کچھ ایسی ہی صورت حال اور ایسے ہی تسویہ و معادلہ کے پیش نظر ان دونوں میں سنگم تولّد ہوا، جہاں بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بالعموم انتظامات فرمائے گئے وہاں اہل اسلام کی ہدایت و رہنمائی، تزکیہ وتربیت اور تبلیغِ دین کے لیے بالخصوص خطبۂ جمعۃ المبارک کو ذریعہ اور وسیلہ بنایا گیا۔

مخاطبت و محادثت اور سخن و بیان انسان کی زندگی میں اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے، اس کی اہمیت کو ایک دوسرے پہلو سے یوں جانیے کہ COUNSELING ایک پیشہ وارانہ مشاورت ہے جو گفتگو کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے، جس کے ذریعے ایک "COUNSELOR" لوگوں کے نفسیاتی مسائل حل کرتا اور انہیں ان کے مستقبل کے منصوبوں اور مسئلوں میں ان کی مدد اور رہنمائی کرتا ہے اور عموماً یہ لوگ دو مقامات پر کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہسپتالوں میں اور اسکولوں میں۔

گفتگو میں اور الفاظ و بیان میں کیا طاقت ہے اور کیا ان کی اہمیت ہے، اندازہ کریں کہ ایک لفظ سے انسان شادی کے بندھن میں بندھ جاتا ہے اور ایک ہی لفظ اس بندھن کو توڑ دیتا ہے۔ ایک لفظ انسان کو کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان وایقان کی روشنی میں لے آتا ہے اور ایک ہی لفظ اسے ایمان کے اجالوں سے نکال کر گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے، تو ایسے ہی الفاظ جب ایک خطیب کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تو ان کے پیچھے ایک بہت بڑی قوت و طاقت کارفرما ہوتی ہے، بلکہ کئی ایک طاقتیں ہوتی ہیں، ایمان کی طاقت، دلائل و براہین کی طاقت، علم کی طاقت، خلوص وتقویٰ کی طاقت، منتخب الفاظ کی طاقت، مزاج کی شدت وحرارت اور لطافت ونفاست کی طاقت اور ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی اور خصوصی مدد ونصرت کی طاقت کا اضافہ، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (غافر : ٥١)

''یقیناً ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''

تو سخن و بیان کے ذریعے سے انسان کی ہدایت و رہنمائی کا انتظام، اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں کی طرح ایک نہایت ہی اعلیٰ وارفع اور پُر حکمت فیصلہ ہے جو حصولِ مقصد کے لیے ہر پہلو سے مناسب اور موزوں ہے اور پیغام رسانی کے تقاضوں کا خوب خوب حق ادا کرتا ہے۔

قول و مقال کی اثر انگیزی کا اندازہ کیجئے کہ بسا اوقات کوئی شاعر، کوئی ناصح اور کوئی خطیب اپنی قوتِ بیانی پر اس قدر پُر اعتماد ہوتا ہے کہ اس کا برملا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

نازک بیانیاں میری توڑ دیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

اور شورش کاشمیری مرحوم اپنے زورِ بیان کو یوں بیان کرتے ہیں:

اپنی تحریک میں اٹھاؤں گا ایسے شہید
جن کے مدفن کو زمین کربلا دینی پڑے
اور اتنا کر دوں گا ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

تو اندازہ کریں الفاظ میں کس قدر توانائی اور طاقت ہوتی ہے، لیکن غور فرمائیں کہ اگر معاملہ یوں ہو کہ ایک طرف خود اعتمادی کا یہ عالم ہو اور دوسری طرف بھی آگ ہے برابر لگی ہوئی والی کیفیت ہو، یعنی خطیب اور مخاطب ایک ہی صفحے پر ہوں اور سامع کی طرف سے شعور متبادل کا یوں اظہار ہوتا ہو کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے جانا کہ گویا یہ بھی مرے دل میں ہے

تو خیالات میں ہم آہنگی کس سطح کی ہوتی ہوگی اور پیغام رسانی کے عمل میں کس قدر تیزی ہوتی ہوگی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاہم بات کو مختصر کرتے ہوئے خطبۂ جمعہ کی ضرورت و اہمیت اور حکمت و افادیت کے حوالے سے تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ خطبۂ جمعہ کی افادیت مسلّم ہے اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد دعوت وتبلیغ کے کسی دوسرے طرز و اسلوب سے حاصل نہیں ہوسکتے، تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ خطبہ جمعہ کی افادیت کے حوالے سے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، مگر صرف ایک بات پر ہی اکتفا کروں گا اور وہ یہ کہ خطبۂ جمعہ کی نسبت سے آپ یہ تو جانتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ علماء و مبلغین اور خطباء و واعظین کے ذریعے ہی انجام پاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ علماء کا وجود بہت بڑی نعمت ہے، تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ کے لیے ان کی موجودگی لازمی اور ضروری ہے، دوسری طرف ان کی عدمِ دستیابی خطبے سے محرومی کا باعث ہوتی ہے جو کہ ایک بہت بڑے نقصان کا سبب بنتی ہے، اور علماء کی عدم موجودگی اور فقدان سے معاشرے پر یقیناً گہرے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں اس کی پیشین کی گئی ہے۔ چنانچہ کچھ اسی مناسبت سے امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لَــوْلَا الْعُلَمَاءُ لَكَانَ النَّاسُ كَالْبَهَائِمِ." سنن الصالحین وسنن العابدین لابی الولید الباجی ص: 249، رقم: 851۔ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ چوپایوں جیسے ہوتے۔ اس سے آپ علماء کی قدر و قیمت اور خطبۂ جمعہ کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

خطبات جمعہ اگر خطاب کی صورت میں ہوں تو ان کا سامعین پر ایک خاص اور منفرد اثر ہوتا ہے، کتابی شکل میں وہ اثر تو اگرچہ نہیں ہوتا مگر افادیت سے خالی نہیں ہوتے بلکہ اس کے الگ سے بہت سے فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں لوگوں کو مختلف علماء و خطباء کے خطبات جمعہ سے استفادے کا موقع مل جاتا ہے جو کہ خطبۂ جمعہ کے صرف خطابی شکل میں ہونے سے ہر ایک شخص کے لیے ممکن نہیں ہوسکتا صرف ان اشخاص کے لیے ہی ممکن ہوتا ہے جو وہاں بنفس نفیس موجود ہوں۔

آخر میں کچھ اس کتاب کے بارے میں عرض کرتا چلوں، یہ کتاب میرے تیس سال سے زائد خطبات جمعہ میں سے ایک سال کے خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے، ان خطبات کی تیاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بیان کے وقت ان کی تالیف کا کبھی خیال بھی ذہن میں نہیں گزارا تھا، بس نماز جمعہ کے لیے آنے والے بعض ساتھیوں کی طرف سے بڑے اصرار کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی گئی، پھر جب اس کی طباعت کا ارادہ کیا تو اسی اثنات میں انٹرنیٹ پر کچھ علماء کرام اور چند نوجوان مبلغین و دعاۃ کی تقاریر وخطباتِ جمعہ سننے کا موقع ملا تو ان کی شعلہ نوائی، شیریں بیانی اور جوش خطابت کو دیکھ کر ہمت پست ہوگئی اور ارادہ ترک کردیا کہ ان حضرات کے ہوتے ہوئے بھلا کوئی ایک غیر معروف شخص کے سادہ انداز میں دیے گئے خطبات کی طرف کیونکر ملتفت ہوگا۔ لیکن ان کی طرف سے اصرار جاری رہا، بالآخر اس خیال سے خطبات کی طباعت کے لیے آمادہ ہوگیا کہ ہر خطیب کا اپنا ایک منفرد انداز ہوتا ہے اور اکثر اوقات مختلف انداز سے کی گئی ایک ہی بات سامع اور قاری کو ایک مختلف جہت دیتی ہے، اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ یہ خطبات یکسر افادیت سے خالی نہیں ہوں گے، ان شاء اللہ

ان خطبات میں یوں تو کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ جوں کا توں چھوڑا گیا ہے، البتہ کچھ خطبات کے آخر میں چند کلمات یا پیراگرافس ضرور حذف کیے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو وہ مسجد کے انتظامی امور سے متعلق تھے یا کچھ اشارات میں لکھے گئے تھے اور میں نے تکلف کر کے یا حافظے پر زور دے کر انہیں بازیافت کر کے شاملِ خطبہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔

اور خطبات کی تیاری کے ضمن میں اگر عرض کروں تو بات یہ ہے کہ ان کے لیے الگ سے کوئی محنت و مشقت اور تحقیق وجستجو نہیں کی گئی، سوائے اس تیاری کے جو ہر خطبے کی ادائیگی سے دو ایک روز پہلے کی جاتی رہی، البتہ ان کی کمپوزنگ اور تصحیح وتصویب کے مراحل پُر مُشقت اور دشوار گزار ضرور رہے، اگرچہ اس میں بھی میں اپنی ناتجربہ کاری کو ہی موردِ الزام ٹھہراؤں گا، جبکہ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کتاب کی تالیف اتنا مشکل کام نہیں جتنا مشکل اس کی تصحیح اخطا کا کام ہے اور اس پر مستزاد وہ ذہنی کوفت اور نفسیاتی اذیت کہ تصحیحِ اغلاط کی تمام تر کوششوں کے باوجود متن کا غلطیوں سے محفوظ نہ ہونا۔

رہا کتاب کی طباعت کا معاملہ تو میں اس میدان میں نووارد ہونے کی وجہ سے کتابت و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طباعت کے ناز و انداز اور رموز و اشارات سے اور اس کی آرائش و پیرائش سے ناواقف اور ناآشنا ہوں، لہٰذا اس میں اگر کوئی خوبی نظر آئے تو اس کا سہرا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد کمپوزر کے سر ٹھہرے گا اور اگر کہیں کوئی تساہل دیکھنے کو ملے تو اس کی ذمہ داری بھی شیطان کے بعد انہی پر ہوگی، کیونکہ معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ آپ نے اس کے عنوان سے جان لیا ہوگا کہ خطباتِ جمعہ کا ایک مجموعہ ہے کوئی باقاعدہ کسی ایک فن اور موضوع پر، ایک منصوبے اور مقصد کے تحت لکھی گئی کتاب نہیں ہے۔

بلکہ یہ مجموعۂ خطباتِ جمعہ محدود معنوں میں ''مِنْ كُلِّ بَحْرٍ قَطْرَة'' ہے جو کہ شعبہائے دعوت وتبلیغِ دین کی ایک شاخ (خطباتِ جمعہ) کے برگ و بار ہیں۔

تاہم کوئی تصنیف و تالیف باقاعدہ اصول وضوابط اور آداب وقواعد کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کی گئی ہو یا محض تبلیغِ دین کے نقطۂ نظر سے برجستہ کوئی تقریر وتحریر ہو، اس پر تنقید، نکتہ چینی اور اعتراض سے ہرگز نہیں بچا جا سکتا۔ وہ تنقید برائے اصلاح ہو یا تنقید برائے تنقید، اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کسی بھی فن میں کسی کو کمال حاصل ہے اور نہ کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کمالِ مطلق اس دنیا میں کسی کے لیے رکھا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کے لیے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف: ٧٦) ''اور ہر ایک علم رکھنے والے پر ایک علم رکھنے والا ہے۔'' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص چاہے کتنا ہی صاحبِ علم کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہر صاحب علم سے بالاتر علم رکھنے والا ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی علم رکھنے والا کیوں نہ ہو، اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا علم رکھنے والا شخص ضرور موجود ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہوجاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ذی علم نہیں ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دوسروں پر تنقید کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے، مگر یہ کمزوری اس کی خوبی بھی بن سکتی ہے اگر اصلاح مقصود ہوتو، چنانچہ اس حقیقت کی روشنی میں کسی بھی صاحب تصنیف وتالیف کا انسان کی اس ثُنائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفت سے بچنا محال ہے، لہٰذا کچھ اسی مناسبت سے علماءِ کرام اور اہل ادب اپنی تالیفات میں اس حقیقت کا برملا اظہار کرتے چلے آئے ہیں کہ کسی صورت میں لوگوں کی تنقید سے نہیں بچا جا سکتا، ابن المقفع کا اس بارے میں قول ہے کہ (مَنْ وَضَعَ كِتَابًا فَقَدْ اِسْتَهْدَفَ ، فَإِنْ أَجَادَ فَقَدْ اِسْتَشْرَفَ ، وَإِنْ أَسَاءَ فَقَدْ اِسْتُقْذِفَ) ''جس نے کوئی کتاب وضع کی (لکھی) اس نے اپنے آپ کو ہدف اور نشانہ گاہ بنا لیا۔ (ہدف وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ نشانہ لگانے کی مشق کرتے ہیں۔) اگر اس نے اس میں عمدہ اور نفیس کام کیا تو اپنے آپ کو فضل وشرف کے مقام پر فائز کر لیتا ہے اور اگر بے سلیقہ اور ناموزوں کام کیا تو اسے سنگ زنی کا مستحق بنا دیا جاتا ہے، یعنی تب اسے تنقید اور طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مَنْ صَنَّفَ فَقَدْ جَعَلَ عَقْلَهُ عَلَى طَبَقٍ يَعْرِضُهُ عَلَى النَّاسِ'' (سیر اعلام النبلاء) ''جس نے کوئی کتاب تصنیف کی تو اس نے اپنی عقل طباق میں رکھ کر لوگوں کو پیش کر دی۔''

اور جاحظ جو کہ عہد عباسی کا عربی زبان کا نامور ادیب تھا، اس نے تو اس سے بھی آگے کی بات کہہ دی، کہتا ہے: (وَيَنْبَغِي لِمَنْ كَتَبَ كِتَابًا أَلَّا يَكْتُبَهُ إِلَّا عَلَى أَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ لَهُ أَعْدَاءٌ ، وَكُلُّهُمْ عَالِمٌ بِالْأُمُورِ ، وَكُلُّهُمْ مُتَفَرِّغٌ لَهُ) ''اور جو کوئی کتاب لکھنا چاہے وہ یہ بات ذہن میں رکھ کر لکھے کہ سارے کے سارے لوگ اس کے دشمن ہیں اور وہ تمام کے تمام معاملے کو خوب سمجھنے والے ہیں اور سب کے سب لوگ اس پر تنقید کرنے کے لیے فارغ تیار بیٹھے ہیں۔''

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس بات کو نہایت خوبصورت انداز میں یوں بیان فرمایا: ''فَلَكَ أَيُّهَا الْقَارِئُ صَفْوُهُ ، وَلِمُؤَلِّفِهِ كَدَرُهُ'' (مفتاح ، دار السعادة : ٢٠) پس اے قارئین! آپ کے لیے کتاب کا ستھرا پن اور مولفِ کتاب کے لیے اس کا گدلا پن، یعنی قاری تو کتاب کے فوائد سے مستفید ومحظوظ ہوتا ہے جبکہ مؤلف کے نصیب میں اس کا گدلا پن آتا ہے، بایں معنی کہ لوگ اس کی عیب جوئی اور اس پر نکتہ چینی اور طنز وملامت کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاہم یہ حقیقت خوب عیاں ہے کہ کوئی مؤلف و مقرر کسی بھی مثبت یا منفی تنقید سے ہرگز نہیں بچ سکتا، اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ تنقید انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک ہے اور دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ کوئی انسان چاہے کتنی ہی احتیاط کیوں نہ برتے اس کی تقریر و تحریر میں بھول چوک، لغزش و خطا اور تساہل و تغافل کا امکان بہر حال رہتا ہے اور اگر انسان کی طبیعت پہ گراں گزرنے والی اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا اور وہ یہ ہے کہ کبھی کبھی انسان سے کم علمی اور جہالت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے، کم علمی اور جہالت جیسے الفاظ یقیناً انسان کی سماعت اور اس کے مزاج پر گراں گزرتے ہیں حالانکہ وہ ایک بہت بڑی حقیقت ہیں، مگر انسان شدید ناپسند کرتا ہے کہ کوئی ان کی نسبت اس کی طرف کرے، انسان اگر علم کی ابجد ہوز سے واقف ہو جائے تو وہ علامہ فہامہ جیسے الفاظ کے ساتھ کی گئی تعریف سے بڑا خوش ہوتا ہے، لیکن جب ۹۹ فیصد علم سے ناواقفی کی بنا پر اسے کم علم یا جاہل کہا جائے تو وہ اسے اپنے لیے توہین اور گالی سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵) ''اور تمھیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔'' مگر اس کے اقرار و اعتراف کی ہمت بہت کم لوگوں کو ہو پاتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے کیا دلکش اسلوب میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

كُلَّمَا أَدَّبَنِي الدَّهْرُ
أَرَانِي نَقْصَ عَقْلِي
وَإِذَا مَا ازْدَدْتُ عِلْمًا
زَادَنِي عِلْمًا بِجَهْلِي

(دیوان الشافعی رحمہ اللہ)

''حالات نے جب کبھی میری تادیب کی، مجھے میری کم عقلی ہی دکھائی اور جب میرے علم میں اضافہ ہوا، تب مجھے میرے جہل سے متعلق علم ہونے میں اضافہ ہوا یعنی جب آدمی کے علم میں کسی بات کا اضافہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی اس بات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اضافہ ہوتا ہے کہ اس سے پہلے وہ جاہل تھا۔‘‘

بہرحال اس حقیقت کے اعتراف سے اہل علم کے مقام و مرتبے، ان کی عزت اور ان کی شان میں ہرگز کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے، تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

تنقید کے حوالے سے آخری بات عرض کرتا چلوں کہ تنقید اگرچہ طبیعت کو مکدر کر جاتی ہے، مگر حقیقت میں مثبت تنقید اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو انسان کی اصلاح اور اس کے علم میں پختگی اور استحکام کا باعث بنتی ہے، اس لیے ناقدین کی طعن وتنقید سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ شکرگزار ہونا چاہیے کہ کوئی بلا معاوضہ عیوب و نقائص دور کر کے آپ کی تالیف کی قدر و قیمت میں اضافہ کر رہا ہوتا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ کتاب کو اغلاط سے پاک رکھنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی تقصیر رہ جاتی ہے، کوئی تقدیم و تاخیر ہو ہی جاتی ہے، اس بات کو اپنے دور کے استاذ العلماء البلغاء عبدا لرحیم البیسانی العسقلانی رحمہ اللہ جو کہ القاضی الفاضل کے نام سے مشہور تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے وزیر تھے، جن کے بارے میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ”لَا تَظُنُّوْا أَنِّيْ فَتَحْتُ الْبِلَادَ بِالْعَسَاكِرِ ، إِنَّمَا فَتَحْتُهَا بِقَلَمِ الْقَاضِيْ الْفَاضِلِ“ یہ مت سمجھو کہ میں نے ملک لشکروں کے ذریعے فتح کیے ہیں بلکہ القاضی الفاضل کے قلم کے ساتھ فتح کے ہیں، اپنی کسی تحریر پر عماد الدین اصفہانی کی طرف سے کسی استدراک پر اعتذار پیش کرتے ہوئے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ، جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إِنَّهُ قَدْ وَقَعَ لِيْ شَيْءٌ وَمَا أَدْرِي أَوَقَعَ لَكَ أَمْ لَا ، وَهَا أَنَا أُخْبِرُكَ بِهِ وَذٰلِكَ أَنِّي رَأَيْتُ أَنَّهُ لَا يَكْتُبُ أَحَدٌ كِتَابًا فِيْ يَوْمِهِ إِلَّا قَالَ فِيْ غَدِهِ: لَوْ غُيِّرَ هٰذَا لَكَانَ أَحْسَنَ ، وَلَوْ زِيْدَ هٰذَا لَكَانَ يُسْتَحْسَنُ ، وَلَوْ قُدِّمَ هٰذَا لَكَانَ أَفْضَلَ ، وَلَوْ تُرِكَ هٰذَا لَكَانَ أَجْمَلَ ، وَهٰذَا مِنْ أَعْظَمِ الْعِبَرِ ، وَهُوَ دَلِيْلٌ عَلَى اسْتِيْلَاءِ النَّقْصِ عَلَى جُمْلَةِ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْبَشَرِ . " (ابجد العلوم : ۱/ ۷۱)

''یقیناً میرے ساتھ ایک معاملہ پیش آ چکا ہے اور معلوم نہیں کہ آپ کے ساتھ بھی کبھی پیش آیا ہے کہ نہیں، لیجئے میں آپ کے سامنے بیان کرنے جا رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی روز، کوئی کتاب یا کوئی تحریر لکھتا ہے تو اس سے اگلے ہی روز اسے خیال آتا ہے کہ فلاں لفظ یا فلاں جملے کو اگر بدل دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا اور اگر فلاں لفظ کا اضافہ کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا، اگر فلاں لفظ کو فلاں پر مقدم کر دیا جاتا تو لائق تر ہوتا اور فلاں لفظ کو اگر ہٹا دیا جاتا تو زیادہ دلکش ہوتا اور یہ ایک بہت بڑی باعثِ عبرت بات ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام بنی آدم پر نقص کا غلبہ ہے۔''

تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بھی مولف اور مصنف مستثنٰی نہیں ہے اور بالخصوص جب اس پائے کے لوگ اس سہو و تغافل سے مبرا و منزہ نہ ہوں تو پھر ہم جیسے طلاب العلم کا شمار کس کھاتے میں ہوگا!

بہر حال تمہید کو سمیٹتے ہوئے آخر میں بس اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ ان خطبات کی تیاری اور جمع و ترتیب میں جو حقیر سی کاوش پیش کر سکا وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ممکن ہوا اور جو کہیں لغزش و خطا اور سہو و تغافل ہوا وہ فقط میری ہی تقصیر ہے۔

اختتام پر ان جملہ محسنین کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی بھی طرح کوئی تعاون فرمایا، بالخصوص حضرۃ الاستاذ مولانا الشیخ صاحبزادہ برق التوحیدی صاحب حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے احادیث و آثار کی تخریج کا کام تندہی اور جانفشانی سے کیا اور مفید مشوروں سے نوازا اور ذی وقار پروفیسر احمد ساقی صاحب حفظہ اللہ کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے متعدد مقامات پر الفاظ کی نوک پلک سنواری اور انہیں نیا پیرہن بخشا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مشقت اور عرق ریزی کو شرف قبولیت بخشے اور اسے ان کی آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور آخر میں رفقائے ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد جناب فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبد الحیٔ انصاری حفظہ اللہ اور فاضل نوجوان حضرت مولانا خبیب احمد صاحب حفظہ اللہ کا علمی معاونت اور قیمتی سفارشات پر شکریہ ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی علمی و تحقیقی صلاحیتوں اور کاوشوں میں برکت عطا فرمائے اور مزید نکھار پیدا کرے اور خدمت دین کے لیے ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین

اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قارئین کے لیے رہنمائی کا باعث، اور میرے اور میرے والدین اور میرے اساتذہ کے لیے بخشش ومغفرت کا سبب بنا دے۔ آمین

اللهم اجعل عملي كله صالحاً واجعله لوجهك خالصاً ولا تجعل لأحد فيه شيئا

خادم العلم والعلماء

حافظ عبد الرحمٰن کشمیری

نیویارک

یکم نومبر 2020ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جشنِ سال نو اسلام کی نظر میں

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اس حقیقت سے سب واقف ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کے افضل واشرف ہونے کے متعدد دلائل و اسباب ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کو اپنے ہاتھوں سے تخلیق فرمانا، فرشتوں سے سجدہ کروانا اور عقل سے نوازنا۔

عقل انسان میں ایک ایسی صفت، ایسی قوت اور ایسا جوہر ہے کہ جو اسے دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، یوں تو دیگر جاندار مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ نے عقل سے نواز رکھا ہے، مگر ان کی عقل ان کی ضروریات زندگی اور ان کی رغبات وخواہشات تک محدود ہے۔

جانوروں کو اپنے بقا اور اپنے دفاع کے لیے اور رزق کی تلاش کے لیے عقل اور دیگر قوتیں حاصل ہیں، اور ان میں وہ بسا اوقات انسان سے کہیں زیادہ قوت و طاقت، عقل وفہم اور استعداد وصلاحیت رکھتے ہیں۔

مثلاً انہیں خوب معلوم ہے کہ رزق کہاں سے حاصل کرنا ہے، پرندے سردیوں کے موسم میں گرم علاقوں کی طرف اور گرمیوں کے موسم میں سرد علاقوں کی طرف سفر کرتے ہیں اور ہزاروں میل لمبا سفر کرتے ہیں، مگر بغیر کسی رہنمائی کے، بغیر کسی نقشہ اور بغیر کسی GPS کے سیدھے اس جگہ جا کر گھونسلہ بناتے ہیں جہاں گزشتہ موسم میں ڈیرے ڈالے تھے، ان کا سفر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عموماً رات کو ہوتا ہے پھر کہیں بادل ہوتے ہیں، کہیں دھند ہوتی ہے، مگر وہ راستہ نہیں بھولتے، لیکن انسان چند میل کا سفر بغیر رہنمائی کے نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بعض جانوروں کو انسان کے مقابلے میں حیران کن حد تک جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے، جیسے کبوتر اور باز وغیرہ انسان سے آٹھ گنا زیادہ دور تک دیکھ سکتے ہیں اور چیونٹی اپنے جسم سے دس گناہ زیادہ وزن اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے، جبکہ انسان اپنے جسم کے برابر بھی وزن نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح بعض دوسرے جانوروں کو بعض دوسری صلاحیتیں بھی حاصل ہیں، مگر ان کی عقل اور دوسری صلاحیتوں کا دائرہ کار محدود ہے۔

جبکہ انسان اپنی ضروریات زندگی سے باہر بھی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ حالات و واقعات کا تجزیہ وتحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ مخلوقات کی ماہیت جاننے اور کیوں اور کیسے کا جواب جاننے کے لیے غور وفکر کرتا ہے اور عقل کو استعمال میں لاتا ہے، سیب اگر درخت سے گرتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ سیب اوپر سے نیچے کی طرف ہی کیوں گرتا ہے نیچے سے اوپر کی طرف کیوں نہیں جاتا، مگر جانور صرف اتنا سوچتا ہے کہ یہ اس کے کھانے کی چیز ہے یا نہیں۔

تو انسان کو دیگر مخلوقات پر جن وجوہات کی بناء پر برتری اور فوقیت اور خاص امتیاز حاصل ہے ان میں سے ایک عقل بھی ہے، عقل انسان کا ایک قیمتی اثاثہ اور متاع گراں قدر ہے، اس کے ذریعے وہ سمندر کی گہرائیوں میں اتر کر لعل و گہر ڈھونڈ کے لاتا ہے اور فضاؤں میں اڑتا ہے۔

مگر ان تمام صلاحیتوں کے باوجود انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنے ہی نہیں بلکہ اسے بامقصد اور بامراد بنانے کے لیے ہدایت ورہنمائی کی ضرورت ہے، صرف عقل پر انحصار نہیں کیا جا سکتا، اور وہ ہدایت ورہنمائی وحی الٰہی کی صورت میں ہے۔

عقل اور وحی الٰہی کی مثال آنکھ اور روشنی کی ہے کہ آنکھ کی حیثیت اور اس کی افادیت مسلّم ہے، صحیح سلامت ہونے کی صورت میں آنکھ اشیاء کو ان کی اصلی حالت میں دیکھنے کی صلاحیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھتی ہے، مگر اس کے لیے روشنی کا ہونا بھی ضروری ہے وہ اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتی۔

انسان کو جس قدر بھی عقل حاصل ہے، وہ اس سے دنیا کی سہولتیں اور فوائد تو حاصل کر سکتا ہے مگر بخیر و عافیت اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے دنیا میں کس طرح زندگی گزارنا ہے، عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجتے ہوئے ہدایت و رہنمائی کا بھی وعدہ فرمایا جس کی انسان کو دنیا میں ضرورت ہے۔

فرمایا: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾

''ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔''

﴿فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرة: ۳۸)

''پھر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

اس آیت کریمہ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب کے سب یہاں سے اتر جاؤ تو اس کے مخاطبین کون ہیں؟

اس کے مخاطبین آدم و حواء علیہما السلام اور تمام انسان ہیں۔ اصل خطاب تو آدم و حوا علیہما السلام اور ابلیس سے ہی ہے۔ مگر چونکہ ہم لوگ بھی آدم علیہ السلام کی پشت میں ہی تھے اس لیے معناً ہمیں بھی مخاطب کیا گیا، جیسا کہ فرشتوں سے سجدہ کرواتے وقت بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہم بھی مراد تھے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾

(الاعراف: ۱۱)

''ہم نے تم سب کی تخلیق فرمائی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدم کو سجدہ کرو۔"

تو معنی یہ ہوا کہ فرشتوں کو جو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو اس سے مراد نوع انسانی ہے، اور آدم علیہ السلام ان کے نمائندہ ہیں۔

تو انسان عقل کی تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود دنیا میں درست سمت، امن و امان والی اور کامیابی و کامرانی والی زندگی گزارنے کے لیے اس خصوصی ہدایت و رہنمائی کا محتاج ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا ہم اسی ہدایت و رہنمائی کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے یا اپنی عقل، اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔

تو حقیقت یہ ہے اور جیسا کہ ہم سب کا مشاہدہ ہے، ہم اپنے گرد و پیش اور اپنے ماحول کو دیکھتے ہیں، اپنے گھروں اور بازاروں کو دیکھتے ہیں، اپنے سکولوں اور کالجوں کو دیکھتے ہیں، اپنے صحافتی اداروں اور ایوانوں کو دیکھتے ہیں، اپنے لین دین اور تجارت کو دیکھتے ہیں، اپنی رشتہ داریوں اور تعلقات کو دیکھتے ہیں اور اپنی خوشی اور غمی کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ہم اس ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔

یہ جاننے کے لیے کہ کوئی کس طرح کی زندگی گزار رہا ہے قرآن پاک نے اک قاعدہ بیان فرما دیا ہے، کہ زندگی دو ہی طرح کی ہے یا ہدایت کے مطابق یا اپنی خواہشات کے مطابق، تیسری کوئی صورت، کوئی حالت اور کوئی راستہ نہیں ہے، چاہے کتنا ہی چونکہ چنانچہ کہہ لیں، حیلے اور بہانے گھڑ لیں حقیقت یہی رہے گی۔ فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ﴾

(القصص : ٥٠)

"اگر یہ آپ کی بات نہیں مانتے تو اے پیغمبر ﷺ سمجھ لیں کہ یہ صرف اپنی خواہشات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے تابعداری کر رہے ہیں۔''

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (القصص : ٥٠)

''اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرے۔''

زندگی ہدایت کے مطابق گزارنے کا مطلب ایک ایک لمحہ ہدایت کے مطابق گزارنا ہے، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، لین دین، کاروبار، معاملات، شادی بیاہ، خوشی غمی یعنی ہر چیز ہدایت کے مطابق ہو۔

ان بہت سے معاملات میں سے جو ہم ہدایت کے برعکس اپنی خواہشات کے مطابق گزارتے ہیں اک تہوار منانا بھی ہے۔

لوگوں نے اپنے اپنے خیالات ونظریات کے مطابق اپنی خوشی اور مسرت کے اظہار کے لیے بہت سے تہوار مقرر کر رکھے ہیں ان تہواروں کو منانے کا انداز بھی اک خاص طرز کا اپنا رکھا ہے۔

انہی تہواروں میں ایک تہوار سالِ نو کا ہے۔ سالِ نو کے موقع پر بہت سی قومیں خوشی مناتی ہیں، جس میں اچھل کود، ہلا غلا شور شرابا اور بہت سے بے راہ روی کے کام کرتے ہیں۔

جہاں تک سالِ نو کے منانے کے انداز کی بات ہے تو اس پر تو کسی تبصرے کی ضرورت ہی نہیں کہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اس کو پسند نہیں کرتا۔

مگر جہاں تک سالِ نو منانے کا تعلق ہے یہ بات اگر ان قوموں کے حوالے سے ہو کہ جن پر اللہ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے، یا جو بت پرستی یا مورت پرستی میں مبتلا ہیں تو پھر کوئی اچنبے کی بات نہیں۔

مگر وہ قوم کہ جس کے فرائض منصبی میں لوگوں کی رہنمائی کرنا ہے، اور اسے منتخب امت قرار دیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

”تم کائنات کی سب سے بہترین امت ہو جسے لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے۔“

وہ قوم اگر ان بھٹکی ہوئی قوموں کے ساتھ بھٹک جائے، ان کے ساتھ ان کی جاہلانہ اور احمقانہ خوشیوں میں شریک ہو جائے، ان کے ساتھ گانے اور ناچنے لگ جائے اور اچھل کود شروع کر دے تو پھر یقیناً افسوس بھی ہوتا ہے اور شرمندگی بھی۔ اور مزید برآں ایسی خوشیاں اور ایسے تہوار جہاں ہدایت الٰہی کے سراسر منافی اور مخالف ہوتے ہیں وہاں عقل و دانش بھی ان کا منہ چڑا رہی ہوتی ہے۔

سالِ نو کی آمد کسی انسان کے لیے دین کے بغیر کس طرح خوشی کا باعث ہو سکتی ہے، کوئی مسلمان اسے کس طرح Justify کر سکتا ہے، بجا اور روا ثابت کر سکتا ہے، سمجھ نہیں آتی۔

حدیث میں ہے کہ:

((خَيْرُ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ .))

”سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں۔“

((وَشَرُّ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ .)) [1]

”اور سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل برے ہوں۔“

اب جو شخص بدعت کا ارتکاب کر کے اور ناچ ناچ کے خوشیاں منا رہا ہو کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کے عمل اچھے ہیں؟

اور پھر جس کے عمل واقعتاً اچھے ہوں اسے دل میں اچھے عمل کی توفیق پر اگر کوئی مسرت ہو بھی رہی ہو تو دوسری طرف اسے قبولیت کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اسے اچھل کود کہاں سوجھتی ہے۔

اور پھر مسلمانوں کے تو صرف دو ہی تہوار ہیں اور ان کے منانے کے انداز بھی آپ کو

[1] ترمذی : ۲۳۲۹.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہے کہ تشکر کے طور پر ہوتے ہیں اور عبادت کی صورت میں ہوتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيهِمَا .))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور ان لوگوں کے ہاں دو دن تھے کہ وہ ان میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔''

((فَقَالَ: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ .))

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ دو دن کیا ہیں۔''

((قَالُوْا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ .))

انہوں نے کہا کہ ہم دور جاہلیت میں ان دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔''

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا .))

''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے میں ان سے اچھے دن دیے ہیں۔''

((يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ .)) [1]

''قربانی کا دن اور فطر کا دن۔''

آپ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تہواروں کو باقی تہواروں سے بدل دیا گیا ہے اور وہ ان سے بہتر بھی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عقل اگر دین کے تابع نہ ہو، وحی الٰہی کے مطابق نہ ہو تو اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، پھر نہ صرف یہ کہ وہ کام نہیں کرتی بلکہ تباہی مچاتی ہے، آدمی اگر خوشبو اور بدبو میں فرق نہ کر سکے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آدمی بیمار ہے، اس کی قوت شامہ کام نہیں کر

[1] ابوداؤد: ١١٣٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہی، لیکن اگر بدبو کو خوشبو سمجھنے لگ جائے تو پھر اس کا مطلب ہوگا کہ خوشبو اور بدبو پر کھنے کا معیار ہی الٹ گیا ہے۔

کوئی مسلمان اچھے اور برے میں، صحیح اور غلط ہیں، حیا اور بے حیائی میں، دین اور بے دینی میں فرق نہ کر سکے بلکہ بے دینی اور بے حیائی کی باتوں پر کمپرومائز کرنے لگ جائے اور انہیں جسٹیفائی کرنے لگ جائے تو پھر اس سے بڑھ کر تباہی کیا ہوگی۔ جب انسان دین کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو پھر اس کی سوچ ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

اب دیکھئے سال نو کے موقع پر سوچنے کی بات تو یہ ہوسکتی ہے کہ گزشتہ سال ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ نئے سال کی آمد پر آدمی کو فکر تو یہ ہونی چاہیے کہ عمر مقررہ سے ایک سال کم ہوگیا، چہ جائیکہ آدمی اس پر خوش ہو۔ لیکن یہ فکر اس لیے پیدا نہیں ہوتی کہ آخرت کی فکر نہیں ہے، حساب کی فکر نہیں ہے کہ گزشتہ سالوں میں کیے گئے اعمال کا حساب دینا ہے۔

یہ حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُسْاَلَ عَنْ اَرْبَعٍ .))

''قیامت کے دن انسان کے قدم (بارگاہِ الٰہی میں) برابر جمے رہیں گے، یہاں تک کہ چار چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے۔''

((عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ .))

''اس کی عمر کے متعلق کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا۔''

((وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ .))

''اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں ضائع کیا۔''

((وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ .))

''اس کے مال کے متعلق کہ اس نے کہاں سے کمایا اور اسے کن مصارف میں خرچ کیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَعَنْ عِلْمِهٖ مَاذَا عَمِلَ فِيْهِ .)) ❶

''اور اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا۔''

اگر ان باتوں پر آدمی کا دل سے یقین ہو تو کیا وہ سال نو منا سکتا ہے اور اس پر اچھل کود کر سکتا ہے، ایسا کوئی ٹیڑھی سوچ رکھنے والا ہی کر سکتا ہے آخرت پر یقین رکھنے والا شخص نہیں کر سکتا۔ عقل سلیم رکھنے والا کوئی شخص اگر دنیا کی حقیقت پر غور کر لے، اور اپنی عمر کی حقیقت کو سمجھ لے تو اسے یہ اٹکھیلیاں سوجھتی ہی نہیں۔

جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَلدُّنْيَا ثَـلَاثَةُ اَيَّامٍ .))

''دنیا تین دن کی ہے۔''

((اَمَّا اَمْسِ فَقَدْ ذَهَبَ بِمَا فِيْهِ .))

''ایک گزرا ہوا دن ہے اس میں جو کیا وہ گزر گیا۔''

((وَاَمَّا غَدًا فَلَعَلَّكَ لَا تُدْرِكُهُ .))

''اور ایک آئندہ آنے والا دن ہے شاید کہ وہ تم دیکھ ہی نہ سکو۔''

((وَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَكَ فَاعْمَلْ فِيْهِ .)) ❷

''اور آج کا دن وہ تمہارے لیے ہے، پس اس میں عمل کر لو۔''

لہٰذا اگر صرف اپنے آج کی فکر اور قدر کر لی جائے تو اس میں ماضی بھی کور ہو جاتا ہے، اور وہ انسان کو مستقبل کی فکر سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

((قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مَـا نَـدِمْتُ عَلٰى شَيْءٍ نَدَمِيْ عَلٰى يَوْمٍ غَرَبَتْ شَمْسُهٗ، نَقَصَ فِيْهِ اَجَلِيْ وَلَمْ يَزْدَدْ فِيْهِ عَمَلِيْ .)) ❸

---

❶ صحيح الترغيب والترهيب، ج٣، ص ٣٢٠، رقم: ٣٥٩٣.

❷ الزهد الكبير للبيهقى، ص ١٩٦، رقم: ٤٧٧.

❸ قيمة الزمن عند العلماء للشيخ ابى غُدّة، ص: ٢٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مجھے کسی چیز پر اس دن سے زیادہ پشیمانی نہیں ہوتی جس کا سورج غروب ہو جائے، اس میں میری عمر تو کم ہو جائے مگر میرا عمل زیادہ نہ ہوا ہو۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دانشمندی ہے، یہی اعتدال اور یہی نجات کی راہ ہے، ورنہ ڈر یہ ہے کہ کہیں قیامت کے دن ہمارا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ﴾ (الروم: ۵۵)

اور قیامت کے دن مجرم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجنبی

(دنیا کے بارے میں اسلامی نکتۂ نظر)

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال: ۳۳)

''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے، جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں کبھی عذاب دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔''

اس دنیا میں انسان کی حیثیت اک پردیسی اور اجنبی کی سی ہے پردیسی کسی ملک، کسی شہر یا کسی علاقے میں چاہے کتنا ہی لمبا قیام کر لے اور مانوس ہو جائے اسے بالآخر اپنے وطن کی طرف ہی لوٹنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں وہ اجنبیت محسوس کرتا ہے اور دنیا بھی انسان کے لیے پردیس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام دنیا میں اسی انداز، اسی کیفیت اور اسی حیثیت سے زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ .)) [1]

''آپ ﷺ نے مجھے کندھے سے پکڑ کر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم اجنبی یا کوئی مسافر ہو۔''

اجنبی، آپ جانتے ہیں کہ اس کو کہا جاتا ہے جو کسی علاقے کا اصل اور مستقل مکین نہ ہو، بلکہ پردیسی ہو، جسے وہاں اپنے قیام کی مدت کا قطعی طور پر علم نہ ہو، بس اتنا معلوم ہو کہ مالک

[1] بخاری: ٦٤١٦.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نے جس غرض سے اور جس مشن پر اسے بھیجا ہے جونہی وہ مکمل ہوا، واپس بلا لیا جائے گا، چنانچہ وہ ہمہ وقت کوچ کے لیے تیار رہتا ہے، اپنے رہن سہن کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اپنے اصل کام پر توجہ مرکوز رکھتا ہے۔

البتہ وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ جانے کے لیے بے تاب و بے قرار ضرور ہوتا ہے، اور یہ اک فطری جذبہ ہے وہ اپنی پہلی منزل کو بھول نہیں پاتا۔ چنانچہ شاعر ابو تمّام الطائی نے کیا خوب کہا ہے:

نَـقِّـلْ فُـؤادَكَ حَيْـثُ شِئْتَ مِنَ الْهَوَى
مَــا الْـحُــبُّ إِلَّا لِـلْـحَبِيْـبِ الْأَوَّلِ

”خواہشات میں دل کو جہاں چاہو لگاتے رہو مگر محبت پہلے محبوب کی ہی ہوا کرتی ہے۔“

وَكَـمْ مَـنْـزِلٍ فِـيْ الْأَرْضِ يَأْلَفُهُ الْفَتَى
وَحَــنِـيْـنُـــــهُ أَبَــدًا لِأَوَّلِ مَــنْــزِلِ

”کتنے ہی مقامات سے انسان مانوس ہوتا ہے مگر دل میں لگن ہمیشہ پہلی منزل کے لیے ہی ہوتی ہے۔“

اور جیسا کہ ایک اردو کا شاعر کہتا ہے:

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

تو اجنبی وہ ہوتا ہے جو انجان ہو، نا آشنا ہو، جس سے لوگ مانوس نہ ہوں۔

اسی طرح مسافر وہ ہے جو کسی منزل کی طرف رواں دواں، راستوں کو ماپتا جائے۔ یعنی اجنبی اور پردیسی تو وہ ہے جو کچھ دنوں یا کچھ عرصے کے لیے پردیس میں ٹھہر گیا ہو، مگر مسافر وہ جو مسلسل چلتا جا رہا ہو، ہاں کچھ دیر ستانے کے لیے کہیں ٹھہر جائے، اگرچہ پردیسی اور مسافر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے الفاظ مترادف الفاظ کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں، تاہم جہاں آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے ایک پردیسی یا مسافر کی سی زندگی گزارنے کا فرمایا، وہاں اپنے لیے بھی دنیا کے ساتھ کم سے کم تعلق والا طرز زندگی ہی اختیار فرمایا، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَـالِيْ وَلِلدُّنْيَا)) ''میرا دنیا سے کیا لینا دینا۔''

((اِنَّـمَـا مَثَـلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَرَاكِبٍ قَالَ فِيْ ظِلِّ شَجَرَةٍ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا .)) [1]

''میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے، جیسے گرم دن میں کوئی مسافر لمحہ بھر کو کسی پیڑ کی چھاؤں میں ستانے کے لیے رک جائے پھر اٹھے اور چل دیے۔''

مسافر گرمی میں آرام کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ بھلا کتنا قیام کرے گا؟

بس یہی کچھ گھنٹہ دو گھنٹہ اور پھر سفر پر روانہ ہو جائے گا۔

آپ ﷺ نے مسافر کی تشبیہ کو اپنے لیے پسند فرمایا جس کا دنیا سے سب سے کم تعلقِ خاطر بنتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کی نصیحت کو کس طرح سمجھا اور ان پر کیا اثر ہوا؟ حدیث میں ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

((اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ .))

''جب تم پر شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو۔''

((وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ .))

''اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو۔''

---

[1] مسند احمد، ج ۱، ص ٤٤١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ .)) ❶

''اپنے صحت وتندرستی کے ایام میں سے، اپنی بیماری کے لیے کچھ پس انداز کرو، اپنی زندگی کی مہلت میں اپنی موت کے لیے تیاری کرو۔''

یعنی آدمی سدا تندرست رہتا ہے نہ ہمیشہ زندہ، بیماری کے ایام میں عمل کی ہمت نہیں رہتی، اور موت واقع ہونے سے تو امید بھی ختم ہو جاتی ہے، پھر حسرت وافسوس کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا، اس لیے صحت وتندرستی کو اور زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے کچھ نیک عمل کرلو۔

دنیا میں غربت یعنی اجنبیت ایک تو خالصتاً دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے ہے جس سے ہم سب واقف ہیں کہ لوگ رزق کی تلاش میں، علاج معالجے کے لیے، کاروبار کے لیے یا دیگر ضروریات کے لیے سفر کرتے ہیں، دیارِ غیر میں عارضی سکونت اختیار کرتے ہیں۔

اور دوسرا اجنبیت دنیا سے بے رغبتی، فکر آخرت اور زہد وتقویٰ کے حوالے سے ہے، کہ جو آدمی حقیقت شناس ہے وہ اس مسافر خانے میں مسافروں کی سی زندگی گزارنا پسند کرتا ہے، اس کی رونقوں اور رعنائیوں میں مگن نہیں ہوتا اس کی بھول بھلیوں میں کھو نہیں جاتا بلکہ اپنی حقیقی منزل پر نظر رکھتا ہے۔

اور تیسرا غربت احکام دین کی تعمیل اور تمسک بالدین کے حوالے سے ہے، آج کی گفتگو میں ہم اسی غربت سے متعلق بات کرنا چاہیں گے۔

یہ وہ غربت اور اجنبیت ہے، جس کی آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرما رکھی ہے، اور یہ مطلوب وممدوح ہے حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ .))

''اسلام ابتدا میں غریب واجنبی تھا، اور عنقریب پھر سے اجنبی ہو جائے گا، پس

❶ بخاري : ٦٤١٦ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بشارت ہو غربا کے لیے۔‘‘

((قِيْلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟))

’’دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ غربا کون ہیں؟‘‘

((قَالَ: "اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ اِذَا فَسَدَ النَّاسُ"، ❶ وَفِيْ حَدِيْثٍ "اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ اِذَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِيْ" .))❷

’’فرمایا: وہ لوگ جو اصلاح کرتے ہیں جب لوگ فساد میں مبتلا ہو جائیں، اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ لوگ جو اصلاح کرتے ہیں جب لوگ میری سنت میں فساد برپا کر دیں۔‘‘

اس حدیث میں بیان ہونے والے بہت سے فوائد میں سے چند نمایاں باتیں یہ ہیں کہ

۱۔ اسلام اپنے ابتدائی ایام میں غریب اور اجنبی تھا۔

۲۔ قیامت کے قریب اسلام کو ماننے والے پھر سے اجنبی نظر آئیں گے۔

۳۔ اور غربا کی صفت یہ ہے کہ وہ فساد اور بگاڑ کے دور میں خود بھی سنت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں گے اور دوسروں کی بھی اصلاح کریں گے۔

۴۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی پیشین گوئی ہے اور ایسا ہو کر رہنے والا ہے۔

۵۔ پانچویں بات یہ کہ ایسے دور میں اتباع سنت کرنے والوں کو بہت بڑے انعام سے نوازا گیا ہے۔

لفظ غریب کا معنی جان لینے کے بعد کہ غریب کا معنی اجنبی ہے، اور ابتدا میں اسلام اجنبی تھا، اس کے ماننے والے غربا تھے، اجنبی تھے، یعنی لوگ اس سے ناواقف اور نامانوس تھے اور اس کو ماننے والے اک قلیل تعداد میں تھے۔ کسی کو شک نہیں رہ جاتا کہ اسلام ابتدا میں

---

❶ مسند احمد، ج ٤، ص ٧٣، رقم: ١٦٧٣٦ .

❷ ترمذی: ٢٦٣٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجنبی تھا، اوراس اجنبیت کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس دور میں اسلام قبول کرنا اوراس پر عمل پیرا ہونا نہایت مشکل تھا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی غربت کے ایام میں نہایت دشوار گزار مراحل سے گزرا، بالآخر شجرِ اسلام کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں حتیٰ کہ غالب آ گیا۔اس دور کے غرباء کی مثال قرآن پاک میں یوں بیان کی گئی ہے کہ:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح : ٢٩)

''ان کی مثال تورات اورانجیل میں یوں دی گئی ہے گویا ایک کھیتی ہے،جس نے پہلے کونپل نکالی، پھراس کوتقویت دی، پھرگدرائی، پھراپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشتکار کوخوشنما لگی تاکہ کفاران کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔''

اس حدیث میں دوسری اہم بات جو ہمارے آج کے موضوع سے متعلق ہے وہ یہ کہ یہ دورغربت ثانیہ کا ہے کہ جس کی حدیث میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔

((وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ .))

''اورعنقریب اسلام پھر سے اجنبی ہو جائے گا جیسا کہ ابتدا میں تھا۔''

تو کیا آج کا دورغربت ثانیہ کا ہے؟

آج اسلام اجنبی تو یقیناً ہے اگر چہ ہر لحاظ سے غربت اولیٰ سے مماثلت نہ سہی مگر بہت سے پہلوؤں سے غربت ثانیہ ہی ہے۔ یوں تو کئی لحاظ سے آج کا دورغربت اوراجنبیت کا دور ہے مگر جو اس کا ایک افسوسناک پہلو ہے وہ یہ کہ آج اسلام اور مسلمان خود مسلمانوں کے بیچ اجنبی ہیں۔قرآن اور حدیث کی کوئی بات کی جائے، اصلاح کی بات کی جائے تو اسلام کو اور علماء علمائے اسلام کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کر دیتے ہیں۔اپنے مزاج اوراپنی پسند کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

خلاف قرآن وحدیث بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ آج اسلام اجنبی ہے تو عقائد کے لحاظ سے اجنبی ہے، شرک اور بدعت کا دور دورہ ہے جبکہ سنت کی اتباع کرنے والے خال خال نظر آتے ہیں۔

اسلام، احکامِ اسلام کی تعمیل کے اعتبار سے اجنبی ہے، ہر طرف بے دینی اور سنت کی مخالفت ہے،سنت کی پیروی کرنے والے چیدہ چیدہ نظر آتے ہیں اوران کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

اسلام اخلاق و آداب کے حوالے سے اجنبی ہے کہ اسلامی اقدار کی بجائے لوگوں نے اپنے طریقے وضع کررکھے ہیں اور اسلامی اقدار پر عمل کرنے والوں کی تضحیک کی جاتی ہے۔

اسلام ثقافت کے لحاظ سے اجنبی ہے کہ اسلامی ثقافت کو پس پشت ڈال کر یہود و ہنود کی ثقافت کو اپنا رکھا ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے اور اسلامی ممالک میں سرعام اس کا مظاہرہ کیا جاتا اور ترغیب دی جاتی ہے۔اس کی اصلاح کی بات کی جائے تو مخالفت میں پورا معاشرہ امڈ آتا ہے۔

اورسب سے بڑی یہ کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کی بات کی جائے تو کھلے عام رد کر دیا جاتا ہے اور کھل کر مخالفت کی جاتی ہے۔اس سے بڑھ کر اجنبیت کیا ہوگی؟ اس سے بڑھ کر فساد کیا ہوگا؟

اس دور میں اسلام کی اجنبیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ صحیح اور غلط کا اور اچھے اور برے کا معیار ہی مسلمانوں کے ہاں الٹ گیا ہے کہ کسی ایسے مرد کو یا کسی ایسی عورت کو اسلامی ملک کا سربراہ بنانا پسند کرتے ہیں جن کی بے غیرتی اور بے حیائی کے چرچے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہوں اور ہر شخص دیکھ سکتا ہو۔

اب بھی اگر سمجھا جائے کہ دنیا میں فساد نہیں ہے تو پھر نہ جانے فساد کس کو کہتے ہیں۔

اور آخری بات کہ اس حدیث میں جو ایسے فساد کے دور میں سنت پر کار بند رہنے والوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے تو وہ اس لیے کہ سنت پر عمل پیرا ہونا نہایت مشکل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غربت اور اجنبیت کے بارے میں ایک بات ملحوظ رکھیے کہ اس اجنبیت کا مطلب یہ نہیں کہ پوری دنیا میں ہر جگہ یہی حال ہوگا، بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے حساب سے ہے کہ کسی ایک علاقہ میں ہے اور کسی میں نہیں ہے۔

مثلاً: کئی ایک اسلامی ممالک میں دیندار ہونا ایک بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے اور اس کی ظاہری علامات میں سے ایک داڑھی رکھنا اور دوسرا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا۔ خفیہ ادارے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں، پاکستان میں تو حالات ابھی تک اس نہج پر نہیں پہنچے مگر کچھ بعید بھی نہیں کہ مستقبل میں ایسا ہو جائے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

اور چونکہ غربت کے دور میں دین پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے اس کا اجر بھی بہت زیادہ بتلایا گیا ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ وَرَآئِکُمْ اَیَّامَ الصَّبْرِ ، اَلصَّبْرُ فِیْهِنَّ کَقَبْضٍ عَلَی الْجَمْرِ .))

”بے شک تمہارے بعد صبر کے دن آنے والے ہیں، ان دنوں میں صبر کرنا ایسے ہوگا جیسے آگ کا انگارہ مٹھی میں لینا ہے۔“

((لِلْعَامِلِ فِیْهَا اَجْرُ خَمْسِیْنَ .))

”ان ایام میں عمل کرنے والے کو پچاس عاملوں کا ثواب ملے گا۔“

((قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْهُمْ اَوْ خَمْسِیْنَ مِنَّا .))

”صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں میں سے پچاس عاملوں کا ثواب ہوگا یا ہم میں سے پچاس عاملوں کا ثواب ہوگا؟“

((قَالَ: خَمْسُوْنَ مِنْکُمْ .)) [1]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی : ١٠٣٩٤ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”آپ نے فرمایا: تمہارے پچاس عاملوں کے برابر۔“

تو اجنبیت کے دور میں اور صبر کے زمانے میں دین پر کاربند رہنا یقیناً دشوار ہے، اور ایسا دشوار ہے جیسا کہ آپ نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((كَقَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ .)) جیسا انگارے کو پکڑنا ہے۔ مگر اس کا اجر بہت بڑا ہے، اتنا بڑا کہ پچاس صحابہ کرام کے اجر کے برابر، اور صحابہ کرام کا اجر کتنا بڑا ہے ہمارے اجر کی نسبت سے! حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ .)) [1]

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو ان کے۔یعنی صحابہ کے۔ چلو بھر یا آدھے چلّو کے برابر خرچ کیے گئے مال کے اجر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

اندازہ کریں کسی نیکی پر ہمارے اجر اور ان کے اجر میں کتنا فرق ہے۔ مگر ان خصوصی حالات میں ہمیں اتنا بڑا اجر دیا جا رہا ہے اور وہ بھی ایک صحابی نہیں بلکہ پچاس صحابہ کرام کے اجر کے برابر، لہٰذا ہمیں یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے، اور سنتوں کی اتباع کرتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

---

[1] بخاری: ٣٦٧٣.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق اور باطل

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۝﴾ (الحجر: ۹۵)

حق اور باطل کی کشمکش شروع سے چلی آ رہی ہے، باطل ہمیشہ حق سے برسرِ پیکار رہا اور اسے دبانے کی کوشش کرتا رہا، اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتا رہا اور اہلِ حق کو ہر ممکن اذیتیں پہنچانے کی کوشش کرتا رہا، دل آزاری سے لے کر تہِ تیغ کرنے تک کسی قسم کی ایذا رسانی کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا، اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا کہ جس میں کسی طریقے اور کسی انداز میں بھی مسلمانوں کو کوئی زک پہنچا سکتا ہو۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

تو آج مسلمان جس ذہنی اور قلبی اذیت سے دوچار ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر دور میں منکرینِ حق، اہلِ حق کو یوں ہی اذیتیں پہنچاتے اور ان کا تمسخر اڑاتے چلے آ رہے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ۝﴾

(المطففین: ۲۹)

قرآن کہتا ہے کہ مجرم لوگ ایمان والوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے:

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ۝﴾ (المطففین: ۳۰)

”جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرتے ہیں۔“

﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ۝﴾ (المطففین: ۳۱)

”اور اپنے گھروں کو پلٹتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے مزے لیتے ہوئے پلٹتے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْا إِنَّ هٰؤُلَآءِ لَضَالُّوْنَ﴾ (المطففين: ٣٢)

"اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں۔"

اور یہ کوئی حادثہ نہیں کہ اتفاقاً اور غیر ارادی طور پر سرزد ہوگیا ہو بلکہ یہ ان کا وتیرہ اور ان کی عادت تھی۔

﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

(البقرة: ٢١٢)

"جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، دنیا کی زندگی ان کے لیے محبوب و پسندیدہ بنادی گئی ہے، ایسے لوگ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔"

جہاں ان کا یہ طرزِ عمل عام مسلمانوں کے ساتھ رہا ہے، تو اس سے یہ مت سمجھئے کہ انہوں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ کوئی رعایت برتی ہوگی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت اور توہین آمیز رہا ہے۔

قرآن وحدیث میں منکرین حق کے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ معاملات کو جا بجا بیان کیا گیا ہے، کہ وہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے اور قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کا طرزِ عمل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (اٰل عمران: ٢١)

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور عوام میں سے ایسے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل و راستی کا حکم دیتے ہیں، ان کو دردناک عذاب کی نوید سنا دو۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ایک حدیث میں ہے جو سند کے اعتبار سے تو شائد اتنی قوی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَتَلَتْ بَنُو اِسْرَائِيْلَ ثَلَاثَةً وَأَرْبَعِيْنَ نَبِيًّا مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ فِي سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ .))

''بنی اسرائیل نے ایک روز صبح صبح ایک ہی وقت میں ۴۳ نبیوں کو شہید کر ڈالا۔''

((فَقَامَ مِائَةٌ وَاثْنَا عَشَرَ رَجُلًا مِنْ عُبَّادِ بَنِي اِسْرَائِيْلَ فَأَمَرُوْا مَنْ قَتَلَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ فَقُتِلُوْا جَمِيْعًا مِنْ آخِرِ النَّهَارِ مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ، فَهُمُ الَّذِيْنَ ذَكَرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ .)) [1]

پھر بنی اسرائیل کے (۱۱۲) متقی اور پرہیزگار ترین لوگ کھڑے ہوئے اور ان قتل کرنے والوں کو نصیحت و موعظت کرنے لگے، انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگے، تو وہ بھی دن کے آخر تک سب کے سب قتل کر دیے گئے۔

تو انبیاء علیہم السلام کا قتل کیا جانا اور اذیتیں دیا جانا قرآن پاک اور صحیح احادیث میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے ایک موقع پر کہ جب آپ ﷺ مسلمانوں میں کچھ مال تقسیم کر رہے تھے اس مجلس سے لوگ باہر نکلے تو ایک شخص نے کہا: محمد ﷺ نے اس تقسیم میں اللہ اور آخرت کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى فَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ .))

''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں دی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا

---

[1] السلسلة الضعيفه: ٥٤٦١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ (الاحزاب : ٦٩)

''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیتیں دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بنائی ہوئی باتوں سے ان کو بری کردیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔''

تو اہلِ باطل کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو بالعموم اور انبیاء علیہم السلام کو بالخصوص اذیتوں اور ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ (الزخرف : ٦)

''پہلے گزری ہوئی قوموں میں ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے۔''

﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (الزخرف : ٧)

''اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نبی ان کے ہاں آیا ہو اور انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔''

﴿فَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (الزخرف : ٨)

''پھر جو لوگ ان سے بدرجہا زیادہ طاقتور تھے انہیں ہم نے ہلاک کردیا، پچھلی قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (یٰسٓ : ٣٠)

''افسوس! لوگوں کے حال پر کہ جو بھی رسول ان کے پاس آیا، وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔''

یعنی کتنے بدنصیب ہیں کہ اپنے محسنوں کے احسان مند ہونے کے بجائے انہیں تکلیفیں پہنچاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں یہ خود اپنا ہی نقصان کررہے ہیں ورنہ ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوران کی حالت بقول شاعر ایسی ہے کہ:

كَنَاطِحِ صَخْرَةً يَوْمًا لِيُوْهِنَهَا
فَلَمْ يَضِرْهَا وَاَوْهَى قَرْنَهُ الْوَعِلُ

''ان کی مثال ایسے پہاڑی بکرے کی سی ہے جو ٹکریں مار کر پہاڑ کو کمزور کرنا اور گرا دینا چاہے، وہ پہاڑ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکے گا، البتہ اپنے سینگ ضرور تڑوا بیٹھے گا۔''

آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہے۔

عقبہ بن ابی معیط کا قصہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا وہ قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے تھا، وہ مسلمان تو نہیں تھا مگر دوسرے مشرکین کی طرح آپ ﷺ کو اذیت نہیں دیتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے آپ ﷺ کو کھانے پر بھی مدعو کیا، آپ ﷺ نے اس کی نرم مزاجی اور اسلام کے لیے نرم گوشہ دیکھ کر، اس کی دعوت قبول کرنے میں ایک شرط رکھ دی، کہ اگر مسلمان ہو جاؤ تو میں آنے کو تیار ہوں، اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کا ایک بہت گہرا دوست امیہ بن خلف تھا، جب اس کو پتا چلا تو اس نے اس کو برا بھلا کہا، عقبہ بن ابی معیط نے کہا: اچھا بتلاؤ تمہیں کیسے خوش کر سکتا ہوں؟

اس نے کہا کہ جاؤ محمد ﷺ کو برا بھلا کہو اور اس کے منہ پر تھوک کر آؤ۔

وہ بدبخت گیا اور اس نے ایسا ہی کیا، اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تھوک اسی کے منہ پر آ پڑی جس سے اس کا منہ اور اس کے ہونٹ جل گئے۔

آپ ﷺ کو دی جانے والی تکلیفوں اور اذیتوں کی اک طویل داستاں ہے جو احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے اور ان میں سے بہت سے واقعات آپ نے سن بھی رکھے ہوں گے۔

آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی کوشش کرنے والے احمق! احسان فراموش اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بد بخت ہیں۔

آپ ﷺ پوری انسانیت کے محسن ہیں ، دنیا و آخرت میں بالخصوص مسلمانوں اور بالعموم تمام انسانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔

انہوں نے آپ ﷺ کی قدر نہیں جانی، اگر چہ اس سے آپ ﷺ کی عزت، آپ کی شان اور آپ کے مقام میں ہرگز کوئی کمی نہیں آنے والی، بلکہ دن بدن اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اور ان کی اس ناقدری سے بھلا آپ ﷺ کو کیا نقصان، بقول شاعر:

وَمَا ضَرَّ الْوُرُوْدَ وَمَا عَلَيْهَا
إِذَا الْمَزْكُومُ لَمْ يَطْعَمْ شَذَاهَا

”زکام والا شخص اگر پھول کی خوشبو نہیں پاتا تو اس میں پھول کا کیا قصور اور کیا نقصان ہے۔“

آپ جانتے ہیں کہ کتا اگر کسی انسان پر بھونکتا ہے تو اس سے کسی انسان کی عزت میں ہرگز کمی نہیں آتی، کہ انسان انسان ہی رہتا ہے اور کتا کتا ہی رہے گا۔

اب بتلایئے کہ جن کے مقام کو خود اللہ تعالیٰ نے بلند کر رکھا ہو، جن کا ذکر بلند کر رکھا ہو، اسے کون کم کرسکتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾

”ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا ہے۔“

اندازہ فرمائیں یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی تھی جب کوئی شخص سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایسی شخصیت کہ جس کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہوں، اس کا آوازہ دنیا بھر میں بلند ہوگا۔

آج دنیا میں تقریباً دو بلین کے قریب مسلمان ہیں جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر ملک اور ہر شہر میں مسجدیں قائم ہیں، اذانیں ہوتی ہیں اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اور دن

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں پانچ بار تو باجماعت پڑھی جاتی ہیں ہر نماز میں درود پڑھا جاتا ہے اور اذان میں آپ ﷺ کا ذکر بلند ہوتا ہے۔

اس حوالے سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے:

وَضَمَّ الإِلٰـهُ اسْـمَ الـنَّبِيِّ إِلَى اسْمِـهِ
إِذَا قَـالَ فِـي الْـخَـمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

''اور اللہ نے اپنے نام کے ساتھ نبی کا نام بھی ملا رکھا ہے، جب موذن پانچ اذانوں میں اشھد کہتا ہے۔''

جب جب موذن اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتا ہے ساتھ میں اشھد ان محمدا رسول اللہ بھی کہتا ہے۔

وَشَـقَّ لَـهُ مِـنِ اسْمِـهِ لِيُجِلَّـهُ
فَـذُو الْـعَـرْشِ مَـحْـمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی عزت وتکریم کے لیے اپنے ہی نام میں سے آپ ﷺ کا نام بھی نکالا ہے پس عرش والا محمود ہے اور آپ ﷺ محمد ہیں۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا جو مقام اور ذکر بلند کر رکھا ہے اس کو یقیناً کوئی کم نہیں کر سکتا۔ مگر اس موقع پر سوچنے کی اصل بات یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں، اس کے ذمہ دار کون ہیں؟

یہ بات تو ہم نے جان لی کہ یہ اہلِ باطل کا وتیرہ ہے، ان کی عادت اور روش ہے، مگر کیوں ہے؟ دنیا میں اسلام کے علاوہ بھی توکئی ادیان ہیں پھر اسلام ہی کے خلاف ظلم وستم کا بازار کیوں گرم ہے۔

اور ایک مسلمان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قوم پر امن بھی نہیں ہے۔ پھر مسلمانوں کے خلاف ہی یہ دشمنی اور عداوت اور بغض ونفرت کیوں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصل بات یہ ہے کہ اسلام سے جو وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں وہ کسی بھی اور دین و مذہب سے نہیں کرتے۔ کیونکہ اسلام دین خالص ہے اس میں کشش اور جاذبیت ہے، اس کی صداقت اور حقانیت، حق کے متلاشی کو اپنی طرف کھینچتی ہے، چنانچہ لوگ بے ساختہ اسلام کی طرف کھچے آتے ہیں۔

اور اغیار نے اس بات کو بھانپ لیا ہے کہ اگر لوگ یوں ہی مسلمان ہوتے چلے گئے تو ایک دن یہاں صرف مسلمان ہی ہوں گے، اور یہ پریشانی ان کے لیے یقیناً ایک حقیقی پریشانی ہے مگر اس میں ہمارا حصہ اور کردار کیا ہے، غور کریں تو کچھ بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم اپنے قول و فعل سے لوگوں کو اسلام سے دور کرتے ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، فراڈ کرنا، سودی لین دین اور کاروبار کرنا، رزق حرام کمانا، لاٹو اور بیئر بیچنا ہمارا یہ طرز عمل لوگوں کو اسلام سے متنفر کرتا ہے۔

یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق ہو رہا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرما رکھا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ (الصف : ۹)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان (باطلہ) پر غالب کردے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

اللہ تعالیٰ کے منصوبے میں کون رکاوٹ بن سکتا ہے اور جو کوششیں ہیں بے حیثیت ہیں۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تو اسلام کے خلاف اغیار کی ہرزہ سرائی، توہین رسالت کی کوششوں اور مسلمانوں کے استہزا اور اذیت کے بہت سے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ آج مسلمان دنیادار، دین بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زاراور وہن کا شکار ہو چکے ہیں، اور وہن یہ ہے کہ: (حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ) ''دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی۔'' چنانچہ آج من حیث القوم مسلمانوں پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی گئی ہے، اور وہ پہلی سی عزت وتوقیر، شان وشوکت اور مقام ومرتبہ تب واپس لوٹے گا، جب (حَتَّی تَرْجِعُوْا إِلَی دِیْنِکُمْ) ہوگا۔یعنی جب مسلمان دین کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں دین کی طرف واپس لوٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھراس پر ثابت قدم رکھے۔آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تزکیہ نفس

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس : ۹ ۔ ۱۰)

”فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کرلیا۔“

پاکیزگی، طہارت اور صفائی ستھرائی کی ضرورت و اہمیت سے سب واقف ہیں، اور نجاست، غلاظت، گندگی اور ناپاکی کی کراہت و ناپسندیدگی بھی سب پر عیاں ہے۔

فطرت سلیمہ پاکیزگی اور طہارت کو پسند کرتی ہے اور نجاست و پلیدی سے اسے گھن آتی ہے، مگر جب کوئی نفس گندگی اور غلاظت میں لتھڑ پتھڑ جاتا اور لت پت ہو جاتا ہے تو پھر وہ نجاست سے مانوس ہو جاتا ہے، اسے کراہت و نفرت نہیں ہوتی۔

طہارت و پاکیزگی کا یہ تصور انسان کی ظاہری صفائی ستھرائی کے حوالے سے ہے، جیسے: جسم اور لباس کی صفائی، گھر کی صفائی ستھرائی، اور اپنے گردو پیش اور قرب وجوار کی صفائی وغیرہ۔

مگر ایک صفائی اور طہارت و پاکیزگی اور بھی ہے جس کا تعلق ایک غیر مرئی چیز سے ہے اور وہ ظاہری صفائی ستھرائی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے اور وہ ہے نفس اور روح کی صفائی اور پاکیزگی۔

ظاہری صفائی اور پاکیزگی نہ ہونے کا نقصان زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی فوت ہو جائے، مگر اس کے فوت ہونے کے ساتھ صفائی کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مگر روح اور نفس کی صفائی نہ ہونے کا مسئلہ آدمی کے فوت ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بلکہ شروع ہوتا ہے یعنی اس کے نتائج شروع ہوتے ہیں۔ اگرچہ روح کی صفائی نہ ہونے کے نقصانات کا انسان کو زندگی میں بھی کئی ایک اعتبار سے اور کئی ایک صورتوں میں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس لیے سب سے پہلے ہم روح کی پاکیزگی اور طہارت کی ضرورت واہمیت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

روح کی پاکیزگی کے لیے قرآن وحدیث میں ایک مخصوص اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جسے تزکیہ نفس کہتے ہیں، قرآن پاک میں تزکیہ نفس کی اہمیت یوں بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاo﴾ (الشمس : ۹ ۔ ۱۰)

''فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو آلودہ کرلیا۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ تزکیہ نفس سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی حقیقت واضح اور دوٹوک الفاظ میں بیان فرما دی ہے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ کریں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے گیارہ قسمیں کھانے کے بعد بیان فرمائی:

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَاo﴾ (الشمس : ۱)

''قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔''

﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَاo﴾ (الشمس : ۲)

''اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔''

﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَاo﴾ (الشمس : ۳)

''اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ سورج کو نمایاں کر دیتا ہے۔''

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَاo﴾ (الشمس : ٤)

''اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سورج کو ڈھانک لیتی ہے۔''

﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَاo﴾ (الشمس : ۵)

''قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے قائم کیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾ (الشمس : ٦)

’’اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا۔‘‘

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا﴾ (الشمس : ٧)

’’اور قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا۔‘‘

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس : ٨)

’’پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔‘‘

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس : ٩ ـ ١٠)

’’یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا، آلودہ کر دیا۔‘‘

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف بامعنی اور بامقصد ہے، جو محض کسی خوبصورتی کے لیے، کلام میں رنگ بھرنے اور وزن درست کرنے کے لیے نہیں بولا گیا ہوتا بلکہ کسی نہ کسی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے، کسی بات کی تنبیہ کے لیے، تذکیر وموعظت کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے لایا گیا ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرنے سے پہلے کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اسے آلودہ کر لیا وہ نامراد ہے۔ یہ حقیقت بھی بیان فرما دی کہ ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ انسان کو اس کے نفس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی گئی ہے۔

یعنی تزکیہ نفس کے لیے خیر اور شر میں فرق وتمیز کرنا کوئی نہ سمجھ آنے والی بات نہیں ہے بلکہ نیکی اور بدی کے تصور کو غیر شعوری طور پر انسان کے دل ودماغ میں اتار دیا گیا ہے:

﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾

’’انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے کتنی ہی معذرتیں کرے حیلے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بہانے بنائے۔“

اور صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات کو ان کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے اس صلاحیت سے نواز دیا گیا ہے۔

﴿الَّذِيٓ اَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طٰہٰ: ۵۰)

”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی اور پھر اس کو راستہ بتایا۔“

یعنی دنیا کی ہر چیز کو کہ وہ جس کام کے لیے بھی بنی ہے اس کی ساخت، بناوٹ اور شکل وصورت بخشی اور پھر اس کے مطابق اس کو قوت وصلاحیت اور صفت وخاصیت سے نوازا، اور اس کی رہنمائی اس کی فطرت میں ودیعت کر دی جو اسے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لیے رہنمائی دیتی ہے۔

اس حقیقت کو بہت سی مثالوں کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر صرف ایک مثال عرض کروں گا جو پہلے بھی دو ایک بار عرض کر چکا ہوں کہ بلی جو اک جانور ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے صحیح اور غلط میں فرق وتمیز کرنے کی صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ اگر آپ اسے کھانے کے لیے کوئی چیز ڈالتے ہیں تو وہ آپ کے سامنے ہی کھانا شروع کر دے گی، بلا جھجک اور بلا خوف وخطر۔

لیکن وہی بلی اگر آپ کے ہاتھ سے کچھ چھین کے لے جائے تو پھر وہ آپ کے سامنے اور آپ کے پاس نہیں بلکہ دور جا کر کھانے لگے گی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس نے ایک غلط کام کیا ہے۔

تو جب کسی جانور کو بغیر ہدایت ورہنمائی کے نہیں چھوڑا گیا تو پھر انسان کو جو کہ اشرف المخلوقات ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اس کی بدی اور اس کی نیکی الہام کر دی گئی ہے۔

﴿فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا﴾ (الشمس: ۸)

تو تزکیہ نفس انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی کے لیے نہایت ہی اہم اور لازمی اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہے۔

انسان کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت واہمیت کو اک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان کی مثال سونے کی سی ہے، سونا جب کان سے نکلتا ہے تو خاک آلود ہوتا ہے، پھر اسے صاف ستھرا کیا جاتا ہے تو نظروں کو بھاتا ہے اور بازار میں قدر و قیمت پاتا ہے۔

سونا اگرچہ فی ذاتہ اک قیمتی دھات ہے مگر اسے قابل استعمال بنانے کے لیے صاف ستھرا کیا جاتا ہے، ایسے ہی انسان جو کہ فی نفسہ اشرف المخلوقات ہے، مگر پیدائشی اور فطری طور پر اس میں چند خامیاں، کوتاہیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ برائیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

اور اگر اس کے کمزور پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جائے، ان کی اصلاح نہ کی جائے تو وہ اشرف المخلوقات کے درجے سے گر کر ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ کے درجے پر آ جاتا ہے، یعنی جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔

مثلاً: انسان کی خلقت اور ترکیب میں فطری طور پر چار صفات پائی جاتی ہے۔

(۱) انسان میں درندوں کی سی صفات پائی جاتی ہیں۔ (۲) جانوروں کی سی صفات پائی جاتی ہیں۔ (۳) شیطانی صفات پائی جاتی ہیں۔ (۴) اور ربانی صفات پائی جاتی ہیں۔

جب انسان پر صفتِ سَبُعِیَّت یعنی صفت درندگی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ غضبناک ہو کر مار دھاڑ، چیر پھاڑ اور سب وشتم کرنے لگتا ہے وہ بغض اور دشمنی میں انتہاء کر دیتا ہے۔

اور جب اس پر صفتِ بَهِیْمِیَّت غالب آتی ہے تو وہ جانوروں کی سی حرکات کرنے لگ جاتا ہے، جس میں بسیار خوری، شدت حرص و لالچ وشہوت وغیرہ ہیں۔

مگر جانوروں کے اندر جو جانوروں کی صفات ہیں وہ جب کسی انسان کے اندر آتی ہیں تو زیادہ خطرناک بن کر ظاہر ہوتی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ جانور تو محض جانور ہوتا ہے اس میں چیزوں میں تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مگر انسان کو یہ خصوصیت حاصل ہے، وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیوانی خیالات میں جب عقل و دانش کی آمیزش کرتا ہے، تو پھر وہ حیلے، دھوکے، مکر و فریب، اور مکاریاں اور عیاریاں کرنے لگتا ہے جو کہ شیطانی اوصاف ہیں۔

اسی طرح انسان کے اندر چوتھی چیز امر ربی کا وجود ہے، جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ (الاسراء: ٨٥)

''کہہ دیجیے کہ روح امر ربی ہے، میرے رب کے حکم سے ہے۔''

تو انسان کے اندر اس صفت کا وجود اسے تکبر، غرور، نخوت اور فخر و مباحات پر ابھارتا ہے، علم و معرفت کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اور ہر چیز کو اپنے کنٹرول میں کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

تو انسان کو اگر اس کی انہی صفات پر بغیر تہذیب و آراستگی اور بغیر اصلاح کے چھوڑ دیا جائے، بغیر تزکیہ و تربیت کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ انسان دنیا میں کیا تباہی و بربادی مچائے گا، اور کیا فتنہ و فساد پیدا کرے گا۔ لہٰذا قرآن وحدیث میں تزکیہ و تربیت کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی اور بہت تاکید کی گئی ہے۔

اندازہ کریں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر احسان جتلاتے ہوئے، آپ ﷺ کی جن صفات کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرماتے ہوئے ان میں ایسا پیغمبر بھیجا ہے جو ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (اٰل عمران: ١٦٤)

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں سے ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انہیں پاک کرتا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''

اسی طرح متعدد احادیث میں بھی تزکیہ نفس کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَـلاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ .))

''جس نے تین کام کیے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔''

((مَنْ عَبَدَاللّٰهَ وَحْدَهٗ، وَاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .))

''جس نے صرف اللہ کی عبادت کی، اور اس عقیدہ و ایمان سے کی کہ اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔''

((وَاَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ .))

''ہر سال دل کی خوشی سے اپنے مال کی زکاۃ ادا کرے، اس کا نفس زکاۃ ادا کرنے میں اس کی اعانت کرے۔''

((وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيْضَةَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيْمَةَ، وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ اَمْوَالِكُمْ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهٗ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهٖ وَلٰكِنْ زَكّٰى نَفْسَهٗ .))

''بوڑھا، گندا، بیمار، گھٹیا مال نہ دے، بلکہ درمیانی قسم کا ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے سب سے اچھا مال نہیں مانگتے اور نہ گھٹیا مال دینے کا حکم دیا ہے بلکہ اپنا تزکیہ کرے۔''

((فَقَالَ رَجُلٌ، وَمَا تَزْكِيَةُ النَّفْسِ؟))

''ایک آدمی نے کہا: تزکیہ نفس کیا ہے؟''

((فَقَالَ: اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَعَهٗ حَيْثُ كَانَ .)) [1]

---

[1] ابوداؤد: ١٥٨٢، البيهقي، ج٤، ٩٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"آپ نے فرمایا: کہ آدمی اس بات کو جان لے کہ وہ جہاں بھی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔"

یہ تو تھی قرآن وحدیث کی روشنی میں تزکیہ نفس کی ضرورت واہمیت۔

رہی بات کہ تزکیہ کیسے کیا جائے گا، تو یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے، اس کے کچھ مراحل اور درجات ہیں اس کا اک طریقہ کار ہے، اس کی شرائط اور لوازمات ہیں اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

اپنے آپ کو سمجھنا، اپنے عیوب اور نقائص اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو سمجھنا کہ جب تک تشخیص نہیں ہوگی، اصلاح ممکن نہیں۔

تزکیہ: بری صفات کو ختم کر کے اچھی صفات کو لانا، آسان کام نہیں یہ کام انسان پر بہت گراں گزرتا ہے، انسان کا نفس چیختا اور چلاّتا ہے، بالکل بچوں کی طرح۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلَى
حُبِّ الرَّضَاعِ وَإِنْ تُفْطِمْهُ يَنْفَطِمُ

"نفس انسانی بچے کی طرح ہوتا ہے اگر آپ اسے اس کی حالت پر چھوڑے رکھیں تو دودھ کا عادی ہو جاتا ہے، لیکن اگر چھڑوا دیں تو چھوڑ دیتا ہے۔"

بچے کو دودھ چھڑوایا جائے تو روتا اور چلاتا ہے، مگر چند دن کے بعد وہ چھوڑے رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

تزکیہ کا مطلب نماز روزہ نہیں ہے اگرچہ یہ عبادات انسان کا تزکیہ کرنے میں استعمال ہوتی ہیں، مگر جب تک یہ تصور مضبوط نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ اور سن رہا ہے کوئی عمل کارگر نہیں ہوگا۔

اور تزکیہ کا مطلب چلّے کاٹنا نہیں ہے، اسلام ایک مکمل دین ہے اس میں خود ساختہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقوں کی ضرورت نہیں، اور نہ وہ اسلام کا حصہ بن سکتے ہیں، وہ یقیناً دین میں اضافہ ہی سمجھے جائیں گے۔

تزکیہ کسی معین کورس اور معین درجے کا نام نہیں بلکہ یہ سعی پیہم کا نام ہے اور جب انسان تزکیہ کی راہ پر چل پڑے تو پھر دوسرے خطرناک مراحل شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک اپنی ذات اور شخصیت کا تزکیہ کرنا ہے جو کہ خودستائشی ہے، جبکہ مطلوب نفس کا تزکیہ ہے۔

یعنی ایک تزکیہ کا حکم ہے اور دوسرے تزکیہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی ساری نیکیاں تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ تزکیہ ہے اپنے آپ کو نیک سمجھنے لگ جانا، اور اگر اس کے ساتھ دوسروں کو حقیر جاننا بھی شامل ہو جائے تو پھر یقیناً سراسر تباہی ہے۔

شیطان کسی صورت پیچھا نہیں چھوڑتا۔

﴿فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰٓ ۝﴾ (النجم: ۳۲)

”سوتم اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو وہ (اللہ) اسے زیادہ جاننے والا ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔“

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّى مَن يَشَآءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (النور: ۲۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور جو کوئی شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے گا تو بے شک وہ بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک کبھی بھی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پاک نہ رہتا اور لیکن اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ انسان جو سرتا پا خطا کار ہے اسے دعویِ پاکدامنی زیب نہیں دیتا، بلکہ عاجزی اور انکساری ہی حقیقت کے قریب تر ہے۔ اس سے اُس کی دانائی جھلکتی ہے، اور اس سے اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے، اور حقیقی کسرِ نفسی اس کی شخصیت کو محبوب و متوازن اور حقیقت پسند بناتی ہے۔ چنانچہ سلف صالحین رحمہم اللہ کے طرزِ عمل سے ہمیں اس کے بڑے خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ جیسا کہ بعض اپنی عاجزی اور انکساری کا یوں اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ:

((إِنِّي لَأَجِدُ مِائَةَ خَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ ، مَا أَعْلَمُ أَنَّ فِي نَفْسِي مِنْهَا وَاحِدَةٌ .))

''میں خیر کی صفات وخصال میں سے (۱۰۰) سو خصلتیں جانتا ہوں، مگر میں نہیں سمجھتا کہ اُن میں سے کوئی ایک بھی مجھ میں پائی جاتی ہے۔''

اور ایک دوسرے یوں گویا ہوتے ہیں:

((لَوْ كَانَ لِلذُّنُوْبِ رِيْحٌ مَا قَدَرَ اَحَدٌ أَنْ يَجْلِسَ إِلَيَّ . .))

''اگر گناہوں کی بو ہوتی تو کوئی شخص میرے پاس بیٹھ نہ پاتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پل صراط

﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (مریم: ۷۱ ـ ۷۲)

''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جو پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے پھر ہم ان لوگوں کو بچائیں گے جو متقی تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

ہر وہ شخص جو کسی بھی دین و مذہب کو ماننے والا ہے، یوم آخرت پر ضرور یقین رکھتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسلام کے سوا ہر دین کا تصورِ آخرت اک محدود، ادھورا اور ناقص تصور ہے، تاہم وہ کسی ایک ایسے دن پر ضرور یقین رکھتے ہیں جسے یوم آخرت، یوم حساب یا یوم قیامت کہا جاتا ہے۔

البتہ وہ لوگ جو سیکولر، لادین اور ملحد ہیں جو صرف اسی حقیقت کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں جو ان کی عقل پر پوری اترتی ہو۔ وہ کسی خالق ومعبود کو مانتے ہیں اور نہ عقیدہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، حالانکہ کائنات کے خالق کا اور آخرت کا انکار از روئے عقل بھی ممکن نہیں۔

آخرت کے وجود پر اصلی اور اساسی دلائل تو نقلی اور سمعی دلائل ہیں۔ یعنی قرآن وحدیث کے دلائل ہیں، لیکن اگر کوئی آخرت کے وجود اور اس کی ضرورت کو عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھنا چاہے تو وہ قرائن پر غور وفکر کر کے آخرت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔

عقل کو دنیا میں عدل وانصاف کے قیام کی ضرورت سے یقیناً انکار نہیں ہوسکتا کہ جس میں اچھے کو اچھائی کا اور برے کو برائی کا صلہ ملے، مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اور نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی دنیا میں حقیقی عدل وانصاف ممکن ہے۔ نیک اور بد ہر دور میں موجود رہے ہیں مگر کیا نیکوں کو ان کی نیکی کا اور بروں کو ان کی برائی کا پورا پورا بدلہ ملا؟ ہرگز نہیں۔

مثلاً: پہلی بات تو یہ ہے کہ بہت سے برے لوگ، بلکہ ظلم وزیادتی کرنے والے، چوری اور بدکاری کرنے والے، قتل کرنے والے اکثر لوگ پکڑے ہی نہیں جاتے۔

اور جو پکڑے جاتے ہیں پھر ان میں سے بہت سے لوگ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے، یا وکلاء کی قدرت کلامی اور چرب زبانی کی وجہ سے، یا بعض رشوت خور ججوں کی وجہ سے چھوٹ جاتے ہیں۔

اور پھر جن کا جرم ثابت ہو جاتا ہے، اور انہیں سزا دے دی جاتی ہے تو کیا وہ ان کے جرم کی پوری پوری سزا ہوتی ہے؟ یقیناً نہیں۔ اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ جرم کی سنگینی کا ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، اسی طرح سزا کا ٹھیک ٹھیک تعین بھی کہ جس میں کسی مظلوم کے ساتھ یا کسی مجرم کے ساتھ ناانصافی نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی مجال اور بساط نہیں ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسی سزا کا نفاذ دنیا میں عملاً ممکن ہی نہیں ہے، صرف کاغذوں میں کر سکتے ہیں۔

مثلاً: ایک ایسا شخص کہ جس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہو، کوئی عدالت اسے سو آدمیوں کے قتل کی سزا کس طرح دے گی، ایک آدمی کے قتل کی سزا قتل ہے، تو سو آدمیوں کے قتل کی سزا سو قتل ہونے چاہئیں، مگر عدالت اپنے فیصلے میں کاغذ پر تو لکھ سکتی ہے کہ سو بار سزائے موت مگر عملاً تو ایک بار ہی ہوگی۔ جبکہ آخرت میں اسے ایسی سزا بھی دی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قتل کرے پھر زندہ کرے پھر قتل کرے اور یوں یہ عمل سو بار دہرایا جائے یا ایسی سزا جو اپنی نوعیت میں جو سو بار قتل کے برابر ہو، ایسی سزا کہ جس میں انسان مرے بھی نہ اور زندہ بھی نہ رہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾ (طٰهٰ: ٧٤)

''جو اپنے رب کے حضور مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا اس کے لیے جہنم ہے، جس میں وہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔''

جب انسان مر جاتا ہے تو ہر قسم کی تکلیف سے راحت پا لیتا ہے۔ اور اگر زندہ رہے تو کچھ نہ کچھ، کسی نہ کسی حد تک وہ زندگی سے لطف اندوز ضرور ہوتا ہے، مگر ایک ایسی سزا کہ جس میں انسان مسلسل سزا پاتا رہے اور اسے موت بھی نہ آئے اور زندہ بھی نہ رہے، دنیا میں ایسی سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اگر ہلکی سزا دی جائے گی تو وہ کچھ نہ کچھ زندگی بھی انجوائے کرے گا، اور اگر سخت سزا دی جائے گی تو مر جائے گا۔

اور سزا کا ایک اور انداز ملاحظہ کیجیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ (النسآء: ٥٦)

''جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو ان کی کھال تبدیل کر دیں گے، اس کی جگہ نئی کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔''

چونکہ درد کا احساس اصل میں کھال زخمی ہونے یا جلنے سے ہوتا ہے اور کھال اگر گل جل کر ختم ہو جائے گی تو درد بھی ختم، مگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کافروں کو مسلسل عذاب ہوتا رہے، اس لیے جونہی جلد گل جائے گی، اس کی جگہ نئی پیدا کر دی جائے گی۔

اور پھر یہیں بس نہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ کافر کی کھال موٹی کر دی جائے گی، فرمایا:

((إِنَّ غِلْظَ جِلْدِ الْكَافِرِ إِثْنَانِ وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، وَإِنَّ ضِرْسَهُ مِثْلُ أُحُدٍ، وَإِنَّ مَجْلِسَهُ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ.)) [1]

[1] ترمذی: ٢٥٧٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس ہاتھ، تقریباً ساٹھ فٹ ہوگی، اور اس کی ڈاڑھ احد پہاڑ جیسی ہوگی اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کی مسافت کے برابر ہوگی۔“

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ جو لوگ یوم آخرت کے وجود اور اس کی ضرورت کا انکار محض اس دلیل سے کرتے ہیں کہ وہ ان کی عقل پر پورا نہیں اترتا، تو اس میں ان کی عقل کا قصور ہے جبکہ عقل سلیم تو یوم آخرت کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے اور شدت سے اس کی متقاضی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے انسانی عقل کو مخاطب کر کے مثالیں دی ہیں کہ یوم الحساب کا واقع ہونا عقلاً بھی ممکن ہے اور کئی ایک اعتبار سے ضروری بھی ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں کہ جن کا ابھی ذکر ہوا اور ایک یہ کہ ایسا انصاف جس میں ذرہ برابر بھی اونچ نیچ نہ ہو، کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے، یہ قدرت اور کمال صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النسآء: ٤٠)

”اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتے۔“

اور ایسا انصاف مہیا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے جسے یوم آخرت کا نام دیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی اس دن کے متعدد نام ہیں جو اس دن کی صفات اور احوال کی مناسبت سے ہیں۔

تو جو لوگ آخرت کی حقیقت کو مانتے ہی نہیں ہیں، ان کے بارے میں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی مت ماری گئی ہے، انہیں اتنی بڑی حقیقت سمجھ نہیں آ رہی۔ مگر جو لوگ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور پھر بھی اسے نظر انداز کر رکھا ہے، ان کے بارے میں اگر حسن ظن سے کام لیں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ یوم آخرت کے احوال اور مناظر سے آگاہ نہیں ہیں۔ مگر یہ اتنی سادہ بات بھی نہیں ہے کہ آدمی اپنے مستقبل کی سب سے اہم اور سب سے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خطرناک اور خوفناک بات سے لاعلم اور بے خبر رہے یہ طرز عمل حقیقت میں آدمی کی ترجیحات کی نشاندہی کرتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ آدمی جس چیز کو تمام کاموں پر ترجیح دیتا ہو اور وہ اس سے غافل رہے، دنیا کہ جس کی انسان اپنی زندگی میں بہت ضرورت محسوس کرتا ہے، اس کے بارے میں کتنا کچھ جانتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ ایک ان پڑھ شخص بھی دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور اس کے نشیب و فراز سے خوب آگاہ ہے، مگر آخرت کے بارے میں کسی پڑھے لکھے انسان کی معلومات بھی صفر ہوتی ہیں، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (الروم: ۷)

''لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔''

یعنی آخرت پر دلالت کرنے والے آثار و شواہد تو بکثرت موجود ہیں، مگر وہ غور ہی نہیں کرتے، اور نہیں تو اپنے آپ پر ہی غور کر لیا ہوتا، ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الروم: ۳۰) کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ پر غور و فکر نہیں کیا۔

تو آج کی گفتگو میں قیامت کے دن کے بہت سے مناظر و مواقف اور احوال و اھوال میں سے ایک ہولناک منظر کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں، اور وہ ہے پل صراط کا موقف اور منظر۔

یوں تو آخرت کے تمام ہی مناظر خوفناک ہیں جن کا ان شاء اللہ کبھی تفصیلی ذکر ہوگا، مگر ان میں سے تین مناظر بالخصوص نہایت ہی خوفناک اور ہولناک ہیں، اور ان میں سے ایک پل صراط کا منظر ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾

(مریم: ۷۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔''

﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّاo﴾ (مریم: ۷۲)

''پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو دنیا میں متقی تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

پل صراط ایک ایسا پل ہے جسے عین جہنم کے اوپر درمیان میں لا کر رکھا جائے گا، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، اور لوگ اس کے اوپر سے گزر کر جنت میں جائیں گے البتہ ان کے گزرنے کی رفتار اعمال کے حساب سے ہوگی۔

چنانچہ کوئی مومن تو آنکھ جھپکنے کی طرح گزر جائے گا، کوئی بجلی کی طرح، کوئی ہوا کی طرح، اور کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزر جائے گا۔ پل صراط پر رکاوٹیں بھی ہوں گی، کچھ لوگ تو بسلامت گزر جائیں گے، اور کچھ کو صرف خراشیں آئیں گی اور کچھ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں گر پڑیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے فیصلوں سے فارغ ہوں گے تب شفاعت کرنے والوں کو سفارش کی اجازت دی جائے گی کہ وہ جہنم میں گرے ہوئے مسلمانوں کی سفارش کرسکیں۔

پل صراط کا منظر کتنا کرب ناک اور خوفناک ہے، اس کی سنگینی اور ہولناکی ملاحظہ کیجئے، حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ: ذَکَرْتُ النَّارَ فَبَکَیْتُ ، کہ میں آگ کو یاد کر کے رو پڑی کہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((مَا یُبْکِیْكِ)) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں کس چیز نے رلا دیا، کیوں رو رہی ہو؟'' قُلْتُ: ذَکَرْتُ النَّارَ فَبَکَیْتُ ، میں نے عرض کیا: آگ کو یاد کر کے روئی ہوں: فَهَلْ تَذْکُرُوْنَ اَهْلِیْکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ کیا آپ اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن یاد رکھیں گے؟

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَمَّا فِیْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا یَذْکُرُ اَحَدٌ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَحَدًا .))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''البتہ تین موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہ رکھے گا۔''

((عِنْدَ الْمِيْزَانِ ، حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ .))

''ترازو کے وقت، جب تک معلوم نہیں ہو جاتا کہ اس کا پلڑا ہلکا رہا یا بھاری؟''

((وَعِنْدَ الصُّحُفِ ، حَتّٰى يَعْلَمَ ، أَيَأْخُذُ صَحِيْفَتَهٗ بِيَمِيْنِهٖ اَمْ بِشِمَالِهٖ .))

''اعمال نامے دیے جانے کے وقت، جب تک معلوم نہیں ہو جاتا کہ نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے کہ بائیں میں۔''

((وَعِنْدَ الصِّرَاطِ حَتّٰى يُجَاوِزَهٗ .))

''اور پل صراط کے وقت جب تک اسے عبور نہیں کر لیتا۔''

ان تین مواقع پر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی فکر نہیں کرے گا، بلکہ اپنی ہی پریشانی میں گم ہوگا، مگر آپ ﷺ امت کے مسائل میں مصروف ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((سَاَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَنْ يَشْفَعَ لِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

''میں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیے۔''

((فَقَالَ: اَنَا فَاعِلٌ .))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: کروں گا۔''

((قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ؟))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ اس دن میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالَ: ((اُطْلُبني أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِی عَلَى الصِّرَاطِ .))

فرمایا: ’’سب سے پہلے جو تم مجھے تلاش کرو تو پل صراط کے پاس ڈھونڈنا۔‘‘

((قَالَ: قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ .))

’’کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اگر آپ کو پل صراط کے پاس نہ پاؤں تو۔‘‘

قَالَ: ((فَاطْلُبْنِی عِنْدَ المِيْزَان .))

فرمایا: ’’تو پھر میزان کے پاس دیکھنا۔‘‘

((قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَان؟))

’’عرض کیا: اگر میزان کے پاس آپ کو نہ پاؤں تو۔‘‘

قَالَ: ((فَاطْلُبْنِی عِنْدَ الْحَوْضِ .))

تو فرمایا: ’’پھر حوض کوثر کے پاس تلاش کرنا۔‘‘

((فَاِنِّیْ لَا اُخْطِیُٔ هٰذِهِ الثَّـلَاثَةِ الْمَوَاطِنَ .))

’’میں ان تین مقامات سے چُوک نہیں سکتا۔‘‘

((فَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ جَهَنَّمَ .))

’’پل صراط عین جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا۔‘‘

((فَأَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ يَجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ .))

’’پس میں سب سے پہلا رسول ہوں گا جو اپنی امت کے ساتھ وہ پل عبور کرے گا۔‘‘

((وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ .))

’’اور اس دن سوائے رسولوں کے کوئی بات نہیں کرے گا۔‘‘

((وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ .)) [1]

[1] مسند احمد، ج۳، ص ۱۷۸، رقم: ۱۲۸٤۸ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”اور اس دن رسولوں کی کلام اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ ہوگی۔“

”پل صراط کیسی خطرناک گزر گاہ ہے۔“

حدیث میں ہے:

((قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَمَا الْجِسْرُ .))

”ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ پل کیا ہے؟ جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔“

قَالَ: ((مَدْحَضَةٌ، مَزِلَّةٌ، عَلَیْهِ خَطَاطِیْفُ، وَکَلَالِیْبُ، وَحَسَکَةٌ مُفَلْطَحَةٌ، لَهَا شَوْکَةٌ عَقِیْفَةٌ، تَکُوْنُ بِنَجْدٍ یُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ .))

فرمایا: ”اس پل پر پھسلن ہوگی، اس میں اُلٹی سیدھی لوہے کی سلاخیں ہوں گی، تیز نوک دار کانٹے ہوں گے، یہ کانٹے سر سے مڑے ہوئے ہوں گے، جیسے نجد کے کانٹے ہیں، جنہیں سعدان کہتے ہیں۔“

((اَلْمُؤْمِنُ عَلَیْهَا کَالطَّرْفِ وَکَالْبَرْقِ، وَکَالرِّیْحِ وَکَأَجَاوِیْدِ الْخَیْلِ وَالرِّکَابِ . فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ، وَنَاجٍ مَخْدُوْشٌ، وَمَکْدُوْسٌ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰی یَمُرَّ آخِرُهُمْ یُسْحَبُ سَحْبًا .)) ❶

”اہل ایمان اس پل پر سے مختلف انداز سے گزریں گے، کوئی آنکھ جھپکنے کی طرح، کوئی بجلی کی طرح، کوئی ہوا کی طرح، کوئی تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، تاہم بعض اہل ایمان بخیر وعافیت گزر جائیں گے، کچھ کو خراشیں آئیں گی، لیکن بچاؤ ہو جائے گا، اور کچھ جہنم میں گر جائیں گے۔ حتیٰ کہ آخری آدمی گھسٹتے گھسٹتے پہنچے گا۔“

اور پل صراط سے گزرنے والے آخری شخص کا حال ملاحظہ فرمائیے، حدیث میں ہے:

---

❶ بخاری: ۷۴۳۹، عن ابی سعید الخدري رضی اللہ عنہ.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((وَرَوَى ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ يَمْشِيْ عَلَى الصِّرَاطِ .
فَيَنْكَبُّ مَرَّةً ، وَيَمْشِيْ مَرَّةً وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً .
فَاِذَا جَاوَزَ الصِّرَاطَ ، الْتَفَتَ اِلَيْهَا فَقَالَ: تَبَارَكَ الَّذِيْ نَجَّانِيْ مِنْكِ ، لَقَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ شَيْئًا ، مَا اَعْطَاهُ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ .)) [1]

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے آخری شخص جو جنت میں داخل ہوگا، وہ آدمی ہے جو کبھی پل صراط پر چلے گا پھر کبھی گرے گا اور کبھی جہنم کی آگ اسے جھلسائے گی، پھر جب وہ جہنم سے پار ہو جائے گا تو مڑ کر اس کی طرف دیکھے گا اور کہے گا: وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے مجھے تجھ سے نجات دی ہے بلا شبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نہ مجھ سے پہلوں اور نہ بعد والوں کو عطا کیا ہے۔''

پل صراط کی تفصیل ابھی باقی ہے مگر خلاصہ یہی ہے کہ وہ نہایت ہی خوفناک منظر ہوگا کہ انبیاء ورسل بھی اللّٰھم سلم سلم کہہ رہے ہوں گے۔

پل صراط عبور کرنے کے بعد جنت اور جہنم کے درمیان ایک اور پل ہوگا جہاں کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا، تاکہ ظلم وزیادتی کا حساب کتاب ہو۔

((عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ ، عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا . حَتّٰى اِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا ، اُذِنَ لَهُمْ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ . فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ اَهْدٰى لِمَنْزِلِهٖ فِي

[1] مسند احمد، ج۱، ص ۳۹۱، رقم: ۳۷۱٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ فِى الدُّنْيَا .)) [1]

''سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان دار جہنم سے چھٹکارا پا جائیں گے تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا، پھر دنیا میں جو ایک دوسرے پر ظلم کیا ہوگا اس کا قصاص اور بدلہ لیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ پاک ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں جانے کی اجازت ہوگی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اہل جنت میں سے ہر کوئی اپنا مقام دنیا میں اپنے گھر کی نسبت زیادہ جاننے والا ہوگا۔''

[1] بخاری : ٦٥٣٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیا، معنی، مفہوم اور قدر و منزلت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝﴾ (الشمس : ۹ ـ ۱۰)

یوں تو اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ سے لے کر بڑے سے بڑے مسئلہ تک کے لیے اصول وقوانین اور قواعد وضوابط وضع کرتا ہے، مگر شریعت اسلامیہ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ دین اسلام زیادہ تر ان پانچ امور کے گرد گھومتا ہے: عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق و آداب اور حدود و عقوبات۔

ان پانچوں امور کے باہم مربوط اور لازم وملزوم ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں سے ہر ایک کی اپنی ایک مستقل حیثیت بھی ہے اور خاص اہمیت بھی ہے۔

تزکیہ نفس کے حوالے سے بات کریں تو اخلاق و آداب کے احکام اس سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔

اخلاق سے مراد عموماً گفتگو کے آداب لیا جاتا ہے، مگر حقیقتاً لفظِ اخلاق ایک جامع لفظ ہے، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اس میں گفتگو بھی شامل ہے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طور طریقے اور آداب بھی شامل ہیں۔ بلکہ اخلاقیات کا ایک بہت ہی اہم پہلو کہ جسے شاید کبھی اخلاق میں شامل سمجھا ہی نہیں جاتا حالانکہ وہ اخلاق و آداب کی بنیاد اور جڑ ہے اور وہ ہے: حیا۔

انسان کی ایک خوبصورت ترین صفت حیا پر گفتگو کرنے سے پہلے اسلام میں اخلاق کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اہمیت جاننے کی کوشش کرتے ہیں، حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ .)) ❶

”میں صرف اخلاق کریمہ کی تکمیل اور اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“

اب اندازہ کیجیے کہ لفظِ اخلاق کس قدر جامع لفظ ہے، اس میں پورے کا پورا دین سمو دیا گیا ہے، اس میں عقائد بھی ہیں عبادات بھی، معاملات بھی ہیں اور حدود و عقوبات بھی یعنی زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی شعبہ اس سے خالی اور مستثنیٰ نہیں ہے۔

یہاں پورے دین کو اخلاق میں سمو دیا اور پھر اخلاق کا خلاصہ حیا کو قرار دیا، فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا ، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ .))

”ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔“

یعنی ہر دین کو ماننے والوں پر کوئی نہ کوئی خاص صفت اور خوبی غالب ہوتی ہے جو ان کے مزاج پر غالب ہوتی ہے، جو ان کی خصوصیت اور پہچان ہوتی ہے اور اہل اسلام کی وہ خوبی حیا ہے۔

دنیا میں کوئی فرد اور کوئی معاشرہ اس خوبی کے بغیر حقیقی عزت اور احترام نہیں پا سکتا، حیا کے بغیر اگر کوئی شخص اپنے آپ کو عزت دار سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے بہت عزت و احترام حاصل ہے تو یہ محض دھوکہ ہے، وہ ایک مصنوعی اور کھوکھلی عزت ہے، یا ان لوگوں کی طرف سے دی جانے والی عزت ہے جو حیا کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔

اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے: (ابوتمّام)

يَعِيْشُ الْمَرْءُ مَا اسْتَحْيَا بِخَيْرٍ
وَيَبْقَى الْعُوْدُ مَا بَقِيَ اللِّحَاءُ

---

❶ البیهقی، ١٠/ ١٩١، رقم: ٢٠٥٧١.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فَــلَا وَالـلّٰــهِ مَـا فِـى الْعَيْشِ خَيْـرٌ
وَلَا الــدُّنْيَـــا إِذَا ذَهَــبَ الْـحَيَــاءُ
اِذَا لَــمْ تَــخْـشَ عَــاقِبَةَ الـلَّيَــالِـي
وَلَــمْ تَسْتَـحِ فَــاصْنَـعْ مَــا تَشَــاءُ

''انسان زندگی میں جب تک شرم وحیا اختیار کیے رہتا ہے خیر و عافیت اور عزت و وقار سے زندگی گزارتا ہے، حیاء انسان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے درخت کے لیے اس کا چھلکا۔ درخت پر جب تک اس کا چھلکا موجود رہتا ہے، درخت تروتازہ رہتا ہے، جب چھلکا اتر جاتا ہے تو وہ درخت مرجھانے لگتا ہے۔''

فَلَا وَالــلّٰـــهِ مَـا فِـي الْـعَيْــشِ خَيْـرٌ
وَلَا الــدُّنْيَـــا اِذَا ذَهَــبَ الْـحَيَــاءُ

''واللہ زندگی میں اگر حیا نہیں ہے تو کوئی خیر نہیں ہے اور اگر حیا نہ ہو تو دنیا میں بھی کوئی خیر نہیں ہے۔''

اِذَا لَــمْ تَــخْـشَ عَــاقِبَةَ الـلَّيَــالِـي
وَلَــمْ تَسْتَـحِ فَــاصْنَـعْ مَــا تَشَــاءُ

''اور انجامِ ایام ولیالی کا اگر ڈر خوف اور پرواہ نہ ہو، اور اگر حیا باقی نہ رہے تو پھر جو چاہو کر گزرو۔''

یعنی گردشِ ایام کا ڈر اور خُلقِ حیا ہی انسان کو برائی اور اخلاق ذمیمہ سے روکتی ہے اور اگر یہ باقی نہ رہے تو پھر کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اور جیسا کہ حدیث میں بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .)) [1]

---

[1] بخاری : ٣٤٨٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اگر تم میں حیا باقی نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو، یعنی پھر کچھ بھی کر سکتے ہو۔"

حیاء انسان کی فطرت میں موجود ہے، آدم و حواء علیہما السلام نے جب درخت کا پھل کھا لیا تو ان کے ستر کھل گئے۔

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ (طٰهٰ: ۱۲۱)

"چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا، پس ان کے ستر کھل گئے۔

﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾

"اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے ستر ڈھانپنے لگے۔"

تو شرم و حیا انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے المنذر بن عائذ الاشج رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((اِنَّ فِيْكَ خُلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ .))

"تم میں دو صفتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔"

قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا هُمَا؟

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟

قَالَ: ((الْحِلْمُ وَالْحَيَاءُ .))

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بردباری اور حیا۔"

قَالَ الْاَشَجُّ! يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَشَيْءٌ اِسْتَفَدْتُهُ فِي الْاِسْلَامِ اَوْ شَيْءٌ جُبِلْتُ عَلَيْهِ .))

"عائذ الاشج نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو میں نے اسلام سے حاصل کی ہے یا وہ میری فطرت میں موجود ہے؟"

قَالَ: لَا بَلْ شَيْءٌ جُبِلْتَ عَلَيْهِ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ وہ تمہاری فطرت میں ہے۔

فَقَالَ الْاَشَجُّ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَبَلَنِي عَلٰی مَا يُحِبُّ .))[1]

تو اشج نے کہا: تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے کہ جس نے ایک ایسی چیز پر میری فطرت بنائی جسے وہ پسند کرتا ہے۔

یہ حیا جبلی اور فطری حیا ہے، مگر ایک قسم کی حیاء اکتسابی بھی ہے جو کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حاصل کرتا ہے، یعنی یہ علم حاصل کر کے کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے، سمیع اور بصیر ہے، رقیب اور شہید ہے۔ ہر چیز کو، ہر وقت دیکھ رہا ہے۔تو یہ جان کر انسان اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے برائی سے باز رہتا ہے۔

جیسے عقل فطری طور پر انسان میں موجود ہوتی ہے، کسی میں کم اور کسی میں زیادہ، مگر علم اور تجربات سے بھی کچھ عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔اسی طرح حیا بھی فطری طور پر انسان میں موجود ہوتی ہے، پھر کچھ لوگ اس فطری حیا سے بھی بے نیاز ہو کر جانوروں کی سی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں، اور کچھ علم حاصل کر کے اپنی اس فطری حیا میں اضافہ کر لیتے ہیں۔

شرعی علم اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حیا میں اضافہ ہوتا ہے، وہ حیا لوگوں سے ہو یا اللہ تعالیٰ سے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ یوں تو بہت مالدار آدمی تھے کہ ان کے والد بہت زیادہ دولت چھوڑ گئے تھے، جس کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ میرے مال میں ایک پیسہ بھی حرام تو درکنار مشکوک بھی نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیم و تعلم کے لیے فراغت حاصل کرنے کی خاطر کسی سے مضاربت پر تجارت کی غرض سے کثیر رقم دی تو وہ غائب ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگردوں نے اس کا پتہ لگا کر کہا کہ وہ شخص اس وقت (آمُل) شہر میں موجود ہے، چلیے

[1] مسند احمد، ج٤، ص ٢٠٥، رقم: ١٧٨٦٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس سے اپنی رقم کا تقاضا کیجیے۔

فرمایا: نہیں! میں اسے خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا، یعنی اپنا حق اس سے مانگتے ہوئے بھی شرم محسوس کی،

لوگوں سے حیا کئی طرح سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے کوئی غلط کام کرتے ہوئے شرم محسوس کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علیم و بصیر ہونے کا عقیدہ و ایمان اور تصور اتنا گہرا ہو کہ انسان کو گناہ کی جرأت نہ ہو۔

حدیث میں ہے حضرت سعید بن یزید الازدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اِنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَوْصِنِی .))

انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کوئی وصیت فرمائیے!

قَالَ: ((أُوْصِيكَ اَنْ تَسْتَحِيْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَ كَمَا تَسْتَحِيْ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ مِنْ قَوْمِكَ)) [1]

''آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح اپنی قوم کے کسی نیک آدمی سے حیا کرتے ہو۔''

اور آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ لوگ کسی نیک آدمی کے سامنے کوئی غلط کام کرتے ہوئے کس قدر شرم محسوس کرتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو زیادہ جرأت اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زیادہ زور و شور سے معصیت کا ارتکاب کرنے لگیں، مگر وہ، وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاں حیا کا لیول زیرو ہو چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حیا بڑھتی ہے اور گناہوں سے حیا کم ہوتی ہے جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] معجم الكبير للطبراني، ج٦، ص ٦٩، رقم: ٥٥٣٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مِنْ عُقُوْبَاتِ الْمَعَاصِیْ ذَهَابَ الْحَیَاءِ الَّذِیْ هُوَ مَادَّةُ حَیَاةِ الْقَلْبِ، وهُوَ اَصْلُ کُلِّ خَیْرٍ.))

''گناہوں کی سزاؤں میں سے حیا کا ختم ہونا بھی ہے، اور حیا کہ جس سے دل کی زندگی ہے اور جو ہر خیر اور بھلائی کی اصل اور بنیاد ہے۔''

اور فرمایا:

((فَمَنْ لَا حَیَاءَ لَهٗ، لَیْسَ مَعَهٗ مِنَ الْاِنْسَانِیَّةِ إِلَّا اللَّحْمَ وَالدَّمَ وَصُوْرَتُهُمَا الظَّاهِرَةُ.)) [1]

''اور جس میں حیا نہیں، اس کے پاس انسانیت میں سے صرف گوشت اور خون ہے اور ان کی ظاہری شکل وصورت ہے اور بس۔''

تو جس طرح انسان، انسان سے حیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

سلف صالحین رحمہم اللہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح حیا کرتے، امام اسود بن یزید (التابعی) رحمہ اللہ کا جب وقتِ وفات قریب آیا تو رونے لگے۔

((ولما احتضر الاسود بن یزید بکی.))

جب اسود بن یزید رحمہ اللہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو رونے لگے۔

((فقیل له وما الجزع؟))

ان سے کہا گیا کہ یہ قلق واضطراب اور جزع فزع کیونکر ہے؟

((قال: مالی لا اجزع ومن احق بذلك منی.))

انہوں نے کہا: میں جزع فزع کیوں نہ کروں مجھ سے زیادہ اس کا حق دار کون ہے؟

((والله لو اُتیت بالمغفرة من الله عزوجل لأهمنی الحیاء منه

[1] مفتاح دار السعادة: ۲۲۷.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مما قد صنعت .))

واللہ! اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے مغفرت حاصل بھی ہو جائے تو مجھے پھر بھی حیا دامن گیر رہے گی، ان لغزشوں کی وجہ سے جو جو مجھ سے سرزد ہوئیں۔"

اسی طرح ابو حامد الخلقانی، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہا کہ ان اشعار کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں:

اذا مـــا قـــال لـــی ربـــي
أَمــا استَــحْيَيْــت تَــعـصِينـی
وتُــخــفِـی الــذنـبَ مِـن خَـلـقِی
وبـــالـــعِـــصيـــان تـــاتيـــنـی

اگر میرے رب نے مجھ سے کہا کہ تجھے میری نافرمانی کرتے ہوئے شرم نہ آئی! میری مخلوق سے تو گناہ چھپاتا رہا، مگر میرے پاس گناہ لے کر آتا رہا!

((فقال: اَعِد عَلَیَّ .))

تو فرمایا: پھر سے کہو:

((فاعادها عليه .))

تو انہوں نے وہ اشعار ان پر دہرائے۔

((فدخل الامام احمد داره وجعل يرددها ويبكى .))

تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے گھر میں داخل ہوئے، اور وہ شعر دہراتے جا رہے تھے اور روتے جا رہے تھے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شدید حیاء والے تھے اور ہر معاملے میں شدید حیاء رکھتے تھے، بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی حیاء کا عالم یہ تھا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حیاء کی شدت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَوَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَأَشَدَّ النَّاسِ حَيَاءً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَمَا مَلأْتُ عَيْنِي مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا رَاجَعْتُهُ بِمَا أُرِيْدُ حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، حَيَاءً مِنْهُ .))

''اللہ کی قسم! میں سب لوگوں سے زیادہ آپ ﷺ سے حیاء کرنے والا ہوں، چنانچہ میں نے کبھی آنکھ بھر کر آپ ﷺ پر نظر نہیں ڈالی اور نہ کبھی اپنی کسی ضرورت کے حوالے سے آپ ﷺ سے بحث و تکرار کی ہے، آپ سے حیاء کرتے ہوئے، حتیٰ کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل سے جا ملے۔''

اور انبیاء علیہم السلام کی حیاء تو ایک مثالی حیاء تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا سِتِّيْرًا حَيِيًّا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ إِسْتِحْيَاءً مِنْهُ .))

''موسیٰ علیہ السلام بڑے پردہ پوش اور حیاء دار تھے، حیاء کی وجہ سے انہوں نے اپنے جسم کو یوں ڈھانپ رکھا ہوتا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی دیکھا نہ جا سکتا۔''

((فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي اِسْرَائِيْلَ))

تو بنی اسرائیل کے لوگوں نے انہیں اذیت دی۔

((فَقَالُوْا: مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ ، إِمَّا بَرَصٌ وَإِمَّا أُدْرَةٌ وَإِمَّا آفَةٌ .))

انہوں نے کہا کہ یہ جو یوں اپنے آپ کو ڈھانپ کے رکھتا ہے تو جسم میں کسی عیب اور نقص کی وجہ سے ہی ہے، یا تو اس کو برص (پھلبہری) ہے، یا اُن کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا کوئی اور بیماری ہے۔''

((وَإِنَّ اللّٰهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوْا لِمُوْسٰى ، فَخَلَا يَوْمًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ .

”اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزامات سے بری کیا جائے، پس ایک دن موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لیے آئے، اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ کر غسل کرنے لگے۔“

فَلَمَّا فَرَغَ، أَقْبَلَ عَلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ . فَأَخَذَ مُوسَى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ .

جب فارغ ہوئے تو کپڑے اٹھانے کے لیے بڑھے، لیکن پتھر اُن کے پتھروں سمیت بھاگنے لگا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اٹھایا اور پتھر کے پیچھے دوڑے، یہ کہتے ہوئے کہ پتھر میرے کپڑے دے دے۔

حَتَّى إِنْتَهَى إِلَى مَلَاءٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ .

حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور ان سب نے آپ کو ننگا دیکھ لیا، اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر حالت میں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت سے ان کی براءت کر دی۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ (الاحزاب: ٦٩) [1]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی تو اللہ نے اسے پاک ثابت کر دیا اس سے جو انھوں نے کہا اور وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والا ہے۔“

[1] بخاری: ٣٤٠٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرم وحیا

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝﴾ (الشمس : ۹ ـ ۱۰)

''یقیناً وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا۔ اور وہ شخص جس نے اسے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہوا۔''

اخلاق انسانی معاشرے کے لیے اک نہایت ہی اہم، ضروری اور ناگزیر ضابطہ اور قاعدہ ہے، اخلاق انسان کو جینے کے سلیقے سکھاتے ہیں، زندگی گزارنے کے طریقے بتلاتے ہیں، عدل وانصاف اور امن وامان کا ماحول پیدا کرتے ہیں اور ایثار وقربانی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور اخلاق انسان کو ظلم ونا انصافی، دھوکہ، فریب، خودغرضی، بے حیائی، فحاشی اور بدکاری سے روکتے اور بچاتے ہیں، اور اخلاق انسان اور حیوان میں فرق وتمیز پیدا کرتے ہیں۔

آپ نے یقیناً ملاحظہ کیا ہوگا کہ انسان اخلاق وآداب سے چاہے کتنا ہی بے نیاز اور بے پروا واقع کیوں نہ ہوا ہو اس میں شرم وحیاء کی کچھ نہ کچھ رمق ضرور موجود ہوتی ہے، جس کے سبب وہ بہت سے کام لوگوں کی موجودگی میں کرنے کی ہرگز جرأت نہیں کر پاتا، جبکہ اس کے برعکس حیوان تمام تر اخلاقی پابندیوں سے بے پروا اور شرم وحیاء سے بے نیاز ہو کر کسی کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر سرعام وہ کام کرنے میں قطعاً کوئی باک اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

چنانچہ انسان اور حیوان میں اس قدر واضح، نمایاں اور بڑے فرق کی وجہ اخلاق ہی ہیں۔ لہٰذا اخلاق انسان اور حیوان میں فرق کرتے ہیں۔

اخلاق کی ضرورت کو تمام ادیانِ عالم تسلیم کرتے اور اسے لازم قرار دیتے ہیں، اگرچہ اسلام کے سوا دیگر ادیان ومذاہب کے نزدیک اخلاق محدود معنوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ مگر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں اخلاق وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں بلکہ پورے دین کو مشتمل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ .)) ❶

''میں اخلاق کریمہ کی تکمیل اور اتمام کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔''

تو اخلاقِ کریمہ انسان کی ایسی صفاتِ حمیدہ ہیں جو اس کی زندگی کو منظّم کرنے، خوش اسلوبی کے ساتھ اور امن وامان اور ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ گزارنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ گام زن کر دیتے ہیں۔

اور تمام اخلاقِ کریمہ کا لبِّ لباب اور خلاصہ جیسا کہ گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں عرض کیا گیا تھا حیاء قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا ، وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَیَاءُ .)) ❷

''ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے، اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔''

حیا کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں گزشتہ جمعہ چند باتیں عرض کی تھیں، آج چند مزید باتیں جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

حیا کا معنی عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ حیا مند ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو خاموش طبع ہو، شرمیلا ہو، نظریں جھکائے بیٹھا رہتا ہو، فضول گفتگو سے اجتناب کرتا ہو، اور عورت ہو تو پردے میں رہنے والی ہو، حیا کا یہ مفہوم بھی اپنی جگہ درست ہے مگر حقیقت میں حیا کا لفظ اس سے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

حیا شکر گزاری اور احسان مندی کا نام ہے، حیا سچ کا دامن تھامے رکھنے اور جھوٹ سے اجتناب کرنے کو کہتے ہیں۔ حیا عریاں لباس اور عریاں گفتگو سے پرہیز کو کہتے ہیں، حیا ناچنے

❶ البیھقی ، ج ١٠ ، ص ١٩١ .
❷ ابن ماجة : ٤١٨١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گانے سے نفرت کرنے کو کہتے ہیں، حیا بری مجلسوں سے دور رہنے کا نام ہے، لفظ حیا اپنے اندر بہت وسیع معانی رکھتا ہے۔

کسی کی نیکی اور احسان کے جواب میں کم از کم اس کا احسان منداور شکر گزار ہونا حیا کہلاتا ہے، اگرچہ کسی کے احسان کے بدلے میں اس سے بڑھ کر اچھائی کرنے کا حکم ہے؟ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ (النساء: ٨٦)

''اور جب کوئی تمھیں تحیۂ سلام پیش کرے تو تم اسے اس سے بہتر طریقے سے جواب دو، یا کم از کم اسی طرح۔ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

یعنی اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا جائے، اور اگر وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہا جائے، یا کم از کم انہی الفاظ سے جواب دیا جائے۔

اسی طرح کسی کی نیکی اور احسان کا بدلہ اس سے بہتر طور سے دیا جانا چاہیے یا کم از کم اس جیسا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ .))

''جو کوئی تم سے نیکی کرے، تو اس کو اس کا صلہ دو۔''

((فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهُ فَادْعُوْا لَهُ ، حَتّٰى تَرَوْا اَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ .)) [1]

''اور اگر تم اس کا بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کر دو، حتیٰ کہ تم سمجھو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے، حق ادا کر دیا ہے۔''

[1] ابو داؤد: ١٦٧٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی سرسری الفاظ میں دعا نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس کے لیے دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دے کہ تم نے احسان مندی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر چہ ایک حدیث میں کسی کی نیکی کے جواب میں (جـزاك الله خيرا) کہنا بھی انتہاء درجے کا شکریہ ادا کرنا قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صُـنِـعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا ، فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَاءِ .)) [1]

''جس کسی کے ساتھ نیکی کی جائے اور وہ نیکی کرنے والے کو جزاک اللہ خیرا کہے تو اس نے شکریہ ادا کرنے میں انتہاء کر دی۔''

معنی یہ ہے کہ اس نے اس کی نیکی کا اعتراف کیا، مگر چونکہ وہ اس کا بدلہ چکانے کی استطاعت نہیں رکھتا، چنانچہ اس نے اس کی نیکی کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے بہتر بدلہ اور جزاء تو یقیناً کوئی نہیں دے سکتا، اس لیے فرمایا:

((فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَاءِ .))

''اس نے شکریہ ادا کرنے میں انتہاء کر دی۔''

یہاں ایک مسئلہ قابل توجہ ہے، اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ بہت سے فاعلین خیر، نیکی کرنے والے حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیکی کی توفیق دے رکھی ہے، اگر چہ ان کے خلوص میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر وہ لاعلمی کی وجہ سے نیکی کا ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ نیکی کا اجر ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ نیکی کرنے والے حضرات نیکی کرتے وقت کہتے ہیں کہ بس ہمارے لیے دعا کر دینا۔

---

[1] ترمذی : ۲۰۳۵ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ کہ انہوں نے جب دعا کا کہہ دیا تو گویا انہوں نے اپنی نیکی کا بدلہ مانگ لیا۔ وہ اپنے طور پر یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ نیکی کا بدلہ تو وہ ہوتا ہے جو اس جیسا ہو، اسی ویلیو کا ہو، مادی ہو، یعنی: چیز کے بدلے میں چیز، پیسے کے بدلے میں پیسے، اور دعا تو بس دعا ہے، اس کی اسے کوئی قیمت تو نہیں ادا کرنی پڑی، کہیں سے خرید کے تو نہیں لایا، حالانکہ وہ دعا اس کی نیکی سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہوتی ہے۔

نیکی اس نیت اور اس جذبے سے کی جانی چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

(الدھر: ۸)

''وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اور کہتے ہیں:

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا﴾

(الدھر: ۹)

''اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔''

﴿إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ (الدھر: ۱۰)

''ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔''

﴿فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا﴾

(الدھر: ۱۱)

''پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور انہیں تازگی اور سرور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخشے گا۔"

تو نیکی بغیر کسی طمع اور لالچ کے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے، اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہوئے کی جانی چاہیے۔

﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ (الدھر: ۹)

ہم تم سے نیکی کا بدلہ نہیں چاہتے، نہ تمہارا شکریہ چاہتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں۔

اور اگر کوئی شکریہ ادا کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ:

((اِذَا اَرْسَلَتْ اِلٰى قَوْمٍ بِصَدَقَةٍ تَقُوْلُ لِلرَّسُوْلِ، اِسْمَعْ مَا يَدْعُوْنَ بِهٖ لَنَا .))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کسی ایلچی کے ہاتھ لوگوں کو صدقے کے طور پر کوئی چیز بھیجتیں تو اپنے ایلچی سے کہتیں کہ ذرا غور سے سننا وہ ہمیں کن الفاظ سے دعا دیتے ہیں۔"

((حَتّٰى نَدْعُوْلَهُمْ بِمِثْلِ مَا دَعَوْا لَنَا، وَيَبْقَى اَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ .))

"تاکہ ہم بھی انہیں اسی طرح دعا دیں جس طرح انہوں نے ہمیں دعا دی اور ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہی رہے۔"

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"من طلب من الفقراء الدعاء او الثناء، خرج من هذه الآية: ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾ ."[1]

"جس نے دعا کے لیے صدقہ کیا وہ ان لوگوں میں شامل نہیں جن کے بارے

[1] مجموع الفتاوٰی: ۱۱/ ۱۱۱.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾

جو کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں۔

بات اصل میں یہ ہو رہی تھی کہ حیا کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے محسن کا احسان منداور شکر گزار ہو، اور جو اپنے محسن کا احسان مند نہیں ہوتا اسے قطعاً حیا والا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اسے جن جن القاب سے نوازا جاتا ہے ان میں سے ایک احسان فراموش بھی ہے۔

جو حیا والا ہوتا ہے وہ اپنے محسن کے احسان کے بوجھ تلے دب جاتا ہے، وہ گویا آنکھوں سے بھی اس کا شکر گزار ہوتا ہے، زبان سے بھی شکر گزار ہوتا ہے اور دل سے بھی اس کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے۔

تو نیکی کر کے دعا کے لیے کہنا ایک تو اس سے اپنی نیکی کا اجر مانگ لینا ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ اسے احساس دلانا ہوتا ہے کہ میں تم سے نیکی کر رہا ہوں اوتم اس کے بدلے میں میرے لیے دعا کرو تو یہ گویا اس پر احسان جتلانا اور اسے شرمندہ کرنا ہوتا ہے۔

اور کسی کو شرمندگی سے بچانا حیا کا ایک بہت بلند مقام ہے۔ اس پر امیہ بن صلت نے ایسے خوبصورت اشعار کہے ہیں کہ جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہ اشعار اس نے اگرچہ عبداللہ بن جُدعان کے بارے میں اس کی تعریف کرتے ہوئے کہے تھے، مگر حقیقت میں یہ صرف اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں۔

عبداللہ بن جدعان اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں سے ایک تھا، بہت زیادہ سخی تھا، حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کا چچا زاد تھا۔ شروع میں تو وہ بہت غریب اور فقیر تھا اور برے کاموں میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔

اس کے قبیلے برادری والے سب اس کو ناپسند کرتے تھے حتیٰ کہ اس کا والد بھی اس سے بہت تنگ تھا۔ پھر اس کے ساتھ ایک ایسا اتفاق ہوا کہ وہ بھی اپنے قبیلے برادری اور اپنے گھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والوں کی نفرت اور ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ آ کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا کہ اس زندگی سے بہتر تو ہے کہ خودکشی ہی کر لے۔ ایک پہاڑ پر چڑھا، دیکھا کہ ایک غار نما جگہ ہے اور اس کے منہ پر اک سانپ ہے کبھی قریب ہو کبھی پیچھے ہٹے، سانپ میں حرکت نہ ہوئی۔ پھر قریب ہوا، دیکھا تو وہ سونے کا سانپ تھا اس کی آنکھیں ہیروں کی تھیں، اس کو توڑا اندر داخل ہوا تو بادشاہوں کی قبریں تھیں۔

مختصر یہ کہ وہاں سے کچھ سونا اٹھا کر لے آیا اور غار پر نشان لگا دیا تاکہ بھول نہ جائے۔ واپس آ کر لوگوں میں سخاوت کرنے لگا، کھانا کھلانے لگا، جب وہ ختم ہو جاتا تو پھر غار سے اور سونا لے آتا، اس طرح ہر جگہ اس کی سخاوت کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟

ترجمہ: اللہ کے رسول! ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اسے اس کا نفع ہوگا؟

قَالَ: ((لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا، رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ.)) [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے فائدہ نہ ہوگا' کیوں کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہ کہا: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دینا۔''

تو شاعر امیہ بن صلت اس کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے:

أَأَذْكُرُ حَاجَتِيْ أَمْ قَدْ كَفَانِيْ
حَيَاؤُكَ؟ إِنَّ شِيْمَتَكَ الْحَيَاءُ

[1] مسلم، رقم: ٢١٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’کیا میں اپنی حاجت اور ضرورت کا ذکر کروں، یا میرے لیے تمہاری حیا ہی کافی ہے کہ تیرے اخلاق حیا ہیں۔‘‘

إِذَا أَثْنَى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا
كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

’’جب کبھی کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو اسے اپنا مدعا بیان کرنے سے تیری مدح سرائی ہی کافی ہوتی ہے۔‘‘

یعنی جب کوئی تمہارے پاس اپنی غرض اور طلب لے کر آتا ہے اور وہ تمہاری تعریف ہی کرتا ہے تو تم سمجھ جاتے ہو کہ یہ ضرورت مند ہے تو تم یہ نہیں کہتے کہ سیدھی بات کرو کیا چاہتے ہو؟ بلکہ تم اتنے حیا دار ہو کہ اسے سوال کرنے کی شرمندگی سے بچانے کے لیے بغیر سوال کیے ہی دے دیتے ہو۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ کے استاذ سے کسی نے پوچھا کہ یہ دعا جسے دعاء الکرب، بے قراری کی دعا کہا جاتا ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمُ .

یہ دعا، دعا تو نہیں ہے یہ تو ثناء ہے، محض اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، پھر اسے دعا کیوں کہا جاتا ہے؟

تو فرمایا: ہاں یہ واقعی ثناء ہے دعا نہیں ہے، اور پھر امیہ بن الصلت کے یہی شعر پڑھے:

أَأَذْكُرُ حَاجَتِيْ أَمْ قَدْ كَفَانِيْ
حَيَاؤُكَ؟ إِنَّ شِيْمَتَكَ الْحَيَاءُ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اِذَا اَثْنٰى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا
كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

کہا جب ایک انسان اتنا حیاء دار ہے کہ وہ تعریف کرنے والے کو سوال کرنے کی شرمندگی سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تو اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ حیاء کرنے والا ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ، اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا .)) ❶

''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت حیا والا، عزت والا ہے، وہ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے جب وہ اس کی طرف ہاتھ بلند کرتا ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹائے۔''

عرفہ کے میدان میں کی جانے والی دعا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .)) ❷

''سب سے بہترین دعا یوم عرفہ کی دعا ہے: جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کی: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"۔''

اس میں بھی صرف ثناء ہے۔

لہٰذا حیا انسان کی سب سے خوبصورت صفت ہے، اور حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔

اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا .

---

❶ ابوداؤد: ١٤٨٨.

❷ ترمذی: ٣٥٨٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”حیا اور ایمان دونوں اکھٹے ہیں۔“

((فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رَفِعَ الْآخَرُ .)) ❶

”جب ان میں سے ایک اُٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھا لیا جاتا ہے۔“

آج کل ہمارے مسلم معاشرے میں حیاء کا کیا عالم ہے، سب جانتے ہیں، نہ مردوں میں رہی نہ عورتوں میں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیا کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا، کہ انہیں زندگی تو زندگی رہی اپنی موت کے بعد حیا کی فکر بھی تھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیا کا عالم ملاحظہ کیجیے، فرماتی ہیں:

كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِى الَّذِىْ دُفِنَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَبِىْ رضی اللہ عنہ فَأَضَعُ ثَوْبِىْ، وَاَقُوْلُ: اِنَّمَا هُوَ زَوْجِىْ وَاَبِىْ .

”کہ میں اپنے اس گھر میں داخل ہوتی رہتی تھی' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد مدفون تھے' میں وہاں کپڑا بھی اتار لیتی تھی اور کہتی تھی ایک میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد۔“

”فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ مَعَهُمْ وَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهُ اِلَّا وَ اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَىَّ ثِيَابِىْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ .“ ❷

”لیکن اللہ کی قسم! جب عمر رضی اللہ عنہ دفن کیے گئے تو میں ان سے حیا کرتے ہوئے اپنے اوپر کپڑے لپیٹ کر داخل ہوتی تھی۔“

❶ مستدرك للحاكم، ج۱، ص ۷۳، رقم: ۵۸ .

❷ مسند احمد ج٦، ص: ۲۰۲، ۲۵۷۰۱ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم

﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۝ مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِىۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ۝﴾ (ابراهيم: ٤٢ ـ ٤٣)

’’اور تو اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل گمان نہ کر اس سے جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ انھیں اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے کہ اس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ اس حال میں کہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے تیز دوڑنے والے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔‘‘

جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے، تب سے لڑائی جھگڑا، کشت وخون، جنگ و جدل، خون خرابا، جبر وتشدد، قتل و غارت، فتنہ وفساد اور ظلم وستم وجود میں آیا ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ بہت سی صفات ذمیمہ انسان کی فطرت اور اس کی سرشت میں پائی جاتی ہیں جو کہ امتحان اور آزمائش کی غرض سے رکھی گئی ہیں۔

جب کوئی انسان ایمان لے آتا ہے تو اس کے رویے میں یکسر تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور جوں جوں ایمان اس کے دل میں اترتا جاتا ہے وہ صفات ذمیمہ ایک ایک کر کے چھٹتی چلی جاتی ہیں، اور یوں انسان کا تزکیہ ہو جاتا ہے، وہ بری صفات سے پاک صاف ہو جاتا ہے، اور پھر کوئی اختلاف ہوتا ہے، نہ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، نہ کہیں حق تلفی ہوتی ہے، نہ ظلم و ناانصافی ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حد میں رہتا ہے، لالچ اور خود غرضی کی جگہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے، اپنا حق مانگنے پر دوسرے کے حق کی ادائیگی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ کوئی محض خیالی اور تصوراتی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ عملاً ایک مثالی معاشرے میں واقع ہو چکا ہے۔

تو انسان اپنی ان فطری صفات پر جب ایمان باللہ والیوم الآخر کے ذریعے قابو پا لیتا ہے تو معاشرے میں امن وامان، عدل وانصاف اخوت ومحبت، ایثار وقربانی اور ہمدردی وخیر خواہی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور ظلم وناانصافی اور جبر وتشدد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں انسان کی متعدد فطری بری صفات کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ﴾ (هود: ۹)

''انسان بہت مایوس ہونے والا اور ناشکری کرنے والا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ (النحل: ٤)

''وہ صریحاً جھگڑالو ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَ كَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ (الاسراء: ۱۱)

''انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَ كَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾ (الاسراء: ۱۰۰)

''اور انسان بڑا بخیل اور تنگ دل ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَ كَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ (الكهف: ٥٤)

''اور انسان بہت زیادہ بحث وتکرار کرنے والا ہے۔''

اور ایک جگہ فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾ (المعارج : ١٩)

''انسان گھبراہٹ اور قلق و اضطراب والا اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔''

اسی طرح کئی ایک اور صفات بھی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (الاحزاب : ٧٢)

''بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

اس آیت کریمہ میں انسان کے ظالم اور جاہل ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے اتنی بڑی امانت کا بوجھ اٹھانے کی ذمہ داری قبول کر لی جسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور ڈر گئے اور وہ امانت احکام دین ہیں جو کہ قرآن وسنت کی صورت میں ہیں۔ مگر انسان نے اسے اٹھا لیا، تو گویا انسان نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور جاہل بھی ہے کہ اسے اس کا اندازہ نہیں کہ یہ ذمہ داری کتنی بڑی ہے اور اسے پورا نہ کرنے کا انجام کتنا سخت ہوگا۔

تو جو انسان ایمان لے آتا ہے، اس سے ان معنوں میں ظالم اور جاہل ہونے کا وصف دور ہو جاتا ہے۔

مگر ظلم کی چونکہ کئی ایک قسمیں اور شکلیں اور صورتیں ہیں، لہٰذا مکمل طور پر صفت ظلم سے مبرا اور منزہ ہونا متقاضی ہے مکمل طور پر دین کے تابع ہونے کا۔

ظلم کا لغوی معنی ہے: (وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ) ''کسی چیز کو اس جگہ سے جو اس کے لیے مخصوص ہے سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ پر رکھنا، کسی جگہ سے ہٹا کر، کسی مقام سے ہٹا کر، کسی وقت سے ہٹا کر۔

ظلم کا معنی اندھیرا اور تاریکی بھی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

((فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [1]

[1] بخاری : ٢٤٤٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”یقیناً ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔“

قیامت کے دن ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔کہیں کوئی نور اور روشنی نہیں ہوگی، صرف اللہ تعالیٰ جس کو روشنی عطا فرمائیں گے اسے روشنی حاصل ہوگی، ورنہ سب اندھیروں میں ہوں گے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور: ٢٤)

”اور جسے اللہ تعالیٰ روشنی نہ دیں اس کے لیے کوئی روشنی نہیں ہے۔“

اور آدمی کو اس کے اسلام اور نیکی کے مطابق روشنی حاصل ہوگی اور اگر ظالم ہوگا تو روشنی سے محروم ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا الظُّلْمَ ، فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) [1]

”ظلم سے بچو! کہ قیامت کے دن ظلم کا نتیجہ اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔“

اصطلاح میں ظلم کا معنی حد شرعی سے تجاوز کرنا، کسی غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا، کسی کے مقام و مرتبے میں کمی یا زیادتی وغیرہ ظلم کہلاتا ہے۔ اور یوں اصطلاح میں ظلم ہر گناہ اور معصیت کو کہا جاتا ہے، جس کے سرفہرست اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان: ١٣)

”شرک یقیناً ظلم عظیم ہے۔“

یعنی سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑی نافرمانی اور معصیت شرک ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ شرک ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النسآء: ٤٨)

---

[1] مسلم: ٢٥٧٨.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’یقیناً اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔‘‘

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر بھی شرک کو ظلم کہا گیا ہے، فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲)

’’جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہ کیا، تو انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت اور راہ راست پر ہیں۔‘‘

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو:

((شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ .))

’’تو صحابہ کرام پر یہ بات بہت گراں گزری۔‘‘

((قَالُوْا: اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ؟))

عرض کیا: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو، یعنی اس سے کوئی معصیت اور کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو؟

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ كَمَا تَظُنُّوْنَ .))

فرمایا: ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کر رہے ہو؟

((اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ، ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ .))[1]

’’بلکہ یہ ویسے ہی ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ یا بنی لا تشرك بالله، ان الشرك لظلم عظيم، بیٹا شرک نہ کرنا، شرک یقیناً ظلم عظیم ہے۔‘‘

[1] بخاری: ٦٩٣٧، مسلم: ١٢٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظلم کو معصیت اور نافرمانی کے معنوں میں لے رہے تھے، اگرچہ نافرمانی بھی ظلم ہے، مگر ظلم کی قسموں میں ایک قسم اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے، اور نافرمانی اس قسم میں سے ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ (التوبة: ٣٦)

''مہینوں کی تعداد جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نوشتے میں بارہ ہی ہیں۔''

﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾

اوران میں سے چار حرمت والے ہیں۔''

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾

''یہی دین قیم ہے۔''

﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾

''لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرنا۔'' (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب)

یعنی ان میں معصیت نہ کرو، اگرچہ گناہ اور معصیت دیگر مہینوں میں بھی منع ہے، مگر ان مہینوں کی حرمت کے باعث تاکیداً کہا گیا ہے۔

تو ظلم جو کہ انسان کی فطرت، اس کے خمیر اور اس کی سرشت میں ہے اس کی ذات کے لیے، اس کی دنیا اور اس کی آخرت کے لیے تباہی و بربادی کا ساماں ہے۔

ظلم کی تین بڑی قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے، یہ سب سے بڑا اور ناقابل معافی ظلم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) دوسری قسم: لوگوں کے ساتھ ظلم کرنا ہے اور اس کی کئی ایک صورتیں اور شکلیں ہیں۔

(۳) اور تیسری قسم: اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے، یعنی گناہوں میں مبتلا ہونا ہے، اور اس کی یقیناً ایک طویل فہرست ہے، کیونکہ ہر معصیت ظلم ہے اور معصیتوں کی فہرست بہت طویل ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں معصیتیں ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا

ظلم کی ان قسموں میں سے جس قسم سے متعلق آج گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ ہے: ظلم بین العباد، لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔

شرک سب سے بڑا اور نا قابل معافی ظلم ہے، اس سے متعلق بھی یقیناً جانکاری ہونی چاہیے، کیونکہ انجانے میں کیا گیا شرک بھی سنگین جرم ہے۔

اپنے آپ پر کیا جانے والا ظلم سب سے ہلکا ظلم ہے، ان معنوں میں کہ اس ظلم کی معافی کے بہت سے اسباب، ذرائع اور مواقع ہیں، وضو سے گناہ معاف ہوتے ہیں، توبہ واستغفار سے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے معاف ہوتے ہیں، یعنی نظر انداز کر دیا جاتا ہے، صدقات وخیرات سے معاف ہوتے ہیں، روزے سے معاف ہوتے ہیں، حج وعمرے سے معاف ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت تو ہے ہی، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ لَقِيتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَقِيتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً. [1]

اے ابن آدم! اگر تو مجھے زمین کے لگ بھگ خطائیں لے کر ملاقات کرے پھر میرے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں تجھے اس کے بقدر بخشش کے ساتھ ملوں گا۔"

---

[1] ترمذی: ۳۵۴۰.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا، حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے، اور حقوق العباد سے متعلق قرآن وحدیث میں بہت زیادہ خبردار کیا گیا ہے، اس کے سنگین نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے، اوراس ظلم کا دنیا وآخرت میں خوف ناک انجام بتلایا گیا ہے۔

حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِىْ اِنِّى حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِىْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا .))❶

''اے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمھارے درمیان ظلم کرنا بھی حرام کردیا ہے لہٰذا تم بھی ظلم نہ کرو۔''

خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا .))❷

بے شک تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تم پر ایسے حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمھارے اس شہر مکہ کی حرمت اور تمھارے اس مہینے کی حرمت ہے۔''

خطبہ حجۃ الوداع جو کہ دین کا خلاصہ ہے، اس میں ظلم سے کس طرح تاکیداً منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُلَهٗ فِى الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ . ❸

''ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس کے مرتکب کو دنیا میں بھی

---

❶ مسلم : ٢٥٧٧ . ❷ بخاری : ١٧٣٩ .
❸ ترمذی : ٢٥١١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلد سزا ملے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سزا آخرت کے لیے بھی رکھی جائے گی۔“

ظلم کے انجام کی شدت کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا.

اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِی لِلظَّالِمِ ، فَاِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ . ❶

”یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے تو جب وہ اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے چھوٹنے نہیں دیتا۔“

ایک حدیث میں ہے:

اِتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ . ❷

”مظلوم کی بددعا سے بچو، کیوں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔“

اور ظلم کا معاملہ کتنا سنگین ہے، غور کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَھْلِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاۃِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاۃِ الْقَرْنَاءِ . ❸

”تم حق داروں کو ان کے قیامت کے دن حق دو گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔“

مزید ظلم کی سنگینی کا عالم ملاحظہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((ثَلَاثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ، وَمَنْ کُنْتُ خَصْمُہٗ خَصَمْتُہٗ .))

”قیامت کے دن میں تین قسم کے لوگوں سے جھگڑا کروں گا اور ان کا مدمقابل

❶ بخاری : ٤٦٨٦ . ❷ بخاری : ١٤٩٦ .
❸ مسلم : ٢٥٨٢ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوں گا اور جس کا مقابل میں ہوں گا اس پر غالب آ جاؤں گا۔''

((رَجُلٌ اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ .))

''ایک وہ شخص جس نے میرے نام سے کچھ دیا پھر دھوکہ دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے ڈیل کی۔''

((وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهٗ .))

''اور ایک وہ آدمی جو آزاد مرد کو فروخت کرکے اس کی قیمت کھا گیا۔''

((وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ اَجْرَهٗ .)) [1]

''اور وہ آدمی جس نے مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا مگر اس کی مزدوری پوری ادا نہ کی۔''

اور حدیث میں ہے:

يَحْشُرُ اللّٰهُ النَّاسَ عُرَاةً، غُرْلًا ، بُهْمًا ، قُلْنَا: وَمَابُهْمًا: قَالَ: لَيْسَ مَعَهُمْ شَیْءٌ .

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو برہنہ جسم، غیر مختون اور خالی ہاتھ اٹھائے گا ہم نے کہا: بُھْمًا کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: ''وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ ہو۔''

ثُمَّ يُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهٗ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ .

پھر انہیں ایک ایسی آواز سے پکارے گا کہ جسے دور والا بھی ایسے سنے گا جیسے قریب والا سنے گا۔

اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الدَّيَّانُ ، لَا يَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ ، وَاحَدٌ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَطْلُبُهٗ بِمَظْلَمَةٍ وَلَا يَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَدْخُلُ النَّارَ ، وَاحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَطْلُبُهٗ بِمَظْلَمَةٍ

[1] بخاري : ٢٢٢٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَتَّى اللَّطْمَةَ .

''میں بادشاہ ہوں اور حساب لینے والا ہوں، کوئی جنتی جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ کوئی جہنمی اپنے ظلم کا اس سے بدلہ طلب کر رہا ہو اور نہ جہنمی جہنم میں داخل ہوگا جب تک کہ کوئی جنتی اپنے کسی ظلم کا بدلہ طلب کر رہا ہو حتی کہ ایک طمانچہ بھی۔''

قَالَ: قُلْنَا كَيْفَ هُوَ وَإِنَّمَا نَأْتِي اللّٰهَ تعالىٰ عُرَاةً غُرْلًا بُهْمًا؟

راوی کہتا ہے، ہم نے کہا: وہ کیسے ہوگا جب کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ننگے بدن، ننگے پاؤں اور خالی ہاتھ آئیں گے؟

قَالَ: بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ . [1]

فرمایا: نیکیوں اور گناہوں سے لین دین ہوگا۔

آئندہ خطبہ جمعہ میں ظلم کی سنگینی اور اس کی چند صورتوں کے حوالے سے ان شاء اللہ بات ہوگی۔

---

[1] الادب المفرد للبخاری، رقم: ٩٧٠ . (صحيح)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم کی سنگینی

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝﴾ (ابراهيم: ٤٢ ـ ٤٣)

''اور تو اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل گمان نہ کر اس سے جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ انھیں اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے کہ اس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اس حال میں کہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے تیز دوڑنے والے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔''

گزشتہ جمعے ظلم کے بارے میں بات ہو رہی تھی، ظلم کا معنی ومفہوم بیان ہوا، ظلم کی اقسام، ظلم کی قباحت وشناعت، ظلم کی شدت وسنگینی ظلم کے انجام اور ظلم سے بچنے کی ترغیب و تاکید کا ذکر ہوا۔

ظلم کس قدر گھناؤنا اور سنگین جرم ہے، کس قدر خوفناک اور تباہ کن عمل ہے، اس کی کیا کیا شکلیں اور صورتیں ہوسکتی ہیں، آج کچھ انہی باتوں کے جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

ظلم ایک ایسی آفت اور مصیبت ہے، ایسا فتنہ اور آشوب ہے جو جس قوم پر واقع ہوتا ہے اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے اسے ملیا میٹ اور تہس نہس کر دیتا ہے۔

اس سے پہلے کہ جرم ظلم وعدوان کی تباہ کاریوں کا ذکر کریں، اس کے مخفی پہلوؤں اور زاویوں کا ذکر کریں، مخفی پہلوؤں سے مراد: ظلم کے وہ انداز، وہ صورتیں اور شکلیں ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنہیں عموماً ظلم نہیں سمجھا جاتا بلکہ اپنا حق سمجھا جاتا ہے، یا قوت و طاقت کے نشے میں انہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے، خاطر میں نہیں لایا جاتا اور کسی نہ کسی طرح ان کا جواز مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کا ذکر کرنے سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ظلم کے اسباب کیا ہیں؟ کونسی چیز انسان کو ظلم پر ابھارتی اور برانگیختہ کرتی ہے؟

یوں تو ظلم کے بیسیوں اسباب ہیں جیسا کہ شیطان کا انسان کو ظلم و زیادتی پر اکسانا، نفس امارہ کا دل میں انگیخت اور اشتعال پیدا کرنا، جہالت اور لاعلمی کا ہونا وغیرہ۔ مگر قرآن وحدیث نے ظلم کے چند بنیادی اسباب کا بطور خاص ذکر کیا ہے جو ظلم کا مرکز ومحور ہیں جن کا تعلق اس سوچ اور فکر سے ہے جو انسان کو ظلم پر ابھارتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾ (العلق : ٦۔٧)

”یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔“

جب انسان اپنے آپ کو کسی بھی معاملے میں، زندگی کے کسی بھی شعبے میں بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے، کسی کسبی یا عطائی نعمت وسہولت پر اترانے لگتا ہے، اس کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس کی وہ فکرِ بے نیازی اسے ظلم پر آمادہ کرنے لگتی ہے۔

جب وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مستحق سمجھنے لگتا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو نیک و پارسا سمجھنے لگتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی اور خوش ہے اس لیے اپنی نعمتیں دے رہا ہے۔ یا ان نعمتوں کو اپنے کمالِ علم کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے کہ

﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (القصص : ٧٨)

”جب وہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو مجھ کو حاصل ہے تو پھر اس میں غرور پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، سب کو ہیچ اور حقیر جاننے لگتا ہے، ان کے کسی حق کو حق نہیں سمجھتا، وہ چاہنے لگتا ہے کہ اس کی پجارو جب روڈ پر نکلے تو سب گاڑیاں رک جائیں اور اس کو رستہ دیں، اس کا کاروبار اگر ترقی کرنے لگے تو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پڑوسیوں کے تمام حقوق کو جوتے کی نوک پر رکھ دیتا ہے، ان کا جینا حرام کر دیتا ہے، ان کی ناک میں دم کر دیتا ہے۔

جب وہ کہتا ہے کہ ﴿إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلۡمٍ عِندِيٓ﴾ ''یہ سب کچھ تو مجھے میرے کمالِ ہنر کے نتیجے میں ملا ہے۔'' تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿أَوَلَمۡ يَعۡلَمۡ أَنَّ ٱللَّهَ قَدۡ أَهۡلَكَ مِن قَبۡلِهِۦ مِنَ ٱلۡقُرُونِ مَنۡ هُوَ أَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةٗ وَأَكۡثَرُ جَمۡعٗاۚ وَلَا يُسۡـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلۡمُجۡرِمُونَ﴾

(القصص: ۷۸)

''کیا اس کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے، اور مجرموں سے تو ان کے گناہ نہیں پوچھے جاتے۔''

یعنی ان کی جب گرفت ہوتی ہے تو ان سے پوچھ کر نہیں ہوتی کہ کیا تم نے یہ گناہ کیا ہے، اگر کیا ہے تو تمھیں گرفتار کریں، کوئی مجرم اپنے گناہ مانتا ہی کب ہے؟

اب غور فرمائیں اس آیت کریمہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ قارون نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سرزنش کی اور اسے خبردار کیا، بلکہ اس کی محض اس سوچ اور فکر پر اسے متنبہ کیا گیا کہ جس کا طبعی نتیجہ ظلم و ناانصافی ہوتا ہے، ہر ظلم کے پیچھے کچھ ایسی ہی سوچ اور فکر کارفرما ہوتی ہے۔

جب انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگتا ہے، مال و دولت، کاروبار، گاڑیاں، کوٹھیاں نوکر چاکر، وزیروں اور مشیروں سے جان پہچان حکومتی عہدے داروں سے واقفیت، پولیس اور فوج میں واسطہ اور سفارش، سول سوسائٹی میں اثر و رسوخ۔ جب اس قدر کسی انسان کو قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے تو اس کی چال ڈھال بدل جاتی ہے، اس کے اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کے طور طریقے بدل جاتے ہیں، اس کی گفتگو کا انداز بدل جاتا ہے اور پھر وہ اپنی اس حیثیت کو منوانے اور قائم رکھنے کے لیے ظلم کرنا گویا لازم سمجھتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝﴾ (العلق : ٦۔٧)

''یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔''

یہ ضروری نہیں کہ مال و دولت، قوت و طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والا ہر شخص سرکشی کرنے لگتا ہو، بلکہ یقیناً ایسے لوگ بھی موجود رہے ہیں اور رہیں گے کہ جوں جوں ان کی قوت و طاقت میں نعمتوں اور خوشحالیوں میں اور عزت و افتخار میں اضافہ ہوتا ہے، ان کی عاجزی و انکساری میں اضافہ ہوتا ہے، اور ان کے سرفہرست سید الاولین والآخرین، سرور کائنات ﷺ ہیں۔

ملاحظہ کیجیے، حدیث میں ہے:

((أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ، فَكَلَّمَهُ، فَجَعَلَ تُرْعَدُ فَرَائِصُهُ، فَقَالَ لَهُ: هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ، إِنَّمَا أَنَا ابْنُ إِمْرَأَةٍ تَأْكُلُ الْقَدِيْدَ.)) [1]

''ایک شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے اس سے بات کی تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: سکون رکھو! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو قدید (نمک لگا کر دھوپ میں سوکھایا ہوا گوشت) کھاتی تھی۔''

اور فتح مکہ جو آپ ﷺ کو حاصل ہوئی، ایک عظیم فتح تھی، بے شمار تکلیفوں، اذیتوں اور مصیبتوں سے گزرنے کے بعد، تبلیغ دین کے لیے محنت شاقہ کے بعد، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَكَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ يَتْبَعُ النَّاسَ، فِي مَنَازِلِهِمْ بِعُكَاظٍ وَمَجَنَّةٍ، وَفِي الْمَوْسِمِ بِمِنًى.

آپ ﷺ مسلسل دس سال تک عکاظ اور مجنۃ کے بازاروں میں اور حج کے موسم میں

[1] ابن ماجة : ٣٣١٢.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

منیٰ میں ان کے خیموں میں لوگوں کے پیچھے پیچھے پھرتے اور فرماتے:

مَنْ يُؤْوِينِي ، مَنْ يَنْصُرُنِي .

ہے کوئی جو مجھے پناہ دے، میری مدد کرے۔''

حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ . ❶

حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں، اور اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اور جب فتح حاصل ہوئی تو آپ ﷺ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے کہ:

''آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے اور فرطِ تواضع سے اپنا سر مبارک اتنا جھکا رکھا تھا قریب تھا کہ ڈاڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی کو چھونے لگیں۔'' ❷

تو بات ہو رہی تھی تواضع اور انکساری کی کہ مال و دولت اور قوت و طاقت سے اور عزت وافتخار سے ضروری نہیں کہ انسان میں سرکشی پیدا ہو، بہت سے ایسے لوگ بھی یقیناً دنیا میں موجود ہیں جو دولت حاصل ہونے کے باوجود عاجزی اور انکساری کرتے ہیں بلکہ دولت کے اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی انکساری میں اضافہ ہوتا ہے امت محمدیہ (علی صاحبها الصلاۃ والسلام) میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں، اور کائنات میں سب سے بڑھ کر اللہ کے حضور تواضع کرنے والے آپ ﷺ ہیں۔

بغاوت، سرکشی، فخر وغرور اور تکبر ایک احساس اور شعور ہے، ایک فکر اور سوچ ہے جو کچھ کمزور ایمان والوں پر طاری ہو جاتی ہے، جب وہ اس قدر نعمتیں پاتے ہیں۔

جیسا کہ ایک شخص کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ (الكهف : ٣٢)

---

❶ مسند احمد، ج٣، ص ٣٢٢، رقم: ١٤٤٩٦ .

❷ الرحيق المختوم، ص: ٥٤٨ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے پیغمبر ﷺ ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو، دو شخص تھے، ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑھ لگائی، اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔''

﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًاO﴾ (الکهف : ۳۳)

''دونوں باغ خوب پھلے پھولے، اور بار آور ہونے میں انہوں نے کوئی کسر بھی نہ چھوڑی، ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی۔''

﴿وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًاO﴾ (الکهف : ۳٤)

''یہ کچھ پا کر ایک دن وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا: میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقت ور نفری رکھتا ہوں۔''

﴿وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًاO﴾ (الکهف : ۳٥)

''پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، اپنے نفس پر ظالم بن کر اور کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی۔''

﴿وَّ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًاO﴾ (الکهف : ٣٦)

''اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی، تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔''

تو جس طرح اس شخص کی مثال بیان کی گئی اور اس کی سوچ کا بتلایا گیا، یہی بنیادی سوچ ہر ظالم، سرکش اور متکبر انسان کی ہوتی ہے، جس کی قرآن وحدیث میں متعدد مثالیں ہیں، اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ بھری پڑی ہے ایسی ذہنیت رکھنے والوں سے۔

تو ظلم کے اسباب میں سے یہ ایک سبب ہے کہ انسان کو جب نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے، حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح کچھ اسی سے ملتا جلتا دوسرا سبب بیان کیا گیا حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ .))

''ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوں گے۔''

اور:

((وَاتَّقُوا الشُّحَّ .)) ...... ''اور بخیلی سے بچو۔''

فَاِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ .

بے شک بخیلی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔

حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ . [1]

بخیلی نے انہیں خونریزی اور حرمتوں کو پامال کرنے پر آمادہ کیا۔

شح: شدید حرص، دوسرے کے مال میں طمع اور بخل اپنے مال میں طمع کرنے کو کہا جاتا ہے، تو مال کی حرص انسان کی ذہنیت یہ بنا دیتی ہے کہ: جائز اور ناجائز، حلال اور حرام جس طرح بھی مال آتا ہے، آنے دو، اور جب یہ سوچ ہوتی ہے تو پھر خون خرابے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

تو ظلم کی کئی صورتیں ہیں اور ان صورتوں میں جہاں ظلم کے اسباب میں فراوانیٔ رزق ایک سبب ہے تو وہاں دوسری طرف مال میں بخل اور حرص بھی اس کا ایک سبب ہے تو گویا ظلم کرنے سے بچنے کا ایک ذریعہ بخیلی سے بچنا بھی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اس کو فلاح قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۹)

''جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

---

[1] مسلم: ۲۵۷۸.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم کی سنگینی اور چند صورتیں

﴿وَ لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۝ مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِىۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ۚ وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ۝﴾ (ابراھیم: ٤٢، ٤٣)

جیسا کہ گزشتہ خطبوں میں ہم نے جانا کہ ظلم انسان کی فطرت میں ہے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۝﴾ (الاحزاب: ٧٢)

انسان فطرۃً ظالم اور جاہل ہے، اور ایسے ہی فرشتوں کا بھی انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ

﴿اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ﴾

کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد برپا کر دے اور خونریزیاں کرے۔

اور یہ شاید انہوں نے انسان کے عناصر ترکیبی کی خاصیتوں کو جانتے ہوئے اندازہ لگایا ہوگا۔ تاہم ظلم کا مادہ اس کے جذبات اور احساسات انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں موجود ہیں، انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ انسان اگر اپنی کسی فطری کمزوری پر قابو پانا چاہے تو اس کی کوششیں بار آور ہو سکتی ہیں، بلکہ اگر وہ اپنی کسی فطری کمزوری پر قابو پانے کی کوشش نہ کرے، تزکیہ اور تہذیب نفس نہ کرے تو ماحول کی آلودگی سے اس میں مزید بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظلم کے معاملے میں ہے۔

انسان جب لوگوں کے ساتھ گھل مل کے رہتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی فطری کمزوری اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجبوری ہے کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کرنہیں رہ سکتا۔ تو اس کا اپنی ضرورتوں اور مفادات کے معاملے میں دوسروں کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں ظلم کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

مثلاً، جب کچھ لوگ کسی چیز میں، کسی معاملے میں باہم شریک ہوتے ہیں، جیسا کہ کسی کاروبار یا جائیداد میں شریک ہوتے ہیں تو اپنا حق لیتے وقت عموماً ان کا میلان اور رجحان ظلم کی جانب ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ (صٓ: ٢٤)

''اور مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتیاں کرتے رہتے ہیں، بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں، اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔''

تو گویا کہ لوگوں کی اکثریت ظلم کی طرف میلان رکھتی ہے، اور اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں ظلم کا مادہ موجود ہے، پھر شیطان کا ورغلانا اور ظلم وزیادتی پر ابھارنا اور برانگیختہ کرنا، اور تیسرے یہ کہ مل جل کر رہتے وقت ان مسائل کا پیدا ہونا بھی ایک طبعی بات ہے، کیونکہ اس میں اپنے حقوق کے لیے کھینچا تانی اور چھینا جھپٹی کی نوبت بھی آتی ہے، لیکن لوگ اپنے حقوق کے مطالبے اور اس کے حصول میں اکثر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور ظلم و زیادتی پر اتر آتے ہیں۔ لیکن ایمان اور عمل صالح والے اس بری صفت سے بچے رہتے ہیں۔

اور انسان میں ظلم کا رجحان کس قدر شدید ہوتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب کوئی دو آدمی کسی کاروبار میں پارٹنر شپ اور شراکت کرتے ہیں تو اس وقت ان کا آپس میں ایک دوسرے سے دوستی یاری، پیار محبت اور اعتماد کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے اور جذبہ ہمدردی وخیر خواہی عروج پر ہوتا ہے، مگر اس سب کچھ کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا وہ اعتماد اور پیار محبت، حقد، حسد، کینہ وبغض نفرت اور ظلم وزیادتی میں بدل جاتا ہے اور اس کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب وہی فطرت میں ظلم کے مادے کا وجود ہے کہ جس کو نظر انداز کیا گیا، جس کی اصلاح کی اور اس پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی۔

انسانی فطرت میں موجود ظلم کے مادے کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ فطرت میں موجود ظلم کے جذبات ایک چنگاری کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ چنگاری بجھائی بھی جا سکتی ہے مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ۔

البتہ اس چنگاری کو شعلہ جوالہ بنانے میں زیادہ محنت درکار نہیں ہوتی، صرف ہوا کا ایک جھونکا ہی چاہیے ہوتا ہے اور اگر اس کو آگ کا الاؤ بنانا ہو تو اس کے لیے بھی ایندھن مختلف صورتوں میں وافر مقدار میں دستیاب ہوتا ہے۔

تو معنی یہ ہوا کہ معاشرے میں ظلم کے امکانات بہت زیادہ ہیں لہٰذا اس موضوع کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسے موضوع سخن بنائے بغیر چارہ نہیں ہے، بالخصوص جب یہ موضوع دنیا وآخرت میں خوفناک نتائج کا حامل بھی ہو۔

اسلام انسان کو ظلم کے انجام سے خبردار کرتا ہے، اور ظلم سے باز رہنے کی تدابیر بتلاتا ہے اور ظالم کا ہاتھ بھی روکتا ہے، ایک حد تک تو اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے اور اس کی رسی دراز کیے رکھتا ہے، لیکن جب رسی کھینچتا ہے تو پھر بھاگنے کا موقع نہیں دیتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ ، حَتَّى اِذَا اَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ .)) [1]

”اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے مگر جب وہ اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر چھوٹ نکلنے کا راستہ نہیں دیتا۔“

ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ

[1] بخاري : ٤٦٨٦ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ﴾ . (هود: ١٠٢)

اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، یقیناً اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کسی کی پکڑ کیسے کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظالموں کی گرفت کے مختلف انداز اور طریقے ہیں اور ان کی مختلف حکمتیں ہیں۔

مثلاً ایک انداز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی فتنے اور آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس میں حکمتیں یہ ہوتی ہیں کہ انسان توبہ واستغفار کر کے اللہ کی طرف لوٹ آئے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَوَلَا یَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَیۡنِ ثُمَّ لَا یَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ یَذَّكَّرُوۡنَ﴾ (التوبة: ١٢٦)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔''

اسی طرح گرفت کا ایک انداز یہ ہوتا ہے کہ کسی قوم پر کوئی عذاب نازل کر دیا جاتا ہے، اور ایسا بہت سی قوموں کے ساتھ ہوا جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾

(یونس: ١٣)

''اور تم سے پہلے کی قوموں کو، جو اپنے زمانے میں برسرِعروج تھیں، ہم نے ہلاک کر دیا، جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اوراس سے اگلی آیت میں فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ (یونس: ١٤)

''اب ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی ہے، تا کہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کی گرفت کا ایک انداز یہ ہے، اور ظلم کو روکنے کا ایک انداز یہ ہے کہ ظالم کو اس سے زیادہ طاقتور ظالم سے ٹکرا دیتا ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

(الانعام: ١٢٩)

''اس طرح ہم بعض ظالموں کو، بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں ان کے اعمال کے سبب۔''

تاریخ انسانی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے سامنے سرنگوں کرنا پڑا اور ذلت و رسوائی اٹھانا پڑی۔

يقول عبدالملك بن عمير: رأيتُ عجبًا، رأيتُ رأسَ الحُسين بن علي رضی اللہ عنہ (حين قُتِل مظلومًا) أُتِي به حتى وُضع بين يدى ابن زياد (فى قصره فى الكوفة)

عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ایک عجب ماجرا دیکھا، میں نے دیکھا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا سر زیاد کے سامنے (کوفہ میں اس کے محل میں) لا کے رکھا گیا (جب وہ ظلماً قتل کیے گئے تھے)۔''

ثم رايتُ رأس ابن زيادٍ أُتي به حتى وُضِع بين يدى المختار .

''پھر دیکھا کہ ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے لا کے رکھا گیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثم رایتُ راس المختار أُتِي به حتى وُضِع بين يدى مُصعب

''پھر دیکھا کہ مختار کا سر مصعب کے سامنے لا کے رکھا گیا۔''

ثم أُتِي بِرأس مُصعب حتى وُضِع بين يدي الحَجّاج .

''اور پھر مصعب کا سر حجاج کے سامنے لا کے رکھا گیا۔''

فقيل له كم كان بين الرُؤُوسِ مِن الزَّمَن؟

پوچھا گیا یہ سب کچھ کتنے عرصے میں ہوا؟

فقال اِثنا عَشَر عامًا . [1]

''تو کہا: بارہ سال میں۔''

اور ظالموں کو ظالموں کے ہاتھوں اور بعض دفعہ نیک لوگوں کے ہاتھوں سبق سکھانے میں حکمت کیا ہے؟

زمین کو فتنہ وفساد سے پاک کرنا جبکہ نیک لوگوں کے ظلماً قتل کیے جانے میں الگ حکمتیں ہیں جن میں ایک ان کے رفع درجات کا باعث ہونا بھی ہوسکتا ہے۔

تاہم ظالموں کو ظالموں کے ہاتھوں سبق سکھانے میں حکمت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (البقرة: ٢٥١)

''اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی۔''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾

''مگر اللہ تعالیٰ کا دنیا کے لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے۔ یعنی اس طرح ان سے دفع

---

[1] الثقات للعجلي، ج١، ص: ٣١١، رقم: ١٠٣٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فساد کا انتظام کرتا ہے۔‘‘

انسان ظلم کیوں کرتا ہے؟ اس کے بنیادی اسباب کا ذکر تو گزشتہ خطبات میں ہو چکا، مگر اس کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ مگر خلاصہ یہی ہے کہ جب انسان طاقت کے نشے میں مخمور اور سرشار ہو جاتا ہے تو پھر بہک جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے محظوظ ہونے کی حدوں سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں ہمچوں ما دیگرے نیست کا احساس ابھرنے لگتا ہے کہ میرے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ اور وہ چیزیں جو بظاہر ظلم کا باعث معلوم نہیں ہوتیں وہی اس کی خِشتِ اوّل ثابت ہوتی ہیں۔

شراب کا نشہ تو ہم نے سن رکھا ہے مگر وہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا طاقت کا نشہ، حکمرانی کا نشہ، دولت کا نشہ، علم کا نشہ اور نیکی کا نشہ ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کا نشہ بھی انسان کو ہو جائے تو اس کی چال ڈھال، اس کی گفتگو اور اس کے میل ملاقات کے انداز ہی بدل جاتے ہیں۔ وہاں عاجزی، انکساری اور تواضع برقرار رکھنا نہایت مشکل ہوتا ہے، اور جب آدمی کی چال ڈھال بدلتی ہے اس کے انداز بدلتے ہیں تو وہ اس کے مزاج کا پَرتَو ہوتا ہے، اس کے خیالات کا عکس ہوتا ہے۔ آدمی کو جتنا بڑا مقام حاصل ہو اس نسبت سے تواضع بھی بڑی ہونی چاہیے۔

آپ ﷺ کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور گفتگو فرمانے کے انداز ملاحظہ کریں تو آپ ﷺ کی شان اور عظمت اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہیں۔

فرمایا:

((لَا آكُلُ مُتَّكِئًا .)) [1]

’’کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔‘‘

((إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ

[1] بخاري: ٥٣٩٨ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْعَبْدُ .)) ❶

''میں تو ایک بندہ ہوں، اس طرح کھاتا ہوں جس طرح اللہ کا بندہ کھاتا ہے اور میں اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے اللہ کا بندہ بیٹھتا ہے۔''

خیر یہ اک دوسرا موضوع ہے، اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا اختصار کے ساتھ انسانی معاشرے میں پائی جانے والی ظلم کی چند صورتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

غلاموں پر ظلم کرنا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں غلاموں پر ظلم کیا جاتا تھا، آج کل غلام تو نہیں پائے جاتے مگر ان سے ملتا جلتا اک طبقہ موجود ہے، جو ہر زمانے میں رہا ہے اور وہ ہے ملازمین اور نوکر چاکر کا۔

ملازموں پر ظلم کرنا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی پایا جاتا ہے، البتہ شکلیں مختلف ہیں۔ زرخرید غلام اور ملازم میں فرق ہے، مگر لوگ پھر بھی ان پر اپنا ایسا ہی حق سمجھتے ہیں جیسا غلاموں پر ہوتا تھا۔

غلاموں کو مارنے اور اذیت دینے سے متعلق گزشتہ خطبات میں آپ نے سنا کہ کس خوفناک نتائج کا حامل ہے کہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کا انجام معلوم ہونے پر فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔

ہمارے ہاں مار پیٹ کو ہی ظلم سمجھا جاتا ہے، مگر ظلم صرف مار پیٹ ہی نہیں ہے بلکہ ظلم کسی کی دل آزاری بھی ہے، کسی کا مذاق اڑانا، حقیر جاننا، گھٹیا اور کمتر سمجھنا، طعنے دینا، گالی دینا وغیرہ بھی ہے۔ اسلام نے کمزور طبقے کے حقوق خوب بیان فرمائے اور ان کے حقوق کی پامالی کی قباحت و شناعت بھی بیان فرمائی اور اس کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے معاملے کی ترغیب دی، جیسا کہ حدیث میں ہے:

قَالَ الْمَعْرُوْرُ بْنُ سُوَيْدٍ (التابعی) قَالَ رأيتُ اَبَاذَرٍّ

---

❶ مسند ابویعلی، ج۸، ص ۳۱۸، رقم: ٤٩٢٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ .

معرور بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے اوران کے غلام نے ایک جیسی پوشاک زیب تن کر رکھی تھی میں نے اس کے متعلق پوچھا۔

کیونکہ یہ رواج نہیں تھا کہ آقا اور غلام کسی صورت بھی برابر ہوں۔

فَقَالَ: اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَشَكَانِیْ اِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَعَیَّرتَهٗ بِاُمِّهٖ؟ اِنَّكَ امْرُءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ . فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ . [1]

تو انھوں نے جواب دیا: میں نے ایک شخص کو گالی دی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں میری شکایت کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تو نے اسے ماں کی عار دلائی ہے؟'' ابھی تک تجھ میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔'' پھر فرمایا: ''کہ یقیناً تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے تصرف میں رکھا ہے، چنانچہ جس آدمی کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیے کہ وہ چیز اسے کھلائے جو خود کھائے اور اسے وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان سے وہ کام مت لو جوان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر ایسے کام کی زحمت دو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔''

اب اس حدیث سے جو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ غلاموں کو حقیر جاننا ظلم اور زیادتی ہے، انہیں طعنہ دینا حرام ہے۔ ان پر سختی کرنا منع کرنا ہے۔

---

[1] بخاری: ٢٥٤٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب جب زرخرید غلام کے ساتھ بدسلوکی کرنا منع ہے تو بیوی جو کہ شریک حیات ہوتی ہے جیون ساتھی ہوتی ہے برابری کا رشتہ ہوتا ہے اس کے ساتھ ایسی بداخلاقی کتنا بڑا جرم ہوگی! بیوی پر ظلم جسے ظلم نہیں سمجھا جاتا، اس کا الگ ان شاء اللہ ذکر ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کو حقیر اور کمتر سمجھتا ہے اور اسی تناظر میں اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ برتری کا احساس اور شعور انسان کو مسحور کر دیتا ہے۔ اور استغنا کا احساس دلاتا ہے، اور استغنا آپ جانتے ہیں کہ ظلم پر آمادہ کرتا ہے۔

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ○ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ○﴾ (العلق: ٦-٧)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی آپ ﷺ نے خصوصی وصیت فرمائی، آپ ﷺ کی آخری وصیت نماز اور عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی تھی۔ جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ .)) [1]

''عورتوں کے بارے میں وصیت کو قبول کرو، کیونکہ وہ تمھارے پاس قیدی ہیں۔''

ظلم کے بارے میں ایک غلط فہمی کا شکار اکثر لوگ ہوتے ہیں، کہ بعض قسم کے ظلموں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، مگر حقیقت میں ظلم ظلم ہے چاہے کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

ظلم عموماً معاشرے کے کمزور افراد پر ہی ہوتا ہے، مگر عورتیں ان کمزور افراد میں سے بھی کمزور ترین طبقہ ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ خصوصی نرمی اور خیر خواہی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے، حتیٰ کہ ان کے متعلق دل میں بغض رکھنے سے بھی منع فرمایا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ .)) [2]

''کوئی مومن شخص کسی ایمان دار عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس سے ایک

[1] ابن ماجة: ١٨٥١. [2] مسلم: ١٤٦٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عادت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند بھی ہوگی۔“

کسی کو حق تلفی کے حوالے سے ظلم کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَ حَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ .)) ❶

”جو شخص جھوٹی قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا حق مارلے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم واجب کردی اور جنت حرام کردی۔“ ایک شخص کہنے لگا اے اللہ کے رسول! اگر ذرا سی بھی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چاہے وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہو۔“

ظلم ہر طبقے میں ہوتا ہے۔

ملازموں پر ظلم کی ایک شکل، تنخواہ میں تاخیر کرنا بھی ہے۔

جیسا کہ فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے:

((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ .)) ❷

”مال دار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ایک ظلم ہے۔“

تو معاشرے میں پھیلی ہوئی ظلم کی بہت سی صورتوں میں سے یہ چند صورتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے ظلم سے محفوظ فرمائے۔ آمین

---

❶ مسلم: ١٣٧.

❷ بخاری: ٢٢٨٧، مسلم: ١٥٦٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی صفت ''دیکھنا''...... معنی ومفہوم اور حقیقت

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَ أَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (آل عمران : ۷۷)

دنیا اور آخرت کی کامیابی وکامرانی کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا لازمی، ضروری اور ناگزیر ہے، اخروی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان ہونا ضروری ہے، اس بات کو تو شاید لوگ آسانی سے سمجھ لیتے ہیں، مگر دنیوی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان ضروری ہے، اس کے سمجھنے میں بہت سے لوگوں کو دشواری ہوتی ہے، جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اور وہ قومیں جو سرے سے کائنات کے کسی خالق کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتیں، وہ دنیا میں بڑی کامیاب و کامران اور خوشحال بلکہ دنیا پر حکمرانی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، تو پھر انہیں اس حقیقت کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

ان کے اس اشکال کا اصل سبب یہ ہے کہ کامیابی اور ناکامی کا وہ ایک خود ساختہ مفہوم رکھتے ہیں، ان کے ہاں کامیابی وکامرانی دولت وثروت اور آسائشوں اور سہولتوں کا نام ہے، جبکہ حقیقی کامیابی کچھ اور ہے اس کی تفصیل میں اس وقت نہیں جا سکتے، وہ ایک مستقل موضوع ہے، جو کسی الگ نشست میں ان شاء اللہ بیان ہوگا۔

تاہم یہ بات بہت سے عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے لازمی اور ضروری ہے، لیکن اس بارے میں ایک اہم بات جو کہ قابل افسوس اور باعث پریشانی بھی ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت ایمان باللہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی ومفہوم سے ناواقف ہے، اس کے مطلب سے آگاہ نہیں اس کی تفصیلات سے نابلد و ناآشنا ہے لوگ ایک مجمل ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک ہے، وہی سب کا رازق ہے اسی طرح مزید چند معلومات رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں، اس کی صفات کے بارے میں، اس کے اسماء حسنیٰ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاننے کے فوائد ہیں اور نہ جاننے کے نقصانات ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جتنا زیادہ لاعلم ہوگا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف ہوگا اور جو شخص جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم رکھتا ہوگا، اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، اس سے محبت ہوگی، اور اسی قدر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے امید و رجاء کے ساتھ اس کا ڈر اور خوف اور تقویٰ پیدا ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰؤُا﴾ (الفاطر : ٢٨)

"اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

اور ایسے ہی آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُم لَهُ خَشْيَةً .)) [1]

"میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم رکھتا ہوں، اور تم سب سے زیادہ سخت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔"

تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا مزید کئی پہلوؤں سے ضروری اور مفید ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانتے ہوئے یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کوئی چلّے کاٹنے سے یا سنی سنائی باتوں سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی پہچان صرف اور صرف قرآن اور حدیث سے حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی نہایت سخت قواعد وضوابط کی روشنی میں۔

[1] فتح الباری، ج ١١، ص ٣١٣.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں خود قرآن پاک میں جو فرمایا، یا اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے بتلایا بس وہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی پہچان اور اس کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی پہچان کے بغیر اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ بے بنیاد دعویٰ بھی ہو سکتا ہے، جیسے غیر مسلم اقوام جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ تو کرتی ہیں، جیسے: یہودی، عیسائی، سکھ اور ہندو وغیرہ، جو یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اصل میں تمام لوگ ایک ہی خدا کو ماننے والے ہیں۔ بس لوگوں نے اس کے نام الگ الگ رکھ لیے ہیں، کوئی اسے اللہ کہتا ہے، کوئی گاڈ کہتا ہے، کوئی رام کہتا ہے اور کوئی کچھ، مگر حقیقت میں وہ ایک ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے ناموں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ باطل عقیدہ ہے اور یہ ان کی گمراہی کا ایک بنیادی سبب ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے اپنی مرضی سے نام رکھ کر، اپنی پسند کی صفات سے اسے متصف کر کے اس پر ایمان لانا قابل قبول ہوتا تو مشرکین مکہ کبھی کافر قرار نہ دیے جاتے۔ وہ اللہ پر کیسا ایمان رکھتے تھے۔ قرآن بتلاتا ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾

(الزمر : ۳۸)

''اے پیغمبر ﷺ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ زمین وآسمان کس نے پیدا کیے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''

مشرکین مکہ توحید ربوبیت کے قائل تھے کہ اللہ ہی سب کا خالق و مالک اور رازق ہے۔ مگر توحید الوہیت میں ڈنڈی مارتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے الٰہ اور معبود ہونے میں گڑبڑ کر جاتے تھے کہ عبادت میں وہ اپنے خود ساختہ خداؤں کو بھی شریک کر لیتے تھے، جیسے حج کرتے وقت جب وہ تلبیہ پڑھتے کہ: ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ)) اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، جب اتنا کہتے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ فرماتے: ((وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ)) ''افسوس ہے رک جاؤ رک جاؤ'' یعنی آگے کچھ مت کہو کیونکہ اس کے بعد وہ کہتے ((اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ)) (مسلم : ۱۱۸۵) ''ہاں تیرا ایک شریک ہے جس کا تو ہی مالک ہے اور اس کا جو کچھ ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے، اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات کو بھی نہیں مانتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی معرفت اور پہچان بھی حاصل ہو، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد: ۱۹)

''یہ جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کیے بغیر اس پر ایمان کا دعویٰ خطرے سے خالی نہیں ہے، جس طرح مشرکین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔''

اس طرح اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کیے بغیر اس پر ایمان کا دعویٰ کریں گے تو خطرہ ہے کہ کہیں ہم بھی انجانے میں اس آیت کریمہ کے مخاطب نہ بن جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی پہچان جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ صرف اور صرف قرآن وحدیث کے ذریعے ہوسکتی ہے اور وہ بھی سلف صالحین کے قرآن وحدیث سے اخذ کردہ قواعد وضوابط کی روشنی میں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں غیر مسلم اقوام کے خیالات ونظریات اور عقائد کو اگر دیکھیں کہ جو کسی اصول اور قاعدے کے پابند نہیں ہیں تو نظر آئے گا کہ انہوں نے جس طرح چاہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے الٰہ کے بارے میں ذہن میں تصویر کشی کی، پھر اس کا ڈھانچہ بنایا اور بت بنا کر کھڑا کر دیا۔ اپنے گھروں میں اور عبادت گاہوں میں اس کی تصویریں آویزاں کر لیں۔ جو چاہا ان کا نام رکھ لیا، جس طرح چاہا ان سے کچھ صفات منسوب کر دیں۔

مگر اسلام میں اس سے متعلق نہایت سخت اصول وضوابط موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں اس کی صفات کے بارے میں اور اس کے ناموں کے بارے میں صرف اور صرف وہی بات کہہ سکتے ہیں وہی عقیدہ رکھ سکتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے، اپنی مرضی سے کسی نام اور کسی صفت کا اضافہ نہیں کر سکتے، اور اپنی مرضی سے کوئی نام کم نہیں کر سکتے۔

کیونکہ ان کا تعلق امور غیب سے ہے۔ ان پر ہو بہو ویسے ہی ایمان لانا ہے جیسے بیان کیا گیا ہے، ان کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، ان کی مثال نہیں دے سکتے، ان کی تشبیہ نہیں دے سکتے ان کی نفی نہیں کر سکتے، ان کی تاویل نہیں کر سکتے۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے دو ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ (المائدة : ٦٤)

''بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔''

اب اس پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

لیکن وہ ہاتھ کس طرح کے ہیں، کتنے بڑے ہیں، کس سے مشابہ ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ : ١١) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع وبصیر ہے۔''

جب اس جیسی کوئی چیز ہے ہی نہیں تو تشبیہ کیسی؟ اس لیے جتنا اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیا ہے، اس سے آگے نہیں جانا، اور اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے،

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور تاویل بھی نہیں کر سکتے، یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے جب
﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: ٥)
رحمٰن عرش پر مستوی ہوا، کی کیفیت پوچھی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے؟

اَلْـاِسْتِوَاءُ ''استواء کا معنی غیر معلوم نہیں ہے'' یعنی اس کا معنی ہے بلند ہونا، چڑھنا، مستقر ہونا۔

(وَالْـكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ) ''اور کیفیت عقل کے ذریعے معلوم نہیں کی جا سکتی'' یعنی اس کی صفات عقل سے نہیں جانی جاتیں بلکہ وحی کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں۔

(وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ) ''اللہ تعالیٰ کے مستویٔ عرش ہونے پر ایمان لانا واجب ہے'' کیونکہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

(وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ) [1] ''استواء علی العرش کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔'' کیونکہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کی کیفیت سے متعلق کوئی سوال موجود نہ تھا۔

اور پھر امام رحمہ اللہ کے حکم سے اس شخص کو جس نے یہ سوال کیا تھا مسجد سے نکال دیا گیا، تاکہ دوسرے لوگوں کے عقیدے میں خرابی کا باعث نہ بنے، اور تاکہ اس کو اور اہلِ مجلس کو تنبیہ ہو جائے کہ عقیدہ کے لیے یہ کس قدر خطرناک سؤال ہے۔

تو اسی طرح قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کی جو جو صفات بیان ہوئی ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے، مگر ان کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، اس کی مثال نہیں دے سکتے، تشبیہ نہیں دے سکتے، اس کی نفی نہیں کر سکتے اور اس کی تاویل نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی، ج ٢، ص ٣٠٦، رقم: ٨٦٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا چہرہ، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ۔ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا، اللہ تعالیٰ کا ناراض ہونا، اللہ تعالیٰ کا محبت کرنا، اللہ تعالیٰ کا غصہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا ہنسنا اور اللہ تعالیٰ کا تعجب کرنا وغیرہ۔

مگر آج کی اس گفتگو میں اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا بالخصوص ذکر کرنا مقصود ہے وہ ہے صفتِ نظر، یعنی اللہ تعالیٰ کا دیکھنا۔

اللہ تعالیٰ اپنی مشیئت سے جب چاہتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں دیکھتے ہیں، اور جس کو نہیں چاہتے نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کی طرف دیکھنا اس کی رضا کی دلیل ہے، اور کسی کی طرف نہ دیکھنا اس پر غضب اور غصے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی طرف دیکھ لیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جاتی ہے۔

امام ابو عمران عبدالملک بن حبیب الجونی رحمہ اللہ کبار تابعین میں سے تھے، فرماتے ہیں:

(لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَى إِنْسَانٍ قَطُّ اِلَّا رَحِمَهُ).

''اللہ تعالیٰ جب بھی کسی انسان کی طرف دیکھ لیتے ہیں اس پر ضرور رحم فرماتے ہیں۔''

اور قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے:

(وَاللّٰهِ لَوْ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَى اَهْلِ النَّارِ لَرَحِمَهُمْ).

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ جہنم والوں کی طرف بھی دیکھ لے تو ان پر بھی رحم فرما دے۔''

(وَلٰكِنَّهٗ قَضٰى اَنَّهٗ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ). [1]

''مگر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکے ہیں کہ ان کی طرف نہیں دیکھیں گے۔''

قیامت کے دن کتنے ہی ایسے بدنصیب ہوں گے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نہیں دیکھیں گے، ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] حلية الاولياء، ج ١، ص ٣٥٢.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ .))

''تین طرح کے لوگ وہ ہوں گے جن کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر اٹھا کے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

((رَجُلٌ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ، فَمَنَعَهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيلِ .))

''ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں ضرورت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے کسی مسافر کو اس کے استعمال سے روک دیا ہو۔''

((وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامَهُ لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ .))

''دوسرا وہ شخص جس نے کسی حاکم سے بیعت کی صرف دنیا کے لیے، اگر وہ حاکم اسے کچھ دے دے تو وہ راضی رہے اور اگر نہ دے تو خفا ہو جائے۔''

((وَرَجُلٌ أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ لَقَدْ أَعْطَيْتُ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ رَجُلٌ .)) [1]

''تیسرے وہ شخص جو اپنا مالِ تجارت عصر کے بعد لے کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، مجھے اس سامان کی قیمت اتنی اتنی مل رہی تھی، اس پر اس شخص نے یقین کرلیا، اسے سچ مان لیا۔''

ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لیتے ہیں۔''

[1] بخاري: ٢٣٥٨.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾

''ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں۔''

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾

''اور نہ انہیں پاک کریں گے۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ٥﴾ (آل عمران : ٧٧)

''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

اس حدیث میں مذکورہ اشخاص کے جرائم کی سنگینی اور گھناؤنا پن دیکھیے کہ ایک شخص اس قدر بخیل اور بداخلاق ہے کہ اس کے پاس فالتو پانی بھی ہے، اور ایک ضرورت مند جو کہ مسافر بھی ہے، پیاسا بھی ہے اسے پانی دینے کو تیار نہیں۔

دوسرا شخص جو کسی دینی یا سیاسی جماعت میں شامل ہوتا ہے مگر اس کی نیت خالص دنیوی مفاد ہے، اگر اسے کوئی مالی فائدہ ہو یا کوئی عہدہ مل جائے تب تو خوش ہو جاتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے جب ناراض ہوتا ہے تو پھر کسی نہ کسی طرح اس کا اظہار بھی کرتا ہے، اس کی خامیاں اچھالنا شروع کر دیتا ہے، یا اس میں ایک فارورڈ گروپ بنا لیتا ہے۔ جو کہ اک فتنے سے کم نہیں ہوتا۔

اور تیسرا شخص جو تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام استعمال کرتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ تھوڑے سے مالی فائدے کا مطلب دنیا ہے۔

جھوٹی قسموں کے ذریعے اسے چاہے کتنا ہی فائدہ حاصل ہو جائے وہ آخرت کے مقابلے میں پھر بھی قلیل ہی کہلائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((ثَلاثَةٌ لا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلاَ يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)) قَالَ: فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلاثَ مِرَارٍ قَالَ: اَبُوْذَرٍّ رضی اللہ عنہ: خَابُوْا وَ خَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: الْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ، وَالْمَنَّانُ الَّذِيْ لَا يُعْطِيْ شَيْئًا اِلَّا مَنَّهٗ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ .))❶

''تین قسم کے لوگ ایسے ہوں گے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ اسے پڑھا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! تباہ و برباد ہو گئے وہ لوگ، کون ہیں وہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کپڑا لٹکانے والا مرد جوٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے، احسان جتلانے والا جو جب بھی کوئی چیز دیتا ہے تو احسان جتلاتا ہے، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کو بیچنے والا۔''

---

❶ مسلم: ١٠٦.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند مذموم خصلتیں

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (آل عمران : ۷۷)

''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لیتے ہیں، وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں بعض انسانوں میں پائی جانے والی چند ایسی صفات و عادات کا ذکر ہو رہا تھا، جو انسان کی شخصیت کو مجروح کر دیتی اور مکروہ بنا دیتی ہیں اس کے نفس کو آلودہ کر دیتی ہیں، معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا کرتی اور اسے بے رنگ بنا دیتی ہیں، اس میں کوئی رونق اور رعنائی باقی نہیں رہنے دیتیں، ہر طرف خود غرضی، مطلب پرستی اور نفسانفسی نظر آنے لگتی ہے۔

انسان کی وہ صفاتِ ذمیمہ معاشرے میں عام ہونے اور رواج پا جانے کی وجہ سے اس شدت سے بری محسوس نہیں ہوتیں جتنی کہ حقیقت میں وہ شدید قبیح ہوتی ہیں۔

وہ خصالِ رذیلہ معاشرے پر بڑے گہرے منفی اثرات چھوڑتی ہیں اور آخرت میں بھی ان کا انجام نہایت سخت ترین بتلایا گیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی طرف قیامت کے دن دیکھیں گے بھی نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا کسی کی طرف نہ دیکھنے کا مطلب آپ جانتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ناراضی، غصہ اور غضب ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

گزشتہ خطبہ جمعہ میں جن بری خصلتوں کا ذکر ہوا ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی ضرورت منداور پیاسے مسافر کو اپنی ضرورت سے زائد اور فالتو پانی دینے سے انکار کر دینا۔

اور ایک خصلت جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مال تجارت بیچنا، اور اسی طرح ایک بری خصلت کسی سے کوئی نیکی کر کے اس پر احسان جتلانا ہے۔

اسی طرح کئی ایک اور بھی بری خصلتیں ہیں جیسا کہ بڑھاپے کی عمر میں بدکاری کرنا، شراب کا رسیا ہونا، دیوث ہونا، عورت کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا وغیرہ۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)) ، ((شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ .)) [1]

''فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن سے ہم کلام ہوگا نہ ان کا تزکیہ کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے بلکہ ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ بوڑھا زانی، جھوٹا بادشا اور فقیر اور نادار متکبر۔''

سؤال یہ ہے کہ بدکاری ہر صورت میں ہر حال میں اور ہر عمر میں حرام اور قبیح و شنیع فعل ہے، پھر خصوصی طور پر بڑھاپے کی عمر میں ہی اس کو اس قدر سنگین جرم کیوں قرار دیا گیا؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جوانی میں اگر کوئی شخص اس برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو اگرچہ وہ بھی حرام کا مرتکب ہی ہوتا ہے مگر اس میں خفت یا اس کی سنگینی میں کمی کے کئی ایک اسباب ہوتے ہیں۔

---

[1] مسلم : ١٠٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جوانی کی عمر میں انسان کی تمام قوتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں، عقل پر جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، شیطان کے حملے شدید ہوتے ہیں، ماحول کا اور بری مجلسوں کا اثر ہوتا ہے، ہر طرف فتنے اور آزمائشیں ہوتی ہیں۔

تو انسان ان تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کر پاتا ان کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے، شکست کھا جاتا ہے۔ جبکہ بڑھاپے کی عمر میں پہنچ کر تجربات اور مشاہدات سے آدمی کی عقل پختہ ہو جاتی ہے، اس کے قول و فعل میں سنجیدگی آ جاتی ہے اس کے طرز عمل میں تحمل اور بردباری آ جاتی ہے، جذبات میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور ان پر عقل غالب ہو جاتی ہے جسمانی قوتیں مضمحل ہو چکی ہوتی ہیں، برائی کی طرف جانے والے راستے ایک ایک کر کے اس کے سامنے بند ہوتے چلے جاتے ہیں، لہٰذا اب بھی اگر وہ اس برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر اور اس کے انجام کو نظر انداز کرتے اور دین کا استخفاف کرتے ہوئے وہ خود برائی کے راستے تلاش کرتا ہے۔

اسی طرح جھوٹا بادشاہ ہے، اب جھوٹ بھی ہر حال میں منع اور حرام ہے، لیکن بادشاہ کے جھوٹ کو اس قدر سنگین کیوں قرار دیا گیا؟

اس لیے کہ عموماً انسان جھوٹ کسی مجبوری اور ڈر اور خوف کی وجہ سے بولتا ہے، مگر کسی بادشاہ کو تو کسی کا ڈر اور خوف نہیں ہوتا، کوئی مجبوری نہیں ہوتی مگر پھر بھی وہ جھوٹ بولتا ہے تو مطلب ہے کہ اس کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں، جھوٹ کو برائی نہیں سمجھتا اور جھوٹ سے بچنے کی کوشش ہی نہیں کرتا بلکہ شوق سے جھوٹ بولتا ہے۔

اسی طرح تیسرا شخص (عائل مستکبر) کوئی فقیر اور تنگ دست انسان تکبر کرتا ہو...... تکبر بھی ہر حال میں حرام ہے اور ہر شخص پر حرام ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ الا یہ کہ میدان جنگ میں متکبرانہ چال چلنا، اکڑ کر چلنا جائز اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے:

((وَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْقِتَالِ .)) ❶

''متکبرانہ چال جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ وہ ہے جو انسان میدان جنگ میں چلتا ہے۔''

تو تکبر ہر شخص کے لیے حرام ہے لیکن اگر کوئی فقیر اور مفلوک الحال شخص تکبر کرتا ہے تو وہ تکبر زیادہ سنگین ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے تکبر عموماً مال و دولت اور قوت و طاقت کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا امیر آدمی اگر تکبر کرتا ہے تو اگرچہ اس کا تکبر بھی حرام ہی ہوگا مگر اس کے تکبر کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے، جبکہ غریب آدمی کا تکبر جسے ہمارے معاشرے میں چوہڑے کی اکڑ، یعنی بھنگی کی اکڑ کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ تکبر کا کوئی سبب اور سامان تو ہے نہیں پھر کس بات پر اکڑ رہا ہے! یعنی اس کو تکبر زیب نہیں دیتا۔

اسی طرح کسی انسان کو بھی تکبر زیب نہیں دیتا کیونکہ انسان محتاج ہے اور ضرورت مند، محتاج اور فقیر ہو کر بھی تکبر کرے تو چوہڑے کی اکڑ ہی کہلائے گی۔ تو غریب آدمی کا تکبر کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے خبثِ باطنی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اسی طرح چند اور بری خصلتیں بھی حدیث میں بیان ہوئی ہیں جن کے معاشرے پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور عنداللہ بھی انہیں سنگین جرائم گردانا گیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن کی طرف دیکھے گا نہیں۔''

((الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ .))

''والدین کا نافرمان۔''

---

❶ مسند احمد، ج ٥، ص ٤٤٦، رقم: ٢٣٨٠٣ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ .))

''مردنما عورت۔''

((وَالدَّيُّوْثُ .))

''اور دیوث۔''

((وَثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ .))

''اور تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

((الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ .))

''والدین کا نافرمان۔''

((وَمُدْ مِنُ الْخَمْرِ .))

''اور شراب کا رسیا، نشے کا عادی۔''

((وَالْمَنَّانُ بِمَا اَعْطٰى .)) [1]

''اور کچھ دے کر، نیکی کر کے احسان جتلانے والا۔''

والدین کی نافرمانی کے بارے میں تو آپ نے پہلے بہت کچھ سنا ہوگا۔ کیونکہ خطبات جمعہ میں اور تقریروں میں اس موضوع کو اکثر بیان کیا جاتا ہے، اس لیے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں رہی۔

لہٰذا اس بارے میں صرف اتنا عرض کرنے پر ہی اکتفا کروں گا کہ اولاد پر والدین کے اتنے زیادہ حقوق شاید اس لیے رکھے گئے ہیں کہ والدین کے اولاد پر بہت زیادہ احسانات میں سے ایک سب سے بڑا احسان دنیا میں ان کے وجود کا ذریعہ بننا ہے۔

اور دوسرا بڑا احسان نہایت ہی پیار، محبت اور شفقت کے ساتھ انہیں بچپن میں پالنا ہے۔

والدین اپنی اولاد کو کس طرح پالتے پوستے ہیں، کس قدر ان سے پیار کرتے ہیں، اولاد

[1] النسائی : ٢٥٦٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کو نہیں سمجھ سکتی، صرف والدین ہی جانتے ہیں۔

بہت سے بچے اپنے والدین سے شکوہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آپ نے ہمارے لیے کیا کیا۔ وہ شاید اس بات کو والدین کی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ والدین ان کے لیے کوئی بہت بڑا بینک بیلنس چھوڑ کے جائیں یا انہیں کوئی چلتا ہوا بزنس دے کر جائیں۔

حالانکہ یہ بات عقلی طور پر والدین کی ذمہ داری بنتی ہے اور نہ شرعی طور پر۔ البتہ والدین کی یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ اولاد کے اچھے نام رکھیں اور اچھی تربیت کریں۔ اور اس سے بھی پہلے والد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ہونے والی اولاد کے لیے اچھی اور شریف ماں کا انتخاب کرے۔

اور جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے اس کا علم، عقل اور محنت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، لیکن پھر بھی مقدور بھر محنت اور کوشش کرنا ضروری ہے۔

والدین کی نافرمانی کے بعد دوسرا جو سنگین اور گھناؤنا جرم حدیث میں بیان ہوا ہے وہ ہے:

((اَلْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ .))

''مردنما عورت۔''

یعنی وہ عورت جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے، لباس میں، چال ڈھال میں، گفتگو میں، بود و باش میں اور رہن سہن میں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

حدیث میں ہے کہ

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ .))

''آپ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ .)) ❶

''اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت کرتی ہیں۔''

اسی طرح تیسری نہایت ہی مکروہ خصلت یہ بیان ہوئی کہ کسی مرد کا دیوث ہونا، اور دیوث کسے کہتے ہیں؟

((الَّذِیْ یُقِرُّ الْخُبْثَ فِیْ اَهْلِهٖ .)) ❷

''جو اپنے گھر والوں میں خباثت کا اقرار کرتا ہے، یعنی برائی دیکھ کر خاموش رہتا ہے۔''

یہاں خباثت سے مراد زنا اور اس کے مقدمات و شروعات ہیں، زنا کے مقدمات کیا ہوتے ہیں، ہر وہ کام جو آہستہ آہستہ انسان کو زنا تک پہنچا دے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس کی ابتداء بات چیت سے ہوتی ہے، پھر غیر محرم مرد وعورت کا آپس میں ہنس ہنس کے باتیں کرنا۔

آج ہمارے معاشرے میں ان چیزوں کو ماڈرن، براڈ مائنڈڈ، جدت پسند، ترقی یافتہ اور روشن خیال ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روشن خیالی نہیں بلکہ اندھیر نگری ہے، غیرت کا فقدان ہے، معاشرے کی تباہی و بربادی کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب ہے۔

غیرت کی ضرورت واہمیت اور اس کی تاکید وترغیب معلوم کرنا ہو تو قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں، غیرت کے نمونے دیکھنے ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔

شرم و حیاء اسلام کا شعار ہے، اور ہمارے اسلاف کی تہذیب ہے۔ اور غیرت مردانگی کی علامت ہے، مردانگی کا مطلب مرد ہونا نہیں بلکہ کچھ اوصاف کا نام مردانگی ہے، جن میں بہادری، سخاوت، گرفت کی قدرت رکھنے کے باوجود درگزر کرنا، اور غیر محرم عورت کو دیکھ کر

❶ بخاري : ٥٨٨٥ .

❷ مسند احمد، ج٢، ص ١٠٤، رقم : ٥٨١٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظریں نیچی کر لینا وغیرہ۔

اور یہ کوئی بہت پرانی بات بھی نہیں، ماضی قریب میں ہمارے معاشرے میں یہ شرم وحیا اور مردانگی اور غیرت موجود رہی ہے۔ جب اپنے محلے اور گاؤں کی بیٹی گلی بازار سے گزر رہی ہوتی تو آدمی نظریں نیچی کر کے اور سر جھکا کر گزر جاتے۔ مگر آج کا نوجوان دور سے آتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر بال سنوارنا شروع کر دیتا ہے اور جب وہ قریب آتی ہے تو گانا گنگناتے ہوئے گھور گھور کر دیکھنے لگتا ہے۔ اور سبب یہ ہے کہ غیرت کا فقدان ہے۔

غیرت صرف یہی نہیں ہے کہ اپنی عورتوں کو درندوں اور بھیڑیوں سے بچائیں بلکہ غیرت یہ بھی ہے کہ اپنی نظریں بھی نیچی رکھیں، یہی قرآن کا حکم ہے۔

تو دیوث کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس کے مفہوم میں یہ بات تو شامل ہے کہ آدمی اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کے گھر میں کون آتا اور کون جاتا ہے، بلکہ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کی بیٹی، بیوی، بہن اور ماں کا لباس کیسا ہے، وہ کس طرح کا لباس پہن کر باہر جاتی ہے اور کیوں جاتی ہے؟

اور یہ ان پر ناروا پابندی اور قدغن نہیں بلکہ ان کی عزت اور شرافت کی حفاظت ہے، ان کے مقام اور مرتبے کا اعتراف اور اہتمام ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں کچھ خودساختہ رشتوں کو متعارف کروا کے غیر محرم مرد وعورت کے میل جول کا جواز مہیا کیا جاتا ہے، کوئی بھائی بن جاتا ہے، کوئی بہن بن جاتی ہے۔ کوئی بھابی بن جاتی ہے۔

اسلام مرد کے سگے بھائی کو اس کی بیوی کے لیے موت قرار دیتا ہے، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: (اَرَأَيْتَ الْحَمْوَ) کہ آپ دیور کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا: ((اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ)) فرمایا: ''دیور موت ہے۔'' [1]

---

[1] بخاری: ۵۲۳۲.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے معاشرے میں کس قدر بگاڑ واقع ہو چکا ہے، آپ لوگ اس سے بے خبر نہیں ہیں، اپنے قرب و جوار سے حالات معلوم کرتے ہوں گے، ٹی وی اور اخبارات میں سنتے اور پڑھتے ہوں گے۔

آج امت مسلمہ میں کیسے کیسے گھناؤنے امور اور قابل نفرت چیزیں در آئی ہیں کہ کہتے اور سنتے بھی شرم آتی ہے، مگر آپ ﷺ نے ان سے پیشگی خبردار کر رکھا ہے تاکہ امت ان قبیح چیزوں سے باز رہے۔ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ اَتَی رَجُلًا اَوِ امْرَأَةً فِیْ دُبُرِهَا .)) ❶

''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھیں گے جس نے کسی مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کیے یا عورت کے پاس غیر فطری راستے سے آیا۔''

یہ کتنے قبیح افعال ہیں ہر فطرت سلیمہ رکھنے والا شخص ان کی قباحت و شناعت کو سمجھ سکتا ہے، ایسے گندے اور غلاظت بھرے اخلاق کا حامل شخص اس قدر انسانیت کے مقام سے اپنے آپ کو گرا لیتا ہے کہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ جانوروں میں بھی یہ غیر فطری فعل اور بدتمیزی یا بداخلاقی نہیں پائی جاتی۔

امت مسلمہ میں ایسے افعالِ شنیعہ کی پیشین گوئی آپ ﷺ نے فرما رکھی ہے، جب آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَتَسْلُکُنَّ سَنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَذْوَا النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) ❷

''تم ضرور گزشتہ قوموں کے طریقے پر چلو گے جیسے جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے۔''

مسلم معاشرے میں یہ بداخلاقیاں کہاں سے آئی ہیں یہ جاننا کوئی مشکل نہیں، مگر شاید کوئی جاننا نہیں چاہتا، یہ چیزیں آزادی کا تحفہ ہیں، آزادی جو ہم نے اپنے آپ کو دے رکھی

---

❶ مصنف ابن ابی شیبة، ج٤، ص ٢٥١، رقم: ١٧٠٧٠ .

❷ مستدرك الحاكم، ج١، ص ٢١٩، رقم: ٤٤٥ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے، اپنے بچوں کو دے رکھی ہے اپنے اہل خانہ کو دے رکھی ہے۔ اس بے راہ روی کا کون ذمہ دار ہے، ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں اپنی اپنی حیثیت میں اس کا جواب دہ ہوگا۔

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ .)) ❶

''تم میں سے ہر کوئی حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

باپ ہے، بھائی ہے، خاوند ہے، بیٹا ہے، جہاں جہاں کسی کی ذمہ داری بنتی ہے وہ خوب سمجھتا ہے اور اسے قیامت کے دن جواب دہ ہونا ہوگا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک صحابی جن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اجازت لے کر دوپہر کے وقت گھر جاتے، ایک دن دیکھا کہ بیوی دروازے پر کھڑی ہے، فوراً نیزہ سیدھا کیا، عورت نے کہا: ٹھہر جاؤ پہلے اندر جا کے تو دیکھ لو کہ میں باہر کیوں آئی ہوں وہ اندر گئے تو ایک اژدھا بستر پر دیکھا، انہوں نے اس سانپ کو نیزے پر اُٹھا لیا، سانپ تو مر گیا مگر ساتھ ہی وہ صحابی بھی فوت ہو گئے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((فَمَا يُدْرَى أَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعُ مَوْتًا الْحَيَّةُ اَمِ الْفَتَى .)) ❷

''یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان دونوں میں سے پہلے کون فوت ہوا سانپ یا وہ نوجوان۔''

واقعہ مشہور ہے پورا قصہ تو آپ نے سن رکھا ہوگا۔ اس میں سے جو بات معاشرے میں خرابی اور بگاڑ کے اسباب کے حوالے سے اس وقت یہاں ذکر کرنا مقصود تھی وہ یہ ہے کہ اس صحابی کی حیاء اور غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی بیوی گھر کے دروازے پر جا کر بھی کھڑی ہو۔ چہ جائیکہ وہ گھر سے باہر جائے اور مرد و زن کا اختلاط ہو، اور معاشرے کی خرابی کا سبب بنے۔

---

❶ بخاري : ٥٢٠٠ . ❷ مسلم : ٢٢٣٦ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رنج وغم کی حقیقت

﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔''

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی غم میں ضرور مبتلا ہوتا ہے، غم تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کیا ہوتا ہے! غم: رنج، دکھ، افسوس اور حزن و ملال کو کہتے ہیں، غم: دل میں پائی جانے والی گھٹن اور انقباض کو کہتے ہیں۔ اور شاید آپ جاننا چاہیں گے کہ یہ رنج، ملال، گھٹن اور انقباض کیوں ہوتا ہے؟

رنج وغم اور حزن وملال انسان کو دو طرح سے ہوتا ہے، ایک مستقبل میں متوقع کسی نقصان، ضرر، تکلیف اور پریشانی کے باعث، اور دوسرے کسی ایسی تکلیف، مصیبت، پریشانی اور آزمائش کے سبب جو ماضی میں آ چکی ہو۔

مستقبل میں کسی متوقع خطرے سے پہنچنے والی پریشانی کے لیے عربی میں الھم کا لفظ بولا جاتا ہے، اور ماضی میں کسی آئی ہوئی مصیبت پر رنجیدہ اور غمگین ہونے کو غم کہا جاتا ہے۔

یوں تو دنیا میں بے شمار غم ہیں ماضی کے حوالے سے بھی اور مستقبل کے اعتبار سے بھی، لیکن ہم اس وقت اس غم کے حوالے سے بات کرنا چاہیں گے جو مستقبل کے لحاظ سے ہے اور جسے الھم کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے مستقبل میں کسی چیز کی فکر اور پریشانی۔

کس کس چیز کے مستقبل کی انسان کو فکر ہو سکتی ہے، یقیناً بے شمار چیزیں ہیں، چند مشہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیزیں جن کے لیے انسان بہت فکر مند ہوتا ہے، وہ ہیں: مال و دولت کا حصول، شادی کی خواہش، اولاد کی طلب، کسی عہدہ ومنصب کا ارمان، اور اسی طرح اور بے شمار چیزیں ہیں جیسے گاڑیاں، کوٹھیاں کاروبار، نوکر چاکر، زرعی زمینیں وغیرہ۔

یہاں غم سے مراد کسی چیز کی دل میں سرسری سی خواہش پیدا ہونا نہیں ہے، بلکہ مستقبل کا غم وہ ہوتا ہے جس کی فکر انسان دل کو لگا لیتا ہے، جس کا غم دل میں ایسا بسا لیتا ہے کہ پھر انسان کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا اور دیگر تمام مصروفیات اسی غم کے گرد گھومتی ہیں، اسی تناظر میں ہوتی ہیں۔ ہم اگر اپنے اپنے بارے میں جاننا چاہیں کہ ہم کس کس غم میں مبتلا ہیں اور ہمارا نمبر وَن غم کون سا ہے، تو ہمیں اپنے آپ کو جاننے میں مدد مل سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اپنے آپ کو نہیں جانتے، وہ اپنی ظاہری وضع قطع سے ایک دھوکے میں ہیں، یا انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

تو ہم اگر جاننا چاہیں کہ ہماری اصلی شخصیت کیا ہے، ہمارا اندر کا انسان کیسا ہے، کن اوصاف کا حامل ہے تو ہمیں ایمانداری سے، نہایت سچائی کے ساتھ اس بات کا اقرار و اعتراف کرنا ہوگا کہ ہمارا نمبر وَن مسئلہ کون سا ہے، اور ہم نے دل میں کون سا غم پال رکھا ہے جو سرفہرست ہے۔

یہ جاننا کیوں ضروری ہے کہ ہم نے دل میں جو بے شمار غم بسا رکھے ہیں ان میں سے پہلے نمبر کا غم کون سا ہے؟

اس لیے کہ غموں کی ترتیب وار فہرست میں سے جو غم پہلے نمبر پر ہوتا ہے اسی کے مطابق انسان زندگی گزارتا ہے، اور اس کو باقی تمام غموں پر ترجیح دیتا ہے، اس کے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ کوششیں کرتا ہے۔ وہ غم تمام غموں پر غالب ہوتا ہے، وہ مقصد حاصل ہوا تو گویا سب کچھ حاصل ہوگیا، ایسا غم اور مقصد کہ جس پر تمام غموں کو قربان کیا جا سکے، مگر اس پر کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمپرومائز نہ ہو، وہی انسان کی اصلی شخصیت ہوتا ہے۔

تو ہمیں کون سا غم کھائے جا رہا ہے، ہمارا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ یہ سؤال ہماری سمت اور جہت متعین کرے گا اور ہماری شخصیت اور اصلیت کو عیاں کرے گا۔

تو آیئے جانتے ہیں کہ کیسے؟

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا ، هَمَّ آخِرَتِهِ ، كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ .))

''جس نے تمام غموں کو ایک غم میں سمو دیا، اپنی آخرت کے غم میں، اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے غموں میں کفایت کر دیتا ہے۔'' یعنی اسے دنیا کے غموں میں فکر مند، غمگین اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں رہتی اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے غموں کا مداوا کر دیتا ہے۔

((وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ أَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ .))

''اور دنیا کے احوال میں جس کے غم بکھرے پڑے ہوں، یعنی بہت سی خواہشات کے غم جس نے اپنے دل میں بسا رکھے ہوں۔''

((لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ)) [1]

''تو اللہ تعالیٰ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ ان میں سے کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔''

اب اس حدیث کی روشنی میں سؤال واضح ہوگیا ہوگا، اور ہمیں یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوگئی ہوگی کہ ہم نے اپنے دل و دماغ پر کون سا غم سوار کر رکھا ہے۔ لیکن شاید اس سے کسی کو کوئی

[1] ابن ماجة : ٢٥٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذہنی الجھاؤ بھی پیدا ہو گیا ہو، کوئی آدمی یوں سوچنے لگے کہ اس کا مطلب ہے کہ دنیا کے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں اور آخرت کی فکر میں گوشہ نشینی اور رہبانیت اختیار کر لیں؟

یقیناً نہیں! اسلام اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ اجازت دیتا ہے بلکہ اسلام تو حج کے دنوں میں بھی کاروبار دنیوی سے نہیں روکتا۔ قرآن کہتا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرة: ۱۹۸)

''اور حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

حضرت ابوامامہ التیمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((قَالَ كُنْتُ رَجُلًا اُكْرِي فِي هَذَا الْوَجْهِ، وَكَانَ نَاسٌ يَقُوْلُوْنَ لِيْ اِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ .))

کہ میں سفر میں کرائے کی سواریاں چلایا کرتا تھا تو بعض لوگوں نے مجھ سے کہا: تیرا حج نہیں ہے۔

((فَلَقِيْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدَالرَّحْمَنِ! اِنِّی رَجُلٌ اُكْرِی فِيْ هَذَا الْوَجْه، وَاِنَّ نَاسا يَقُوْلُوْنَ لِیْ اِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ .))

میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، میں نے پوچھا اے ابوعبدالرحمٰن! میں کرائے پر سواریاں چلاتا ہوں تو بعض لوگ کہتے ہیں تیرا حج نہیں ہے۔

((فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَلَيْسَ تُحْرِمُ وَتُلَبِّی وَتَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَ تُفِيْضُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَ تَرْمِی الْجِمَارَ؟ .))

تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم نے احرام نہیں باندھا، تلبیہ نہیں پڑھتے؟ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے ہو؟ عرفات سے نہیں لوٹتے ہو؟ اور جمرات کو کنکریاں نہیں مارتے ہو؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قریش مکہ جب حج کرتے تو عرفات تک نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی واپس لوٹ آتے تھے، کیونکہ منیٰ اور مزدلفہ تو حدود حرم میں داخل ہیں مگر عرفات حرم سے باہر ہے اس لیے وہ عرفات نہیں جاتے تھے مگر اسلام میں وقوف عرفہ حج کا بنیادی رکن ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (الحج عرفة) عرفہ حج ہے، لہٰذا جس نے وقوف عرفہ نہ کیا اس کا حج نہیں ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: کیا تو یہ سارے اعمال ادا نہیں کرتا؟

((قَالَ: قُلْتُ: بَلٰی))

''کہا: ہاں کیوں نہیں۔''

قَالَ: فَاِنَّ لَكَ حَجًّا))

''فرمایا: پھر تیرا حج صحیح ہے۔''

اور پھر فرمایا:

((جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَه عَنْ مِثْلِ مَا سَأَلْتَنِيْ عَنْهُ .))

ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے بھی وہی سوال کیا تھا جو تم نے کیا ہے۔

((فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يُجِبْهُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الآية)) [1]

تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور اس کو جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرة: ١٩٨)

''کہ حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو، یعنی تجارت کرو تو

[1] ابوداؤد: ١٧٣٣، البيهقي، ج٤، ص ٣٣٣، رقم: ٨٤٤٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی حرج نہیں۔“

تو اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دنیا سے کنارہ کش ہو کر آخرت کی فکر میں لگ جائیں، بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ترجیح فکر آخرت کو حاصل ہو، زندگی کا اولین اور سب سے اہم مسئلہ آخرت کا مسئلہ ہو اور جب فکرِ آخرت انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہوگا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انسان کی روزہ مرہ زندگی کا نقشہ کیا ہوگا۔ پھر وہ نیند پر نماز کو قربان نہیں کرے گا، کاروبار کو دین پر ترجیح نہیں دے گا، پھر وہ لاٹو، بیئر اور سود کے لیے دین کو نہیں بیچے گا۔ پھر وہ بے دین لوگوں کے ساتھ دوستی کا دم نہیں بھرے گا، اور دین بے زار عورت کے ساتھ شادی نہیں کرے گا، وہ اپنی بے دین اولاد اور بے دین بہن بھائیوں کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ نہیں کھولے گا۔ اس کا دین کے ساتھ تعلق اسے حق اور باطل میں، اچھے اور برے میں تفریق کرنے پر مجبور کر دے گا، پھر فیصلے صرف دین کی بنیاد پر ہوں گے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

کچھ فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ سو رہے تھے، وہ آپس میں باتیں کرنے لگے، کسی نے کہا کہ آپ سو رہے ہیں، کسی نے کہا کہ آپ کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل جاگ رہا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَنَامُ عَيْنَيَّ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي .)) [1]

”میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔“

اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے نیند سے بیدار ہونے پر وضو ضروری نہیں تھا۔

تو فرشتوں نے جو باتیں کیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

---

[1] بخاري: ٣٥٦٩.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((وَمُحَمَّدٌ ﷺ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ)) ❶

''اور محمد ﷺ نے لوگوں میں تفریق پیدا کر دی ہے۔''

یعنی مومن اور کافر میں، حق اور باطل میں۔ اب سب ایک ہی نہیں ہیں، بلکہ یا آدمی دین دار ہے یا نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے والا دھوکہ آدمی کو اس وقت لگتا ہے جب وہ سب کام بے دینی کے کرتا ہے ایک دو نمازیں پڑھ لیتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے کہ وہ دین دار ہے، مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جب تک دین اس کی ترجیح نہیں ہوگا وہ چاہے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نصیحتیں کرتا پھرے، دین دار نہیں ہوسکتا۔

دین جن کی ترجیح ہوتی ہے، ان کا معاملہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، ان کی زندگی عجیب ہوتی ہے، ان کی سوچ اور فکر صرف نماز روزے تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ غلبۂ دین تک پھیلی ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند دیگر صحابہ کے ساتھ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، فرمایا: (تَمَنَّوْا) کوئی خواہش کرو۔

((فَقَالَ اَحَدُهُمْ: أَتَمَنّٰى لَوْ اَنَّ هٰذِهِ الدَّارَ مَمْلُوْءَةٌ ذَهَبًا أُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .))

''ان میں سے ایک شخص نے کہا: میری خواہش ہے کہ اگر یہ گھر سونے سے بھرا ہوا ہو تو میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردوں۔''

((ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: تَمَنَّوْا .))

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''(کوئی اور) خواہش کرو۔''

((فَقَالَ رَجُلٌ آخَرَ: أَتَمَنّٰى لَوْ اَنَّهَا مَمْلُوْءَةٌ لُؤْلُؤًا وَزَبَرْجَدًا وَجَوْهَرًا أُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَتَصَدَّقُ بِهٖ .))

❶ بخاري: ٧٢٨١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”تو ایک دوسرے شخص نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اگر یہ گھر ہیرے جواہرات، موتی اور زمرد سے بھرا ہوا ہو تو میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کر دوں۔“

((ثُمَّ قَالَ تَمَنَّوْا))

”پھر فرمایا: خواہش کرو۔“

((فَقَالُوْا: مَا نَدْرِیْ مَا نَقُوْلُ یَا اَمِیْرَالْمُوْمِنِیْنَ! .))

انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہم نہیں جانتے ہم کیا کہیں؟

((فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ وَلٰکِنِّیْ اَتَمَنّٰی رِجَالاً مِثْلَ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمْ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ، فَاسْتَعْمِلُهُمْ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ .))[1]

”امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لیکن میری خواہش ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل ابو حذیفہ کے غلام سالم جیسے لوگ ہوں اللہ کی اطاعت میں ان سے کام لوں۔“

غلبۂ دین کی فکر، فہمِ دین اور نسبتِ دین کو ظاہر کرتی ہے، آج تبلیغ اسلام اور غلبۂ دین سے جس قدر ہم بے فکر، بے تعلق اور بے پروا ہیں، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہمارے جیسی سوچ اور طرز زندگی رکھتے ہوتے تو اسلام ہم تک کبھی نہ پہنچ پاتا۔

غلبۂ دین کے لیے انہوں نے کیا کوششیں کیں اور کیا قربانیاں دیں تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((تَعْلَمُوْنَ اَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ؟))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو میری امت کی کون سی جماعت سب سے

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري، ج١، ص ٥٤، رقم: ٢٠١.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پہلے جنت میں داخل ہوگی؟

قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ .

صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

فَقَالَ: فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ .

تو فرمایا: ہجرت کرنے والے فقراء:

يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى بَابِ الْجَنَّةِ يَسْتَفْتِحُوْنَ .

روز قیامت وہ جنت کے طرف آئیں گے اور دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

((فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ ، أَوَ قَدْ حُوْسِبْتُمْ؟))

انھیں دربان کہیں گے اور کیا تمھارا حساب ہو چکا؟

((فَيَقُوْلُوْنَ: بِأَيِّ شَيْءٍ نُحَاسَبُ ، وَإِنَّمَا كَانَتْ اَسْيَافُنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى مِتْنَا عَلَى ذٰلِكَ .))

”تو وہ کہیں گے ہم سے کس چیز کا حساب لیا جائے گا جبکہ ہماری تلواریں زندگی بھر ہمارے کندھوں پر رہیں، حتیٰ کہ ہمیں اسی حال پر موت آئی۔“

((قَالَ: فَتُفْتَحُ لَهُمْ .))

فرمایا: ”پس ان کے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا۔“

((فَيَقِيْلُوْنَ فِيْهَا اَرْبَعِيْنَ عَامًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَهَا النَّاسُ .))[1]

”تو وہ لوگوں کے داخل ہونے سے چالیس سال پہلے اس میں آرام کر رہے ہوں گے۔“

آج ہم میں ان کے نقش قدم پر کوئی چلنے والا نظر نہیں آتا، مسلم ممالک میں فری میسنری کے جگہ جگہ دفاتر اور روٹری کلب بنے ہوئے ہیں جن میں بے حیائی پھیلائی جاتی ہے اور دین

[1] شعب الایمان للبیهقی، ج٦، ص ١٢٠، رقم: ٣٩٥٥.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے بے زار کیا جاتا ہے۔مشنریز نے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک جال پھیلا رکھا ہے اور ہم حرام دولت سمیٹنے میں صبح وشام مصروف عمل ہیں۔فکرِ آخرت کو اپنی زندگی کا سب سے اہم اور اولین مسئلہ قرار دینے کے یقیناً دنیوی اور اخروی فوائد ہیں اور پسِ پشت ڈالنے کے شدید نقصانات ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

((مَنْ كَانَتِ الآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَه شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِي رَاغِمَةٌ .))

جس کی فکر اور غم آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا رکھ دیتا ہے، اس کا شیرازہ مجتمع کر دیتا ہے اور دنیا مجبور و بے بس ہو کر ذلیل ورسوا ہو کر اس کے پاس آتی ہے۔

((وَمَنْ كَانَت الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَلَهُ .)) [1]

''اور جس کی سوچ اور غم کا محور سراسر دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی فقیری کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیتا ہے اور اس کا شیرازہ منتشر کر دیتا ہے اور اسے دنیا بھی فقط اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔''

اور جب کوئی انسان آخرت کی فکر اور آخرت کا غم دل میں بسا لیتا ہے تو پھر اس کی دنیا بھی آسان ہو جاتی ہے، اور آخرت بھی آسان ہو جاتی ہے اور اس کے بہت سے حوالہ جات میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((فَإِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ

[1] ترمذي: ٢٤٦٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِی عَنْ نَفْسِ الْمُوْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَ تَہٗ .)) ❶

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں جو مجھے کسی مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں۔

مطلب یہ کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، لینا دینا، سننا بولنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی کے لیے ہوتا ہے اور اسی کے احکامات کے مطابق ہوتا ہے۔

---

❶ بخاری: ٦٥٠٢.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تخلیقِ انسان کا مقصد اور حکمت

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیئت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت بے شمار اور لاتعداد مخلوقات پیدا فرمائیں، ایسی کثیر تعداد میں کہ جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ٣١)

''اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنے اپنے انداز میں جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرما رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، اس کی عبادت کرتی ہے۔

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (الاسراء: ٤٤)

''اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات، زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، سب کی سب اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اور جیسا کہ حدیث میں ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى كَانَ بَيْنَ الْمَقَامِ وَزَمْزَمَ.

''جس رات آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا آپ ﷺ مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان تھے۔''

جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ، وَمِيْكَائِيْلُ عَنْ يَسَارِهٖ.

''آپ کے دائیں طرف جبریل اور بائیں طرف میکائیل علیہم السلام تھے۔''

((فَطَارَا بِهٖ حَتّٰى بَلَغَ السَّمَاوَاتِ السَّبْعَ.))

''وہ آپ کو ساتوں آسمان تک لے اڑے۔''

فَلَمَّا رَجَعَ، قَالَ: ((سَمِعْتُ تَسْبِيْحًا فِي السَّمَاوَاتِ الْعُلٰى مَعَ تَسْبِيْحٍ كَثِيْرٍ.))

''جب وہاں سے آپ لوٹے، تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح بھی سنی۔''

سَبَّحَتِ السَّمَاوَاتُ الْعُلٰى، مِنْ ذِي الْمَهَابَةِ، مُشْفِقَاتٍ لِذِي الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا، سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى، سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى. [1]

اسی طرح ایک حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ. [2]

''کہ کھانا کھاتے ہوئے ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ

فَتَنَاوَلَ النَّبِيُّ ﷺ سَبْعَ حَصَيَاتٍ أَوْ تِسْعَ حَصَيَاتٍ، فَسَبَّحْنَ

---

[1] المعجم الأوسط للطبرانی: ج٤، ص ١١١، رقم: ٣٧٤٢.

[2] بخاری: ٣٥٧٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِي يَدِهِ حَتَّى سُمِعَتْ لَهُنَّ حَنِينًا كَحَنِينِ النَّحْلِ . ❶

''آپ ﷺ نے سات یا نو سنگریزے ہاتھ میں لیے تو ان سے مکس کی بھنبھناہٹ کی طرح تسبیح کی آواز سنائی دی۔''

تو کائنات کی ہر چیز چاہے نباتات ہوں، جمادات ہوں، حجر ہوں، شجر ہوں، چاند اور ستارے ہوں زمین اور آسمان ہوں سب کے سب اپنے اپنے انداز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ

إِنَّ صَرِيْرَ الْبَابِ تَسْبِيْحُهُ ، وَخَرِيْرَ الْمَاءِ تَسْبِيْحُهُ .

''کہ دروازے کی چر چراہٹ اور پانی کی سرسراہٹ ان کی تسبیح ہے، یہ کوئی بے معنی آوازیں نہیں ہیں۔''

اور یقیناً ہر مخلوق اپنی تسبیح سے خوب آگاہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ﴾ (النور: ٤١)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾ (النور: ٤١)

''ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ خوب جانتا ہے۔''

تو غور کریں کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور لاتعداد مخلوقات ہمہ وقت اس کی مدح سرائی میں مگن اور تسبیح وتحمید میں مصروف اور عبادت گزاری میں مشغول ومستغرق نظر آتی ہیں مگر دوسری طرف اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے دو مخلوقات کو خصوصی طور پر اپنی عبادت کے

---

❶ مسند البزار، رقم: ٤٠٤٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے پیدا فرمایا ہے اور وہ ہیں جن وانس۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات : ٥٦)

''اور میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

تو اس میں آخر کیا حکمت ہے کہ ایک طرف ان گنت اور لاتعداد مخلوقات اس کی پہلے سے عبادت کر رہی ہیں، پھر ثقلین کو خصوصی طور پر اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو یقیناً خود اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، مگر جو ظاہری دلائل وقرائن سے بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ دیگر مخلوقات کا عبادت کرنا اختیاری نہیں بلکہ اجباری اور اضطراری ہے، جبکہ جن وانس کو عقل وتمیز عطا کر کے اور خالص ایک اللہ کی عبادت کا حکم دے کر، عبادت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا ہے کہ:

﴿فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف : ٢٩)

''جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔''

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ (الکہف : ٢٩)

''لیکن ہم نے انکار کرنے والے ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں، وہاں اگر وہ پانی مانگیں گے تو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، اور ان کا منہ بھون ڈالے گا، بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ ہے۔''

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (الکہف : ٣٠)

''بے شک وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضائع نہیں کیا کرتے۔“

تو ان دونوں عبادتوں میں ایک اجباری کہ جس میں عبادت سے انکار کا اختیار نہیں دیا گیا اور اختیاری کہ جس میں حق کو دلائل و براہین سے واضح کر کے، حق اور باطل میں، صحیح اور غلط میں فرق و تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کر کے، عبادت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، بہت فرق ہے۔

کیونکہ آزادی اور اختیار کوئی عام سی بات نہیں بلکہ یہ اک بہت بڑا امتحان اور بہت بڑی آزمائش ہے کہ اختیار دے کر دنیا کی لذتوں کو اور ممنوعات و محرمات کو پرکشش بنا دیا ہے اور دین کے تقاضوں کو نفس انسانی کے لیے گراں اور ناپسندیدہ بنا دیا ہے، اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عزوجل الْجَنَّةَ وَالنَّارَ اَرْسَلَ اِلَى الْجَنَّةِ جِبْرِيْلَ

جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کیا تو جبریل کو جنت کی طرف بھیجا۔

فَقَالَ: اُنْظُرْ اِلَيْهَا وَاِلَى مَا اَعْدَدْتُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا .

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنت اور اس میں جو کچھ جنتیوں کے لیے تیار کیا ہے اسے جا کر دیکھو۔

فَجَاءَ هَا جِبْرِيْلُ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ، ثُمَّ رَجَعَ .

پھر جبریل علیہ السلام وہاں آئے اور اسے دیکھا پھر واپس لوٹے۔

فقال: وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا .

اور فرمایا: تیری عزت کی قسم! جو بھی اس کے بارے میں سن لے گا اس میں ضرور داخل ہوگا۔

فَاَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ .

”پھر اللہ نے حکم دیا تو اسے ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَ: عُدْاِلَيْهَا ، فَانْظُرْ اِلَيْهَا .

پھر فرمایا: اب دوبارہ اسے جا کر دیکھو

فَرَجَعَ ، فَاِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ .

''وہ لوٹا تو وہ ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر دی گئی تھی۔''

فَرَجَعَ اِلَيْهِ ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ .

واپس لوٹے اور کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی داخل ہی نہیں ہوگا۔

ثُمَّ اَرْسَلَهٗ اِلَى النَّارِ .

پھر اسے جہنم کی طرف بھیجا۔

فَقَالَ اِذْهَبْ اِلَيْهَا ، فَانْظُرْ اِلَى مَا اَعْدَدْتُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا .

فرمایا: اب جہنم میں جہنمیوں کے لیے جو کچھ تیار کیا گیا ہے اسے دیکھو

فَذَهَبَ فَاِذَا هِيَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضًا .

وہ گئے تو اس کا بعض حصہ دوسرے پر چڑھ رہا ہے۔

فَرَجَعَ اِلَيْهِ ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا .

واپس پلٹے تو فرمایا: تیری عزت کی قسم! جو بھی اس کے متعلق سنے گا تو وہ اس میں داخل نہیں ہوگا۔

فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ .

حکم دیا تو وہ شہوات سے گھیر دی گئی۔

فَرَجَعَ اَلَيْهِ ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَنْجُوَ مِنْهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا . ❶

''واپس پلٹے اور کہنے لگے کہ تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی نہیں

❶ ترمذی : ۲۵٦۰ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بچ پائے گا مگر وہ اس میں داخل ہوگا۔"

یعنی جنت کو جانے کے جتنے راستے ہیں وہ نفسِ انسانی پر گراں گزرتے ہیں، اسے ناپسند ہیں، مثلاً دن بھر کی مشقت سے تھکا ہارا، سردی کے موسم میں نرم و گداز بستر پر لیٹے، گہری نیند میں مستغرق شخص کو جب فجر کی نماز کے لیے بیدار کیا جائے تو کیا وہ اٹھنا پسند کرے گا؟ اور نماز تو فجر کی ہو یا کوئی اور ویسے ہی اکثر لوگوں پر مشکل ہوتی ہے

﴿وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○﴾ (البقرة: ٤٥ ـ ٤٦)

"اور بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑی بات ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر۔ وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

مگر یقیناً ایسے خوش نصیب لوگ بھی موجود ہیں جو خوف اور امید کے ملے جلے جذبات میں فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن ایسے لوگ کتنے ہیں؟ فجر کی نماز میں ہی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

اور وہ کتنے ہیں جن پر فجر کی نماز گراں گزرتی ہے؟ جمعہ اور عیدین کی حاضری مائنس فجر کی حاضری۔

یعنی نماز جمعہ کے لیے اگر پانچ سو کے قریب حاضری ہوتی ہے اور فجر میں تقریباً بیس پچیس لوگ ہوتے ہیں، تو پانچ سو میں سے پچیس نکال لیجیے تو حدیث کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا کہ ((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ)) "جنت کو ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔"

اسی طرح (حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ) "جہنم کو خواہشات سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ خواہشاتِ نفس کی طرف لپکتا ہے، اور خواہشات یعنی ناجائز خواہشات، جہنم کے کنارے پڑی ہیں، ناجائز خواہشات کا شوق اور ان کے حصول کی خواہش انسان کو وہاں لے جاتی ہے کہ وہ وہیں ملتی ہیں۔

اور خواہشاتِ نفس کی فہرست بہت طویل ہے اور اس میں سے ہر ایک کی پسند دوسرے سے کہیں مختلف ہے، کہیں ایک جیسی ہے۔

تو جب انسان ان تمام آزمائشوں، فتنوں اور امتحانوں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کے راستے کو اختیار کرتا ہے تو پھر اس عبادت میں اور دیگر مخلوقات کی عبادت میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

جس پر دین کے احکام واوامر اور دین کے تقاضے گراں گزرتے ہیں اگر اسے اپنے نام کی حقیقت سمجھ میں آجائے، تو پھر دنیا کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور دین کی راہ میں ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔

انسان کے نام کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کا نام ہے عبد، اللہ تعالیٰ معبود ہے اور انسان عبد ہے۔

اور عبد کا معنی آپ جانتے ہیں: غلام۔ اور غلام کے پاس اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، انکار کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا عبد اور غلام ہے، اور جو شخص جس قدر عبودیت اور بندگی میں بڑھ کر ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہوگا۔ اور انسانوں میں انبیاء و رسل علیہم السلام سے بڑھ کر بندگی میں کوئی آگے نہیں ہے۔ اس لیے وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب ہوتے ہیں۔

انسان کا سب سے بڑا شرف اور اعزاز اس کا عبد ہونا ہے، انسان اس شرف کے حصول کے لیے جتنی بھی کوشش کرے کم ہے، اور اگر یہ اعزاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو تو اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں، اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ اس نسبت سے یوں تو عمومی طور تمام بندوں کو ہی مخاطب کرتے ہیں مگر خصوصی طور پر یہ اعزاز، یہ شرف اور یہ نسبت صرف انبیاء علیہم السلام کو ہی حاصل ہے۔

اور یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کے اقرار اور ایمان سے پہلے آپ ﷺ کی عبدیت کا اقرار واعتراف اور ایمان ضروری ٹھہرایا گیا۔

اور (اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے واقعہ اسراء اور معراج کا ذکر کرتے ہوئے بھی اس شرف کے ساتھ تذکرہ فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝﴾ (الاسراء: ۱)

''پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے عبد کو (اپنے بندے کو) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد اور ماحول کو اس نے برکت دے دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے، حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا۔''

تو عبد ہونا انسان کا سب سے بڑا شرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عام انسانوں کو جب عبد کی نسبت کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں تو وہ اللہ کی نہایت رحمت و مغفرت کا اشارہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝﴾ (الزمر: ۵۳)

''اے نبی! کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور رحیم ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں جو چند آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے سے سب سے زیادہ امید والی ہیں یہ ان میں سے ایک ہے۔

کسی نے ایک عالم سے دورانِ وعظ اس آیت کریمہ کے سب سے امید افزا آیت ہونے کا راز پوچھا، تو انہوں نے اس کے جواب میں دو شعر سنا دیئے، [1] جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ آیت امید افزا ترین آیات میں سے اس لیے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبدیت کی نسبت کے ساتھ مخاطب کیا ہے اور نسبت و تعلق کے حوالے سے لفظ عبد سب سے بلند ترین مرتبے پر فائز ہے، جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **روضة المحبين** میں محبت کے ساٹھ درجے بیان کیے ہیں، اور ان میں سے سب سے بلند ترین درجہ عبودیت بتلایا ہے۔

دنیا کی محبت جو ایک ناقص، ادھوری اور مصنوعی محبت ہوتی ہے اس میں جب انسان درجہ عبودیت پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے کسی ملامت کی پروا نہیں رہتی۔

ہمیں اگر اللہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور ہونا چاہیے کیونکہ یہ ایمان کی علامت اور اس کا تقاضا ہے بلکہ تمام محبتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے کہ

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

''ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔''

---

[1] اور وہ شعر یہ تھے:

وَهَانَ عَلَى اللَّوْمُ فِي جَنْبِ حُبِّهَا وَقَوْلُ الْأَعَادِي إِنَّهُ لَخَلِيعُ

''اس کی محبت پر ملامت اب میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، اور لوگوں کا ملامت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس نے تو شرم وحیا اتار پھینکی ہے، میرے لیے بے حیثیت ہے۔''

اَصَمُّ إِذَا نُوْدِيتُ بِاسْمِي وَإِنَّنِي إِذَا قِيلَ لِي يَا عَبْدَهَا لَسَمِيعُ

''اب میری حالت تو یہ ہے کہ جب کوئی میرا نام لے کر مجھے پکارتا ہے تو میں بہرا ہو جاتا ہوں، اور جب کوئی مجھے ''یا عبدھا'' (اے فلاں کے غلام) کہہ کر پکارتا ہے تو میں خوب سنتا ہوں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمیں اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت ہے؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں کسی کے طعنے اور ملامت کی پرواہ کرتے ہیں کہ کوئی ہمارا نام سن کر ہمارا لباس دیکھ کر ہماری وضع قطع دیکھ کر ہمیں کیا کہے گا۔ اور یہ کیسے پتا چلے گا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے یا نہیں؟

یوں تو ہر شخص اپنے بارے میں خوب جانتا ہے:

﴿بَلِ الْاِنسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ o وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ o﴾

(القيامة : ١٤ ـ ١٥)

بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بہانے پیش کرے۔

مگر پھر بھی یاد دہانی کے لیے جاننے میں کیا حرج ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کا معیار مقرر فرما رکھا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o﴾ (آل عمران : ٣١)

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے محبت کا یہ قاعدہ اور اصول یاد رکھیے اور یہ اصول بھی یاد رکھیے کہ جو جتنا زیادہ اپنے محبوب کے سامنے حقیر بن کر پیش ہوگا۔ اتنا ہی محبت میں سچا ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سب سے نیچا انسان جو کسی کے سامنے ہوتا ہے تو وہ یوں کہ اس کے پاؤں میں گر پڑتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تذلل کی انتہاء بھی سجدے کی صورت میں ہوتی ہے۔

چنانچہ اس حالت کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ”اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوشگوار زندگی کے چند اُصول

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ o﴾

(الانعام: ۱۶۱ ـ ۱۶۳)

دنیا کی یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی اک بہت بڑی نعمت ہے، یہ زندگی بہت میٹھی، بہت رنگین، بہت خوبصورت اور بہت پر کشش ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ اک بہت بڑا امتحان بھی ہے۔ اتنا بڑا کہ اس کے امتحان کے لیے زندگی کے اوقات میں سے کوئی وقت مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ ساری کی ساری زندگی ہی امتحان بنا دی گئی ہے اس کا ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ امتحان ہے۔ حتیٰ کہ موت بھی امتحان ہے:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

(الملك: ۲)

”اللہ کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ .))

”دنیا میٹھی اور سبز ہے۔“

((وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ .)) [1]

”اور اللہ تعالیٰ تمہیں گزری ہوئی قوموں کا جانشین بنانے والا ہے تا کہ دیکھے کہ تم

---

[1] مسلم: ۲۷۴۲.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کیسے عمل کرتے ہو۔‘‘

زندگی امتحان ہے، یہ تو سب جانتے ہیں مگر موت کیسے امتحان ہوتی ہے! شاید اکثر لوگ اس کو نہ سمجھتے ہوں۔

موت اک حقیقت ہے، زندگی کے امتحان میں کامیابی سے گزرنے کے لیے موت کو یاد رکھنا ضروری ہے، تو موت کو یاد رکھنا اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنا اک امتحان ہے اور موت کی حقیقت کو نظر انداز کرنا اور فراموش کر دینا امتحان میں ناکامی کا باعث اور سبب ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت لامحالہ ہے ہر ایک کو اس سے گزرنا ہے۔

اور زندگی اور موت دونوں کا اللہ کے لیے ہونا مطلوب ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ مطلوب ہے کہ انسان اپنے رب کی بندگی کے لیے ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی قربان کر دینے سے دریغ نہ کرے۔ مگر موت فطری طور پر انسان کو ناپسند ہے، اور جب اللہ کی راہ میں زندگی قربان کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کچھ لوگوں پر گراں گزرتی ہے یہ بات۔

﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ (محمد: ٢٠ ـ ٢١)

’’اور جب ایک محکم سورت نازل کر دی گئی کہ جس میں قتال کا ذکر تھا تو آپ نے دیکھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کے خوف سے غشی طاری ہوگئی ہو تو ان کے لیے بہتر ہے حکم ماننا اور اچھی بات کہنا پھر جب حکم لازم ہو جائے تو اگر وہ سچے رہیں اللہ سے تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوگا۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی حقیقت کیا ہے اور زندگی کیسے گزارنی چاہیے، لوگ اس سے لاعلم و بے خبر بھی ہیں اور بے پروا و بے فکر بھی۔ بہت سے لوگ زندگی کی حقیقت صرف اتنی سمجھتے ہیں، جیسا کہ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے کہا تھا:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست☆

''بابر بس حصول عیش کی سعی و جہد میں لگا رہ کہ دنیا دوبارہ نہیں ہے۔''

اور کچھ لوگ زندگی کا مقصد بس یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں کوئی بڑا کام کر کے نام پیدا کیا جائے، جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لوگ ہمیشہ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لیے کام میں لائیں، لیکن نہیں جانتے کہ یہاں سب سے بڑا کام خود زندگی ہوئی۔''

تو اصل کام زندگی گزارنا ہے، اور زندگی کیسے گزاری جائے؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ ایک مکمل نظام دیا ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔

اسلام زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، طریقہ بتاتا ہے، اسلام کے مطابق زندگی گزاری جائے تو اطمینانِ نفس ملتا ہے اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے اور معاشرے میں امن وامان پیدا ہوتا ہے۔

تو زندگی کیسے گزاری جانی چاہیے، یعنی زندگی کیسے خوشگوار، پرسکون، پرامن، بے خوف بے تکلف اور سادہ بنائی جاسکتی ہے؟

یوں تو ہر لحاظ سے اچھی اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے، جسے قرآن پاک نے حیات طیبہ کے نام سے تعبیر کیا ہے، مکمل طور پر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اور یقینی طور پر اسلام کے بنیادی مطالبات کو بائی پاس نہیں کیا جاسکتا۔

☆ نو روز و نو بہار و مے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کہ عالم دوبارہ نیست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ چند باتیں ایسی ضرور ہیں کہ جن میں خصوصی توجہ دینے سے اوران پر عمل پیرا ہونے سے بہت سی پریشانیوں سے بچا جا سکتا ہے اور ایک مثالی اور خوشگوار زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔

اس کا مطلب یقیناً یہ نہیں کہ پھر اس پر کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی نہیں آئے گی اور اسے ہر گز کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کو ایسا ڈیزائن ہی نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾ (البلد: ٤)

''یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔''

اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھانے کے بعد فرمائی۔

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد: ١ ـ ٢)

''نہیں! میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور حال یہ ہے کہ اے نبی آپ اس شہر کے مکین ہیں۔''

﴿وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ﴾ (البلد: ٣)

''اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اس کی اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی۔'' (یعنی آدم اور اولادِ آدم علیہ السلام کی)

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾ (البلد: ٤)

''یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔''

اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے کہ انسان رحمِ مادر کے وقت سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک قدم قدم پر تکلیف اور مشقت میں رہتا ہے۔

اس دنیا میں انسان کو جن مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس کی متعدد انواع واقسام ہیں، وہ مصیبتیں اور پریشانیاں قدرتی آفات کی صورت میں ہوتی ہیں کبھی اعزاء واقارب میں سے کسی قریبی اور عزیز کی موت کے صدمے کی صورت میں، کبھی بیماری اور حوادث کی شکل میں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کبھی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کی شکل میں اور کبھی اپنی ہی جنس کے لوگوں کی طرف سے آپس کے اختلافات، رسّا کشی، کھینچا تانی، کشیدگی اور اندرونی اور بیرونی معاملات میں تناؤ کی صورت میں، وہ قریب کے ہوں یا بعید کے۔

اگر صرف اس ایک قسم کو ہی لیں کہ انسانوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور پریشانی کی مشقت کو تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے بھی کسی بھی صورت میں نہیں بچا جا سکتا۔

امام ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَجَدْتُ بِخَطِ شَيْخِنَا ، ابْنُ قُنْدُسٍ ، کہ میں نے اپنے شیخ ابن قندس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی کہ:

اَنَّ اَبَا جَعْفَرِ الْهَرَوِيّ قَالَ:

''ابوجعفر الہروی کہتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ حَاتِمِ الْاَصَمِّ وَقَدْ اَرَادَ الْحَجَّ .

''میں امام حاتم الاصم رحمہ اللہ کے ساتھ تھا کہ وہ حج کے لیے عازمِ سفر تھے۔''

فَلَمَّا وَصَلَ بَغْدَادَ ، قَالَ لِيْ: يَا اَبَا جَعْفَرٍ ! اُحِبُّ اَنْ اَلْقَى اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ .

''جب بغداد پہنچے تو فرمانے لگے: اے ابوجعفر! میں احمد بن حنبل سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

فَسَأَلْنَا عَنْ مَنْزِلِهٖ وَمَضَيْنَا اِلَيْهِ .

''ہم نے ان کے گھر کا پتہ پوچھا اور اس طرف چل دیے۔''

فَطَرَقْتُ عَلَى اَحْمَدَ الْبَابَ .

''میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔''

فَلَمَّا خَرَجَ ، قُلْتُ يَا اَبَا عَبْدَاللّٰهِ! اَخُوْكَ حَاتِمٌ .

''جب وہ باہر تشریف لائے، تو میں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! یہ آپ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھائی حاتم الاصم ہیں۔"

قَالَ: فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وَ رَحَّبَ بِهٖ .

"انہوں نے ان کو سلام کہا اور خوش آمدید کہا۔"

وَقَالَ لَهٗ: بَعْدَ بَشَاشَتِهٖ: فِيْمَ التَّخَلُّصَ مِنَ النَّاسِ يَا حَاتِمُ؟

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خوشی اور بشاشت بھرے خیر مقدمی الفاظ اور کلمات کے بعد ان سے کہا:

فِيْمَ التَّخَلُّصَ مِنَ النَّاسِ يَا حَاتِمُ؟

"اے حاتم! لوگوں کی اذیت سے کس طرح چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے؟

قَالَ يَا اَحْمَدُ فِيْ ثَلَاثِ خِصَالٍ .

"کہا: اے احمد! تین صفتوں اور خوبیوں کے ذریعے۔"

قَالَ: وَمَاهُنَّ؟

"کہا اور وہ کیا ہیں؟"

قَالَ بِأَنْ تُعْطِيَهُمْ مَالَكَ ، وَلَا تَاْخُذُ مِنْ مَالِهِمْ شَيْئًا .

"کہا: ایک یہ کہ تم اپنا مال لوگوں کو دو، مگر ان کے مال میں سے کچھ نہ لو۔"

وَتَقْضِي حُقُوْقَهُمْ ، وَلَا تَسْتَقْضِيْ اَحَدًا مِنْهُمْ حَقًّا لَكَ .

"اور دوسرے یہ کہ لوگوں کو ان کے حقوق ادا کرو، مگر اپنا حق ان میں سے کسی سے نہ مانگو۔"

وَتَحَمَّلَ مَكْرُوْهَهُمْ ، وَلَا تُكْرِهَ اَحَدًا مِنْهم عَلَى شَيْءٍ .

"اور تیسرے یہ کہ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور سختی کو برداشت کرو، اور خود ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔"

فَأَطْرَقَ اَحْمَدُ ، فَنَكَتَ بِاِصْبَعِهِ الْاَرْضَ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو امام احمد رحمہ اللہ یہ سن کر خاموش ہو گئے، اور انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچنے لگے یعنی سوچ میں ڈوب گئے۔

ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ .

''پھر سر اٹھایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

يَا حَاتِمُ! اِنَّهَا لَشَدِيْدَةٌ ، اِنَّهَا لَشَدِيْدَةٌ!

''اے حاتم! یہ تو بہت سخت معاملہ ہے، یہ تو بہت سخت ہے۔''

فَقَالَ حَاتِمٌ:

تو امام حاتم فرمانے لگے:

وَلَيْتَكَ تَسْلَمُ ، وَلَيْتَكَ تَسْلَمُ ، وَلَيْتَكَ تَسْلَمُ . [1]

اور کاش تم پھر بھی بچ جاؤ، کاش تم پھر بھی بچ جاؤ، کاش تم پھر بھی بچ جاؤ۔''

یعنی کاش یہ تین مشکل ترین کام انجام دینے کے بعد بھی تم بچ سکو۔

یہ دنیا کا مزاج ہے، اس سے کسی شخص کو کسی صورت مفر نہیں ہے۔

تو سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یہ دنیا پھولوں کی سیج نہیں ہے، یہاں دنیا کا کوئی بھی شخص تکلیفوں، پریشانیوں اور مصیبتوں سے نہیں بچ سکتا، فرق صرف اتنا ہے کہ لوگوں کی پریشانیاں عموماً ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے اصول:

تو اب آیئے چند ایسے موٹے موٹے اصولوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر ان پر خصوصی توجہ دی جائے تو زندگی تمام تر مشکلات کے باوجود آسان ہو جاتی ہے اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

ان میں سے سب سے پہلی چیز ہے صبر۔ صبر کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ معاملہ دنیا کا

[1] کتاب، مراقی الجنان بالسخاء وقضاء حوائج الاخوان/ لابن عبدالهادی .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو یا آخرت کا، اس میں صبر درکار ہوتا ہے، یوں تو صبر کا موضوع اک مستقل اور طویل موضوع ہے، تاہم اس سلسلے میں ایک دو باتیں عرض کرتا چلوں۔

صبر کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے لگایئے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ (العصر: ۱۔۳)

”زمانے کی قسم! انسان یقیناً خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ کہ کامیابی کے لیے جن چار مستقل صفات کا انسان میں پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

ظاہر بات ہے جب وہ دوسرے کو صبر کی تلقین کرے گا تو خود بھی صبر کا دامن تھامے ہوئے ہوگا۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر صبر کے فوائد اور اس کی ضرورت و اہمیت اور اس کی فضیلت کا ذکر یوں فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

(حم السجدة: ۳٤)

”نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔“

﴿فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝﴾

(حم السجدة: ۳٤)

”تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ گویا کہ جگری

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دوست بن گیا ہے۔‘‘

﴿وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾

(حم السجدة: ٣٥)

’’اور یہ صفت انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے صرف وہی حاصل کر پاتا ہے جو بڑے نصیب والا ہو۔‘‘

❀ خوشگوار زندگی کے اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ زبان کا صحیح استعمال ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا النَّجَاةُ؟)

کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز نجات کا باعث ہے؟ اصل نجات اور کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخہ تجویز فرمایا وہ دونوں کامیابیوں کے لیے یکساں مفید اور ضروری ہے۔ فرمایا:

((اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ .)) ❶

’’اپنی زبان کو روک لو، اپنے گھر میں رہو، اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ۔‘‘

زبان پر ضبط اور کنٹرول کتنا ضروری ہے، اس کی تفصیل احادیث میں بہت بیان ہوئی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ .)) ❷

’’جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔‘‘

اب جو اس قاعدے پر عمل پیرا ہوگا کیا اسے دنیا یا آخرت میں اپنی زبان کی وجہ سے کوئی خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے، کیا اسے زبان کے استعمال کی وجہ سے کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ سکتا

❶ ترمذي: ٢٤٠٦.
❷ بخاري: ٦٠١٨.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ ہرگز نہیں۔

دوسری بات ارشاد فرمائی: ((وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ)) تمہارا گھر تمہارے لیے کافی ہو، یعنی بغیر اشد ضرورت کے گھر سے نہ نکلو۔

یہ حکم اصل میں فتنوں کے دور کے لیے ہے، جیسا کہ آج کل بھی قریب قریب فتنوں کا دور ہی ہے۔ اور فتنوں کے دور میں کہ جب ہر طرف فتنے سر اٹھائے کھڑے اپنے شکار کا انتظار کر رہے ہوں، اس وقت لوگوں کی اصلاح کی فکر چھوڑ کر اپنا ایمان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ عام حالات میں حکم یہی ہے کہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہو انہیں نصیحت وموعظت کرتے رہو اور ان کی خیر خواہی کے لیے کوشاں رہو۔ اور گھل مل کر رہنے کی یوں ترغیب دی، فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ ، وَيَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى اَذَاهُمْ .))[1]

”وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیفیں سہتا ہے، اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیفیں نہیں سہتا۔“

مگر فتنوں کے دور میں لوگوں سے دور، کنارہ کش ہو کر رہنے کا حکم ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَيْفَ بِكُمْ وبِزَمَان اَوْ يُوْشِكُ اَنْ يَاْتِيَ زَمَانٌ ، يُغَرْبَلُ النَّاسُ فِيْهِ غَرْبَلَةً ، وَيَبْقٰى حُثَالَةٌ مِنَ النَّاسِ ، قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ ، فَاخْتَلَفُوْا فَكَانُوْا هٰكَذَا ، وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ .))

”فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب ایسا وقت آئے گا کہ نیک لوگ چھان کر برے لوگوں سے الگ کر دیے جائیں گے، ان کے وعدے اور امانت داریاں خلط ملط ہو جائیں گی، انہیں وعدوں کا پاس نہیں رہے گا اور امانتوں میں خیانت کی پروا

[1] ابن ماجة : ٤٠٣٢ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوگی۔ اور لوگوں میں بس اک بھوسا ہی رہ جائے گا، اور برے لوگ آپس میں یوں گھل مل جائیں گے اور پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر دکھائیں۔"

قَالُوْا: كَيْفَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ .

عرض کیا اگر ایسا وقت آجائے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

قَالَ: ((تَاْخُذُوْنَ مَا تَعْرِفُوْنَ .))

"فرمایا جسے صحیح سمجھو اس پر عمل کرنا۔"

((وَتَذَرُوْنَ مَا تُنْكِرُوْنَ)) .

"اور جسے برا سمجھو اسے چھوڑ دینا۔"

((وَتُقْبِلُوْنَ عَلٰى اَمْرِ خَاصَّتِكُمْ ، وَتَذَرُوْنَ اَمْرَ عَامَّتِكُمْ .))[1]

"اور تم اپنے خاص خاص لوگوں کے پاس چلے آنا، اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔"

اور تیسری چیز فرمائی:

((وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ .))

"اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ۔"

حقیقت یہ ہے کہ جسے حساب کی فکر لاحق ہو جائے وہ دنیا کے کسی معاملے میں بھی کوئی بے راہ روی اختیار نہیں کرتا، اس کے تمام معاملات صاف اور شفاف ہوں گے، اسے دنیا کی کشش اپنا شکار نہ بنا سکے گی۔

یہ تھے خوشگوار زندگی کے چند اصول، کچھ مزید ان شاءاللہ اگلے خطبہ جمعہ میں عرض کریں گے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

---

[1] ابوداؤد: ٤٣٤٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○﴾ (الانعام: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

''کہو! میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والوں میں ہوں۔''

گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں بات ہو رہی تھی کہ زندگی کے بارے میں لوگوں کی غالب اکثریت بڑے دھوکے میں ہے، کچھ تو اس کی کشش اور رنگینی میں کھو کر مقصد زیست بھلا بیٹھے ہیں، اور اب وہ اسے عیش و مستی میں گزارنا چاہتے ہیں، کوئی اس میں بڑے بڑے کام کر کے دکھانا چاہتا ہے تاکہ دنیا میں اس کا نام رہے اور تاریخ اس کو یاد رکھے اور کچھ زندگی یوں گزار دیتے ہیں کہ بس زندہ رہنے کے لیے جو کچھ ان سے بن پڑے، جو تگ و دو اور محنت و مشقت وہ کر سکتے ہوں کرتے چلے جاتے ہیں، اس سے زیادہ ان کے نزدیک زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، جبکہ حقیقت میں زندگی گزارنا اصل کام، بہت بڑا کام اور بہت بڑا امتحان ہے۔

مگر زندگی گزارنے کا مطلب زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے، کام کرنے اور بود و باش اختیار کرنے کے لیے سعی و جہد کرنا نہیں، بلکہ زندگی گزارنا اپنے وسیع تر معنوں میں مراد ہے۔

اور وہ یہ کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ضابطے، اصل اور قاعدے کے مطابق ہو، وہ زندگی صاف ستھری، پر امن، پاکیزہ اور خوشگوار ہو، جسے قرآن پاک حیات طیبہ کے نام سے موسوم کرتا ہے، اور ایسی زندگی اپنے آپ کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال دینے سے حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔

مگر گزشتہ خطبہ جمعہ میں جو باتیں عرض کی گئیں اور آج جن باتوں کا تذکرہ مقصود ہے وہ زندگی گزارنے کے اک مخصوص پہلو سے متعلق ہیں اور وہ یہ کہ زندگی میں پیش آنے والی پریشانیوں، مصیبتوں اور دشواریوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نبرد آزما ہونا اور مسائل کا حل خوشگوار مناسب اور موزوں طریقے اور ڈھنگ سے چاہنا۔ اور شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط نیز سلیقے اور آداب اختیار کرنا تاکہ خوشگوار، پرسکون، پرامن اور پاکیزہ زندگی گزاری جاسکے۔

اس سے پہلے کہ ہم زندگی میں پیش آنے والے چیدہ چیدہ مسائل کا ذکر کریں اور ان کا حل جاننے کی کوشش کریں، اس حقیقت کو ایک بار پھر ذہن نشین کرلیں کہ یہ دنیا پریشانیوں کا گھر ہے اور ان سے کسی کو مفر نہیں، ہر شخص کو زندگی میں بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نوعیت مختلف ہوسکتی ہے، بلکہ کچھ پریشانیاں تو ایسی ہیں کہ شعوری عمر کو پہنچنے والے ہر شخص کو ان سے لامحالہ گزرنا پڑتا ہے جیسا کہ کسی قریبی عزیز رشتہ دار کی موت کی مصیبت اور پریشانی، یا دور کے رشتہ دار کی، یا دوست یا پڑوسی کی موت کی تکلیف۔

قرآن پاک نے کسی کی وفات سے پہنچنے والی تکلیف کو مصیبت کہا ہے:

﴿فَاَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةُ الۡمَوۡتِ﴾ (المائدۃ: ١٠٦)

''پھر تمھیں موت کی مصیبت پیش آجائے۔''

اور وہ مصیبت فوت ہونے والے کے لیے نہیں بلکہ اس کے لواحقین کے لیے۔ اس کے دوست واحباب اور چاہنے والوں کے لیے ہوتی ہے کہ فوت ہونے والے کی جدائی کا غم ان پر مصیبت کا پہاڑ بن کر گرتا ہے، ہاں موت فوت ہونے والے ایسے اشخاص کے لیے بھی مصیبت ہوتی ہے جنھوں نے زندگی خواہشات کی پیروی اور بے راہ روی میں گزاری ہو، مگر راہ راست پر چلنے والے شخص کے لیے وہ موت مصیبت نہیں بلکہ راحت کا ساماں ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو کلی طور پر مصیبتوں سے بچنا اس دنیا میں کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، ہم جو بات اس گفتگو میں جاننا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مصیبتوں کا سامنا کیسے کرنا ہے، مصیبت پڑنے پر آدمی کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ الجھی ہوئی ڈور کو سلجھایا کیسے جائے، سرا کیسے ڈھونڈا جائے۔

کیونکہ اکثر لوگوں کے ساتھ ایسے ہوتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے یا جب کوئی اذیت پہنچتی ہے تو ان کا ذہن ماؤوف ہو جاتا ہے، دماغ کام چھوڑ دیتا ہے، عموماً لوگوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، حواس باختہ ہو جاتے ہیں، ہوش اڑ جاتے ہیں لہٰذا قوت فیصلہ متاثر ہو جاتی ہے۔

تو ایسی صورت میں سب سے پہلے ضرورت ہوتی ہے اپنے ہوش وحواس درست رکھنے کی، دل جمعی پیدا کرنے کی، پر سکون رہنے کی اور خاطر جمع رکھنے کی، کیونکہ اگر ہوش وحواس قائم نہ رہیں تو آدمی کو مسائل سے نمٹنے کی کوئی مثبت ترکیب نہیں سوجھتی، بلکہ وہ جذبات کے دوش پر سوار ہوتا ہے۔

تو خیر تمہید کو سمیٹتے ہوئے اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

کسی بھی مصیبت، تکلیف اور پریشانی کے آنے پر سب سے پہلا کام جو کسی بھی مسلمان کو کرنا ہوتا ہے، وہ ہے: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ۝﴾ کہنا۔ اور یہ شرعی حکم ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَبَشِّرِ الصَّٰبِرِينَ۝﴾ (البقرة: ١٥٥)

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔"

﴿الَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ۝﴾ (البقرة: ١٥٦)

"جو خوف وخطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے کی آزمائش پر صبر کرتے ہیں اور کسی بھی مصیبت کے آنے پر انا للہ وانا الیہ راجعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں۔'' جس کا معنی ہے کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔

یہ الفاظ چند حروف پر مشتمل محض ایک جملہ ہی نہیں کہ زبان سے ادا کر دیا جائے اور بس۔ بلکہ حقیقت میں اک عقیدے کا اقرار اور اظہار ہے۔ اور عقیدے کا تعلق دل سے ہوتا ہے، یعنی دل میں کسی چیز پر پختہ یقین اور ایمان ہونے کا نام عقیدہ ہے کہ دل میں کسی بات کے اقرار واعتراف اور ایمان کی گرہ باندھ لی جائے، اور دل میں اس عقیدے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی ان الفاظ کے ساتھ اس کا اظہار کیا جائے۔ تو اس عقیدے کے اقرار واظہار سے انسان کو دلی سکون اور طمانینت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿أُولَـٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَأُولَـٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُونَ﴾ (البقرة: ١٥٧)

''ان پر ان کے رب کی طرف سے عنایتیں اور نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

آپ جانتے ہیں کہ کسی مصیبت اور نقصان کے وقت آدمی کو کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے! تسلی اور تشفی کی، چنانچہ کسی کی وفات پر پسماندگان سے تعزیت کی جاتی ہے جو کہ اسے تسلی اور تشفی دینا ہوتا ہے، وہ جو شدت غم سے نڈھال ہو رہے ہوتے ہیں ان کو پُرسا دینا ہوتا ہے، ان کا حوصلہ بڑھانا اور ہمت بندھانا ہوتا ہے۔

اور انسان جو کسی انسان کو پرسا دے رہا ہوتا ہے، تسلی اور تشفی دے رہا ہوتا ہے تو وہ محض ہمدردی اور خیر خواہی کے چند الفاظ سے اس کو تسلی دے رہا ہوتا ہے، حقیقی تسلی اور تشفی اور طمانینت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے کہ وہ اس پر اپنی عنایتیں اور رحمتیں نازل فرماتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بندہ دل کی گہرائیوں سے اس عقیدے کا اقرار کرے اور زبان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان الفاظ کے ساتھ اس کا اظہار کرے کہ:

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

''یقیناً ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔''

اور احادیث میں بھی اس حقیقی تسلی اور تشفی کی نوید سنائی گئی ہے۔

حدیث میں ہے، ام المومنین، ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهٗ مُصِيْبَةٌ، فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِي، فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ، خَيْرًا مِنْهَا، اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِنْهَا.))

کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے'' جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ وہ الفاظ کہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے اور وہ ہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون، اور ساتھ یہ دعا کہے: اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِي فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا، ''اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر اور ثواب دے اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں۔''

((قالت: فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ: اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِيْ سَلَمَةَ؟ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اِنِّيْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ: فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيَّ حَاطِبَ بْنَ اَبِيْ بَلْتَعَةَ يَخْطُبُنِيْ لَهٗ.

قُلْتُ: اِنَّ لِيْ بِنْتًا وَاَنَا غَيُوْرٌ.))

فرماتی ہیں: جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا: ابوسلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ اس لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کا پہلا گھر تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی، پھر میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ کو شوہر بنا دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو پیغامِ نکاح دے کر بھیجا، میں نے کہا: میری ایک بیٹی ہے اور مجھ میں غیرت ہے۔

یہاں غیرت سے مراد اک شریف اور وفا شعار بیوی کی فطری خوبی اور صفت ہے کہ وہ ایک ایسے خاوند کے بعد جو اس کی نظروں میں سب سے اچھا انسان ہو کہ اس کا کوئی ثانی نہ ہو، اور اس کے گزرے ہوئے دنوں کی اچھی یادیں اسے افسردہ کر جاتی ہوں تو وہ دوسری شادی کرنے کو اس سے بے وفائی سمجھتی ہیں۔ اور وہ غیرت ضرورت سے زیادہ ہو اس کے بس کی بات نہ ہو۔

فَقَالَ: ((اَمَّا ابْنَتُهَا فَنَدْعُوا اللّٰهَ اَنْ يُغْنِيَهَا عَنْهَا .))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک اس کی بیٹی کا تعلق ہے تو ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی ذمہ داری سے بے فکر کر دے۔''

((وَاَدْعُوْ اللّٰهَ اَنْ يَذْهَبَ بِالْغَيْرَةِ .)) [1]

''اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ غیرت ختم کر دے۔''

تو مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا اور ساتھ یہ دعا پڑھنا آدمی کو سکون و اطمینانِ قلب دلاتا ہے اور حقیقی تسلی اور تشفی کا موجب بنتا ہے۔

اور یہ کلمہ صرف کسی کی وفات کے موقع پر ہی نہیں بولا جاتا جیسا کہ عموماً تاثر یہی پایا جاتا ہے کہ کوئی فوت ہو جائے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے، بلکہ کسی بھی تکلیف اور مصیبت کے وقت کہنا چاہیے۔ کیونکہ مصیبت کا لفظ ہر قسم کی تکلیف، اذیت اور پریشانی کے لیے بولا جاتا ہے۔

---

[1] مسلم: ٩١٨.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔

((اِنْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فَاسْتَرْجَعَ .))

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے کہا: انا اللہ وانا الیہ راجعون۔''

((وَقَالَ: كُلُّ مَا سَاءَكَ مُصِيبَةٌ .)) ❶

''اور فرمایا: جو چیز تم پر ناگوار گزرے اور تکلیف کا باعث ہو وہ مصیبت ہے۔''

مگر افسوس کہ آج ہم نے اپنے مسائل کے حل کے لیے، اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کو نظر انداز کر رکھا ہے، اور اس کے بجائے مکمل مادی اسباب پر انحصار کر رکھا ہے، حالانکہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا ، حَتَّى شِسْعَ نَعْلِهِ اِذَا انْقَطَعَ .)) ❷

''اپنی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اللہ تعالیٰ سے مانگو، حتیٰ کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگو۔''

مگر ہم نے غیر اللہ سے تعلق تو مضبوط کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلقات خراب کر رکھے ہیں، غیر اللہ پر بڑا بھروسہ ہے کہ وہ ہماری مدد کریں گے مگر معاذ اللہ، اللہ پر توکل، اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے۔

آج ہمارے غیر اللہ کے ساتھ تعلقات اُس سے چنداں مختلف نظر نہیں آتے، جو شاعر ابو فراس الحمدانی نے اپنے کزن سیف الدولہ جو کہ حلب کا حاکم تھا کے بارے میں کہے تھے،

❶ طبقات ابن سعد، ج٦، ص ١٧٤ .
❷ تاریخ دمشق، ج٤٣، ص : ٥٣٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتے ہیں وہ اشعار نہایت خوبصورت اور سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں اگر مخاطب اللہ تعالیٰ ہو۔

شاعر کہتا ہے:

فَلَيْتَكَ تَحْلُوْ وَالْحَيَاةُ مَرِيْرَةٌ
وَلَيْتَكَ تَرْضَى وَالْأَنَامُ غِضَابُ

''اے کاش تو حلاوت بھرا ہو اور زندگی چاہے کڑوی ہو۔ اور اے کاش تو راضی ہو جائے، دنیا چاہے ساری ناراض رہے۔''

وَلَيْتَ الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ عَامِرٌ
وَبَيْنِيْ وَبَيْنَ الْعَالَمِيْنَ خَرَابُ

''اور اے کاش میرے اور تیرے درمیان بنی رہے اور میرے اور کائنات کے درمیان چاہے بگڑی ہوئی ہو۔''

إِذَا صَحَّ مِنْكَ الْوُدُّ فَالْكُلُّ هَيِّنٌ
وَكُلُّ الَّذِيْ فَوْقَ التُّرَابِ تُرَابُ

(ابوفراس الحمدانی)

''اگر تمہاری محبت حاصل ہو جائے تو باقی سب ہیچ ہے اور اس مٹی پر جو کچھ ہے سب مٹی ہے۔''

اب اندازہ کریں جو تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے، جو امیدیں اس سے وابستہ ہونی چاہئیں، وہ ہم نے غیروں سے کر رکھی ہیں، پھر انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کی توفیق کیسے ہو؟ پھر دل کی گہرائیوں سے اس عقیدے کا اظہار کیسے ہو؟

اس عقیدے سے انسان کی دنیا اور اس کے دین پر یقیناً گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مگر ہمیں اس کی ضرورت اور اہمیت کا علم ہی نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ عقیدہ ہماری زندگیوں میں کہاں تک موجود ہے، اس کی ایک جھلک ملاحظہ کریں، اگرچہ زیادہ تر لوگ تو ایسے نہیں ہوں گے، کم ازکم الفاظ کی حد تک تو ایک رسمی سا تعلق ضرور ہوگا، مگر کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں یقین نہیں آتا۔

ایک بار میں نے دیکھا دو نوجوان آپس میں باتیں کر رہے تھے، ایک کہنے لگا: تم فلاں شخص کو جانتے ہو، کہا: ہاں۔

کہنے لگا: وہ فوت ہو گیا ہے۔ تو دوسرا شخص کہنے لگا: اوہ: ....Sh

اور پھر اوہ کے بعد وہ غلاظت بھرا لفظ بولا جو یہاں کے معاشرے میں بولا جاتا ہے، کہا۔ اور وہ یقیناً معاشرے کا واحد شخص نہیں ہوگا جس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہوں۔

دنیا کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل، پریشانیوں اور مصیبتوں کا حل مادی اسباب کے ذریعے بھی ہے، اور شرعی اسباب کے ذریعے بھی، جہاں مادی اسباب درکار ہوتے ہیں، وہاں مادی اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں، مگر شرعی اسباب وہاں بھی ضروری ہیں، وہاں بھی یہ دعا زبان پر ضروری ہونی چاہیے کہ

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ، فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ)) [1]

"اے اللہ! مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات خود ہی سنوار دینا کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔"

قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں، یہ بتانے کے لیے کہ مصیبتیں اور پریشانیاں کیوں آتی ہیں، اور انہیں کیسے دور کیا جا سکتا ہے اور شدید ترغیب دی گئی ہے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ

[1] ابوداؤد، رقم: ٥٠٩٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۝﴾ (الانعام: ٤٢)

''ہم نے آپ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف رسول بھیجے اور ان قوموں کو مصائب وآلام میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ گڑگڑائیں۔''

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ (الانعام: ٤٣)

''پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے؟ مگر ان کے دل تو سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے طرز عمل کو ان کے لیے مزین کر دیا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو بہت اچھا اور سب ٹھیک ہے۔''

آج ہم مسائل کے حل کے لیے شرعی اسباب کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اپنی دولت پر مان ہے، کہ پیسے سے سب کام ہو جاتے ہیں، ہمیں اپنی واقفیت پر، کسی وزیر مشیر کی دوستی پر بڑا بھروسہ ہے کہ کوئی کام پھنس گیا تو سفارش کروا لیں گے، ہمیں کسی کرنل جنرل کی جان پہچان پر بڑا ناز ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے حضور ایک سجدہ ان تمام اسباب پر بھاری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصائب سے نجات کا راستہ

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق : ۲)

مصیبتوں اور پریشانیوں سے دو چار ہونا، آزمائشوں میں مبتلا ہونا، تکلیفوں سے گزرنا اس دنیا میں ہر انسان کے لیے حتمی اور لازمی ہے، تاہم مصیبتیں کچھ چھوٹی ہوتی ہیں اور کچھ بڑی، اور مصیبتوں کا چھوٹا بڑا ہونا انسان کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ بڑی مصیبتوں سے بچنے کے لیے چھوٹی مصیبتوں کو قربان کیا جا سکتا ہے، نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ جاننا اور طے کرنا ضروری ہے کہ ہمارے نزدیک کونسی مصیبت چھوٹی کونسی بڑی اور کونسی سب سے بڑی ہے۔

مصیبتوں کے چھوٹا اور بڑا ہونے کا انحصار حقیقت میں آدمی کی سوچ، اس کے مزاج، اس کے طرز زندگی، اس کے مقصد زندگی اور اس کی منزل اور ہدف کے تعین کے مطابق ہوتا ہے۔

مثلاً کسی کے لیے غریب اور مفلس و نادار ہونا سب سے بڑی مصیبت اور آزمائش ہوتی ہے، کسی کے لیے بے اولاد ہونا یا نرینہ اولاد نہ ہونا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے، کسی کے لیے عہدہ و منصب سے محرومی سب سے بڑی بد نصیبی ہوتی ہے، کسی کے لیے جسمانی تکلیف سب سے بڑی مصیبت ہوتی ہے، کسی کے لیے حسن و جمال اس کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے، کسی کے لیے خود نمائی اور شہرت سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے، اور کسی چیز کے سب سے بڑا مسئلہ ہونے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس سب سے بڑے مسئلے کے لیے باقی تمام چھوٹی مصیبتوں اور مسئلوں کو قربان کر سکتا ہے اور کرنے کے لیے ہمہ تن اور ہمہ وقت تیار رہتا ہے، اور اپنی ساری زندگی اپنے اس سب سے بڑے مسئلے کے حصول یا اس کے حل کے لیے گزار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیتا ہے، اس کے لیے تگ و دو اور سعی و جہد کرتے ہوئے صرف کر دیتا ہے، اور اس کے حصول کی راہ میں کوئی مشقت اور مصیبت اس کی سب سے بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ جاننا ہوگا اور طے کرنا ہوگا کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے اور کیوں ہے؟

شاید اکثر لوگوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ ان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے اور کیوں ہے، ذرا مشکل ہو، اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں، لہٰذا لوگوں کو اس سوال کا جواب جاننے کی مشکل میں ڈالنے کے بجائے قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلوب ومقصود بیان کیے دیتے ہیں کہ دنیا میں انسان کی سب سے بڑی مصیبت، اس کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہونا چاہیے۔

اس دنیا کی زندگی میں انسان کو جو مشکلیں اور مصیبتیں آتی ہیں، یقیناً ان میں کچھ بہت بڑی بڑی مصیبتیں بھی ہوتی ہیں اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتے کیونکہ وہ ایک طویل موضوع ہے۔ مگر مصیبتوں کی شدت اور سنگینی کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک واقعات ذکر کرتے چلتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی وفات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے عموماً اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خصوصاً ایک بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑا صدمہ تھی، دنیا کے لحاظ سے بھی اور دین کے لحاظ سے بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((لَـمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِيهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ .))

"جس دن آپ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اس دن وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی چمک اٹھی۔"

((فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِيهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ .))

"اور جس دن آپ ﷺ فوت ہوئے وہاں کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا مِنَ التُّرَابِ وَ اِنَّا لَفِيْ دَفْنِهٖ ﷺ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا .)) ❶

"اور ابھی ہم نے آپ ﷺ کی مرقدِ مبارک پر مٹی ڈال کر ہاتھ نہیں جھاڑے تھے کہ ہمیں اپنے دل ہی بدلے بدلے لگنے لگے۔"

یعنی آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے دنیا میں جو خیر و برکت اور تعلیم و تربیت کا ڈائریکٹ حصول تھا اس سے محرومی کا دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ وہ رقت، وہ تازگی اور وہ نشاط نہ رہا، ہر طرف غم کی فضا چھا گئی۔

اور اس مصیبت اور صدمے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو کیفیت ہوئی وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ سے ایک خصوصی نسبت، شرف اور تعلق حاصل تھا کہ وہ جگر گوشۂ رسول ﷺ ہیں، لہٰذا انہیں دہرا صدمہ ہوا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے وہ کتنی بڑی مصیبت، غم اور تکلیف تھی اور انہوں نے اپنی اس تکلیف کا اظہار کن الفاظ میں کیا؟

حضرت انس خادمِ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

((يَا اَنَسُ! أَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ التُّرَابَ .)) ❷

"اے انس تمہارے نفسوں نے کیسے گوارا کیا کہ تم آپ ﷺ کی قبر مبارک پر مٹی ڈالو۔ کیسے حوصلہ پڑا کیسے ہمت ہوئی۔"

تو بات ہو رہی تھی کہ دنیا میں انسان کو اس قدر بڑی بڑی، شدید اور سنگین آزمائشیں پیش

---

❶ ابن ماجة : ١٦٣١ . ❷ بخاری : ٤٤٦٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آتی ہیں کہ آدمی اپنے غم کا اظہار یوں کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مصیبتیں بڑی ہی ہیں، مگر حقیقت میں انسان کی سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو اس کو اس کے دین کے معاملے میں پیش آئے۔

دنیا کے معاملے میں کسی انسان پر بڑی سے بڑی مصیبت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی جان، مال، اولاد سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے، لیکن دین کے معاملے میں مصیبت آنے کا مطلب اس کی آخرت کی ہلاکت اور تباہی و بربادی ہے، اور کیا کوئی عقلمند آدمی آخرت کی تباہی و بربادی کے مقابلے میں دنیا کی تباہی و بربادی کو اپنی سب سے بڑی مصیبت قرار دے سکتا ہے؟

تو معنی یہ ہوا کہ انسان کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے اور ہونی چاہیے کہ اسے دین کے معاملے میں کوئی مصیبت آ جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے دعاء سکھلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کریں اور دعا کریں کہ دین کے معاملے میں کوئی مصیبت نہ آئے۔

((وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا .))

''اور اے اللہ! ہمارے دین کے معاملات میں ہم پر مصیبت نہ ڈالنا۔''

((وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا .)) [1]

''اور دنیا کے حصول کو ہماری سوچ اور فکر کا محور نہ بنانا کہ ہماری تمام تر صلاحیتیں، اور تمام تر کوششیں صرف دنیا کے حصول کے لیے ہی صَرف ہو کر رہ جائیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے نظر آتے، اس لیے کہ وہ ان کے دین کے معاملے میں نہ ہوتی۔

قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِنِّي لَأُصَابُ بِالْمُصِيْبَةِ فَاَحْمَدُاللّٰهَ تَعَالٰى عَلَيْهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ . ''

---

[1] ترمذی: ۳۵۰۲.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مجھ پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو میں اس پر چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔''

١۔ أَحْمَدُ اذ لم یکن مما اعظم هی.

ایک اس بات پر شکر بجالاتا ہوں کہ جو مصیبت آئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑی مصیبت سے محفوظ رکھا ہے، یعنی اس سے بھی بڑی آسکتی تھی۔

٢۔ وأَحْمَدُ اذ رَزَقَنِي الصبرَ علیها.

اور ایک بار اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت پر صبر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

٣۔ وأَحْمَدُ اذ وفقنی للاسترجاع لما ارجوه من الثواب.

اور ایک اس لیے شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کی توفیق عطا فرمائی ہے کہ جس پر میں اس سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

٤۔ وأَحْمَدُ اذ لم یجعلها فی دینی. [1]

''اور ایک اس لیے شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ مصیبت میرے دین میں نہیں ڈالی۔''

رہا یہ کہ دین میں مصیبت کا کیا مطلب ہے؟ تو دین میں مصیبت کا مطلب ہے کہ شرک اور بدعت میں مبتلا ہونا۔ دین میں مصیبت کا مطلب ہے: عبادات کو پس پشت ڈال دینا اور گناہوں میں ملوث ہونا۔ دین میں مصیبت کی کئی شکلیں اور صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ رزق کے حصول کے لیے ملازمت یا کاروبار کسی ایسے کام سے وابستہ ہو کہ جو حرام ہو۔ یا ایسا ہو کہ جس میں عبادات ترک کرنا پڑتی ہوں یا ان میں تاخیر کرنا پڑتی ہو۔ عبادات میں ترک یا تاخیر سلف صالحین کے ہاں ایک بہت بڑا نقصان اور خسارا سمجھا جاتا۔

[1] تاریخ دمشق، ج٢٣، ص ٤٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ سلف صالحین کے ہاں اگر کسی کی تکبیر تحریمہ فوت ہو جاتی تو اس سے تین دن تک تعزیت کرتے، اور اگر پوری نماز فوت ہو جاتی تو سات دن تک تعزیت کرتے جو کہ اس بات کی علامت تھی کہ اسے اس کے دین میں اک بہت بڑا نقصان پہنچا ہے اس لیے تعزیت کی جا رہی ہے۔

تو دین میں مصیبت کا مطلب ہے کہ آدمی نیکیوں کے موسموں سے استفادہ نہ کر سکے، جیسے رمضان المبارک، عاشوراء اور عشرہ ذوالحجہ کے ایام وغیرہ، یہ مبارک ایام انسان کی زندگی میں آئیں اور انسان ان سے مستفید نہ ہو سکے، یقیناً بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑا نقصان ہے۔

دین میں مصیبت یہ ہے کہ آدمی کا نیکی کے کاموں میں جی نہ لگتا ہو، نماز کے لیے دل آمادہ نہ ہوتا ہو، اور اگر پڑھنی پڑ جائے تو بے دلی سے پڑھے، جیسا کہ قرآن پاک میں منافقین کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ (النسآء: ۱۴۲)

''وہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے، بوجھل قدموں کے ساتھ۔''

لہٰذا اس بات کی فکر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دین کے کسی معاملے میں ہمیں مصیبت اور آزمائش میں مبتلا نہ کرے۔ آمین

تو اب آیئے گزشتہ سے پیوستہ کے متعلق بات کرتے ہیں، گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں بات ہو رہی تھی کہ زندگی کیسے گزاری جائے، جس کا مطلب عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زندگی کو آسان کیسے بنایا جائے، چنانچہ لوگ زندگی کو آسان بنانے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں اور زندگی بھر اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں حتیٰ کہ حقیقی مشقتوں کا وقت آ پہنچتا ہے۔

انسان آسانیوں کے حصول میں جزوی یا جزوقتی کامیابی بسا اوقات حاصل کر لیتا ہے مگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتا کہ تھوڑی سی آسانی اور آسائش حاصل کرنے کے لیے اسے کتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھنٹے مشقت میں گزارنے پڑتے ہیں، تب کہیں جا کر وہ تھوڑی سی آسانی اور سہولت سے محظوظ ہوتا ہے، مگر وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے، اور اس کے بعد پھر چل سو چل، اور جو حقیقی مشقت ہے اس سے بچنے کی ہرگز فکر نہیں رکھتا۔

اور یہ جسے وہ آسان زندگی سمجھتا ہے سراسر دھوکہ ہے، کیونکہ زندگی میں حقیقی معنوں میں آدمی اس وقت لطف اندوز ہوتا ہے جب اسے راحتِ جسم کے ساتھ ساتھ راحتِ نفس اور اطمینانِ قلب بھی حاصل ہو۔

اور اطمینانِ قلب اور سکونِ نفس جہاں وہ ڈھونڈتا ہے وہاں دستیاب ہی نہیں ہے۔ تو پرسکون زندگی گزارنے کے جو چند اصول وضوابط کا ذکر ہو رہا تھا، ان میں سے ایک گزشتہ خطبہ جمعہ میں بیان ہوا کہ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور عقیدہ و ایمان کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔

پرسکون زندگی گزارنے کے لیے دوسرا قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ ''صبر اور نماز کے ذریعے اپنے معاملات کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔''

اور معاملات دنیا کے ہوں یا آخرت کے، ہر ہر معاملے کے حل کے لیے نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔

مصنوعی راحت کی تلاش میں انسان ساری زندگی سرگرداں رہتا ہے اور وہ بھی میسر نہیں ہوتی۔ جبکہ حقیقی راحت سہل الوصول بھی ہے اور قطعی الحصول بھی ہے۔

یعنی حقیقی راحت تک پہنچنے کے وسائل اور ذرائع بہت آسان بھی ہیں، کہ انہیں حاصل کرنے کے لیے کوئی بہت زیادہ مشقت نہیں اٹھانا پڑتی اور جب وہ ذرائع اختیار کر لیے جائیں تو پھر ان کا حصول اللہ کے فضل سے قطعی ہو جاتا ہے۔

کبھی نہایت اطمینان کے ساتھ وضو کر کے، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ صرف دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکعت نماز ادا کر کے دیکھو جو لذت، جو سکون، جو راحت اور لطف حاصل ہوگا دنیا کی ساری دولت حاصل کر کے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

نماز میں ایک یقینی راحت ہے، نماز پر سکون زندگی کا راز ہے، نماز دنیا و آخرت کے مسائل کا حل ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

((قُمْ یَا بِلَالُ فَارِحْنَا بِالصَّلَاۃِ .)) ❶

''اے بلال! اٹھو اور ہمیں نماز کے ذریعے راحت حاصل کرنے کا انتظام کرو۔''

یعنی اذان کہو کہ نماز پڑھ کر راحتِ نفس حاصل کرلیں۔

اور نماز کے بارے میں فرمایا:

((وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ .)) ❷

''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔''

نماز غموں اور پریشانیوں کو دور کرنے کا سبب، نماز راحتِ نفسی کا ذریعہ، نماز مسائل کے حل کا نسخہ کیمیاء ہے۔

حدیث میں ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ صَلّٰی .)) ❸

''آپ ﷺ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو نماز پڑھتے۔''

یعنی کوئی مشکل، کوئی غم، کوئی پریشانی اور تکلیف پہنچتی تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔

یوں تو مسائل کے حل کے لیے دعا بھی ہے، صدقہ و خیرات بھی ہے اور دوسرے اعمال بھی ہیں۔ مگر نماز کو ان سب پر ایک درجہ اور فضیلت اور برتری شاید اس لیے حاصل ہے کہ یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا منظر پیش کرتی ہے۔

❶ ابوداؤد: ٤٩٨٦ . ❷ نسائی: ٣٩٣٩ .
❸ ابوداؤد: ١٣١٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب نماز میں سجدے کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ. فَاَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ.)) ❶

''بندہ سب سے زیادہ جو اپنے رب کے قریب ہوتا ہے تو اس وقت جب وہ سجدے میں ہوتا ہے، پس اُس وقت کثرت سے دعا کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۝﴾ (العلق: ١٩)

''اور سجدہ کر اور اپنے رب کا قرب حاصل کر۔''

ایسے ہی نماز جنت میں آپ ﷺ کے قرب اور رفاقت کا ذریعہ بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ آتِيْهِ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ.

حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا، آپ کے لیے وضو کا پانی لاتا اور دیگر کاموں کے لیے حاضرِ خدمت رہتا۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ اہلِ صفہ میں سے تھے اور آپ ﷺ کے دروازے پر رات گزارا کرتے تھے کہ جونہی آپ ﷺ کو کسی کام کی ضرورت پڑے تو فوراً بجا لائیں۔

چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: (سَلْ) مانگو! تو حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ.)) تو میں نے عرض کیا: جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔

❶ مسلم: ٤٠٨٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(فَقَالَ: أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ کوئی اور ہے؟ تو حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: (هُوَ ذَاكَ) بس یہی ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: (فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ) ❶

''پس کثرت سجود سے میری مدد کرو۔''

تو نماز خوشگوار اور پرسکون زندگی گزارنے کا ایک سب سے بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے، تمام مسائل کا حل ہے اور تمام ضرورتیں اور حاجتیں مانگنے کا ذریعہ ہے۔

❶ مسلم: ٤٨٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خوشگوار زندگی کا ضابطہ...... بے مقصد کاموں سے اجتناب

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء: ٣٦)

''اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی۔''

گزشتہ خطبات میں خوشگوار، پاکیزہ اور پرسکون زندگی گزارنے کے چند بنیادی اصولوں کا ذکر ہو رہا تھا، آج کی گفتگو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، مگر آج ہم خوشگوار زندگی کے جس قاعدے اور ضابطے کا ذکر کرنے جا رہے ہیں وہ ہے: اپنے کام سے کام رکھنا، اور دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی، تجسس، کھوج، ٹوہ اور کرید سے باز رہنا۔

یوں تو آپ ﷺ کی تمام تر گفتگو اور تمام فرامین نہایت ہی جامع اور پرمغز ہیں، کیونکہ آپ ﷺ جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

((اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ .)) ❶

''میں جوامع الکلم عطا کیا گیا ہوں۔''

اور جوامع الکلم کا معنی ہے کہ ایسے کلمات جو الفاظ میں مختصر مگر معانی میں نہایت وسیع اور کامل اور شامل ہوں۔ تو دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی سے اجتناب، پرسکون، خوشگوار اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا ایک ایسا قاعدہ اور ضابطہ ہے جو بہت سے اصولوں اور ضابطوں کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

---

❶ مسند احمد، ج ٢، ص ٢٥٠، رقم: ٧٣٩٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ .)) ❶

''آدمی کے اچھے اسلام کی نشانی یہ ہے، آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے، ان سے باز رہے۔''

دعویٰ اسلام کے لحاظ سے لوگ دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو اسلام پر اچھی طرح عمل پیرا ہیں اور اس پر بہتر سے بہتر طور پر عمل پیرا ہونے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

اور دوسرے وہ ہیں جو اسلام پر خوش اسلوبی اور عمدگی سے عمل پیرا ہونے کی فکر نہیں رکھتے، محض دعویٰ اسلام کو ہی اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کے احکام و اوامر کو خوش اسلوبی، عمدگی، وحسن وخوبی کے ساتھ ادا نہیں کر رہے ہوتے، بلکہ وہ اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لحاظ سے بداسلوبی اور بے ڈھنگا پن کا شکار ہوتے ہیں۔

تو جو لوگ اسلام پر عمدگی اور خوش اسلوبی سے عمل پیرا ہوتے ہیں ان کی ایک بڑی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ لایعنی کاموں میں ملوث نہیں ہوتے، وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، انہیں اپنی ہی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

خوشگوار زندگی کے متعلق حدیث میں بیان کیا گیا یہ قاعدہ اور ضابطہ کتنا اہم ہے، اور علماء امت، أئمہ کرام کے نزدیک احکام دین میں اس حدیث کو کیا اہمیت اور مقام حاصل ہے: اندازہ کیجیے۔ حدیث کی کتاب سنن ابی داود کے مؤلف امام ابوداود رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

((كتبت عن رسول الله ﷺ خمس مائة الف حديث .))

''میں نے آپ ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔''

((انتخبت منها ما ضمنته هذا الكتاب يعنى كتاب السنن .))

---

❶ ترمذی: ۲۳۱۸.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میں نے ان پانچ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے اس کتاب یعنی سنن ابی داود میں جمع کی ہیں۔''

((جمعت فيه اربعة آلاف و ثمانمائة حديث .))

''میں نے اس کتاب میں منتخب شدہ چار ہزار آٹھ سو احادیث جمع کی ہیں۔''

((ذكرت الصحيح وما يشبهه ويقاربه .))

''میں نے اس کتاب میں صحیح اور اس سے ملتی جلتی احادیث ذکر کی ہیں۔''

یعنی صحیح اور حسن درجے کی اور جو ضعیف ہیں وہ بیان کر دی ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔

((ويكفي الانسان لدينه من ذلك اربعة احاديث .))

''احادیث کے اس منتخب مجموعہ سے بھی کہ جس کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے۔'' آدمی کو اپنے دین کے لیے صرف چار احادیث ہی کافی ہیں۔

احدها: قوله عليه السلام: الاعمال بالنيات .

''ان میں سے ایک حدیث ہے: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))'' کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

والثانی: قوله: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ .))

''اور دوسری حدیث: آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ: ((من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه)) آدمی کے اسلام کی اچھائی، خوبی اور حسن میں سے یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں کو ترک کر دے جن کا اس سے کوئی واسطہ اور تعلق نہ ہو۔''

((والثالث: قوله: لَا يَكُوْنُ الْمُوْمِنُ مُوْمِنًا حَتّٰى يَرْضٰى لِاَخِيْهِ مَا يَرْضَاهُ لِنَفْسِهٖ .))

''تیسری حدیث، آپ ﷺ کا یہ فرمان: آدمی اس وقت تک حقیقی مومن نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''

والرابع: قوله: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ ، وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَات . [1]

''اور چوتھی حدیث ہے: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور جو ان کے درمیان کی چیزیں ہیں وہ مشتبہ ہیں۔''

تو یہ حدیث جس میں پرسکون زندگی کا ایک نہایت ہی اہم قاعدہ اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے أئمہ کرام کے نزدیک وہ دین کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔

اور اگر ہم اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں بھی اس کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی پریشانیوں کا، اس کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کا، لوگوں کی آپس میں نفرتوں، کدورتوں اور عداوتوں کا ایک بہت بڑا سبب دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کرنا، اور ان کی ذاتی زندگیوں کی ٹوہ اور کھوج لگانا ہے، اور تعجب ہے کہ یہ عمل اس قدر قبیح، سنگین اور گھناؤنا ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے کہ اس کے مرتکب کے لیے اس دنیا میں بھی ایک سزا رکھ دی گئی ہے اور آدمی اس سے بچ نہیں سکتا۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ مَنْ قَدْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ ، وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانُ اِلٰی قَلْبِهٖ ، لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ ، وَلَا تُعَیِّرُوْهُمْ ، وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ .))

''اے وہ لوگو! جو صرف زبان سے اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دلوں تک نہیں پہنچا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو، انہیں طعنے نہ دو، اور ان کی عیب جوئی

[1] تاریخ بغداد: ج۹، ص ۵۷ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کرو۔“

((فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ ، تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ .))

”اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی عیب جوئی کرے گا۔“

((وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ .)) [1]

”اور جس کی عیب جوئی اللہ تعالیٰ نے کی، اس کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دے گا، اگرچہ کوئی اپنے گھر کے دامن میں ہی کیوں نہ چھپا بیٹھا ہو۔“

غور فرمایئے کہ کس قدر شدید تنبیہ اور تہدید ہے، لیکن لوگ پھر بھی بڑے زور وشور سے اور بڑے شوق ورغبت سے اس میں گھسے چلے جاتے ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ آخر اس میں کیا لذت اور چاشنی ہے کہ اس قدر شدید تنبیہ، دھمکی اور وارننگ کے باوجود انسان اس سے باز نہیں آتا، بلکہ بصد شوق مرتکب ہوتا ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ ایک تو یہ انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک ہے کہ وہ زیادہ دیر تک سنجیدہ نہیں رہ سکتا، پھر وہ لغو اور فضولیات میں مشغول ہو جاتا ہے، مگر انہیں فضولیات اور لغو سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ کچھ دوسرے ناموں سے انہیں متعارف کروا کے اور ان کا جواز مہیا کر کے شریک ہو جاتا ہے۔

مثلاً: ہمدردی اور خیر خواہی اور اصلاح کے نام سے دوسروں کے عیب اچھال اچھال کر مزے لیتا ہے، اور آخر میں ایک دو لفظ ایسے بول دیتا ہے کہ جس سے لگے کہ وہ یہ سب کچھ از راہ ہمدردی کہہ رہا ہے جیسے: اچھا اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے، یا ایسے کر لیتا تو اچھا ہوتا اس کا فائدہ ہو جاتا، وغیرہ۔ مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے، اس کو سب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

---

[1] ترمذی : ۲۰۳۲ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور کبھی Curiosity (کیوری آ سی ٹی) کے نام سے، تجسس، شوقِ تحقیق، اور شوقِ دریافت کے نام سے، وہ لوگوں کی ذاتی زندگی کو کرید رہا ہوتا ہے، اور جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ فلاں شخص کیا کرتا ہے کہاں جاتا ہے، کیا کھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور کبھی دل لگی اور گپ شپ کے نام سے، کسی کو مجلس میں ننگا کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

لیکن جو بھی نام رکھ لیں، حقیقت نہیں بدلتی، حقیقت وہی رہے گی کہ وہ لوگوں کی عیب جوئی کر کے مزے لیتا ہے اور یہ عمل صرف مکروہ اور ناپسندیدہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ ، وَاَمْوَالَكُمْ ، وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا ، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا .)) ❶

''فرمایا: لوگوسن لو! بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے تمہارا آج کا یہ دن یوم الحج الاکبر حرمت والا ہے، تمہارا یہ شہر اور تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے۔''

جانا! کہ ایک مسلمان کی عزت وحرمت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ومرتبہ ہے، جسے سر بازار رسوا کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

((مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ .))

''جانتا ہوں کہ تم ایک عظمت والے اور عظیم حرمت والے گھر ہو۔''

((وَالْمُوْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ .)) ❷

''مگر ایک مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے زیادہ حرمت رکھتا ہے۔''

لہٰذا کسی مسلمان کی عزت سے کھیلنا، اسے رسوا کرنا، اس کی عیب جوئی کرنا، اس کا مذاق اڑانا، جہاں ایک طرف حرام ہے وہاں دوسری طرف اس بری خصلت سے بچنا مومنوں کی

❶ بخاری : ٦٧ . ❷ ترمذی : ٢٠٣٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفت بھی قرار دیا گیا ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o﴾ (المومنون : ۱ ۔ ۳)

''یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں، اور جو لغو بات سے دور رہتے ہیں''

اور لغو ہر اس بات اور کام کو کہتے ہیں جو فضول اور لا یعنی ہو، جس کا دین کے لحاظ سے فائدہ ہو نہ دنیا کے لحاظ سے۔

اور لغویات سے بچنا صرف اس حد تک ہی نہیں کہ کسی کے عیب اچھالنے سے بچا جائے بلکہ لغویات کی ایک طویل فہرست ہے، لغویات سے بچنے کا ایک انداز ملاحظہ فرمایئے، اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا o﴾ (الفرقان : ۷۲)

''اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔''

جب کسی ایسی جگہ سے ان کا گزر ہوتا ہے جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں، یا لغو کام ہو رہے ہوں، وہاں سے باعزت اور مہذب طریقے پر گزر جاتے ہیں'' یعنی اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے، ان میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔

یاد رکھیں کہ لوگوں کے عیوب اور خامیوں پر نظر رکھنے والا، انہیں کریدنے اور اچھالنے والا شخص ہرگز عقلمند نہیں ہوسکتا، جو شخص خود مجموعہ عیوب ہو، وہ کسی اور کی عیب جوئی کر کے خوش ہو اور لذت پائے، اس سے بڑھ کر نادان کون ہوگا؟

انبیاء علیہم السلام کے سوا ہر انسان میں بیسیوں عیب ہو سکتے ہیں بلکہ اگر سینکڑوں بھی کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن جب کوئی کسی کے عیب اچھالے تو اللہ تعالیٰ اُس اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے شخص کی عزت کو گلیوں اور بازاروں میں گردش کرنے والے قصے کہانیاں بنا دیتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقلمندی یہ ہے کہ انسان اپنی اصلاح کی فکر کرے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

اَقْبِلْ عَلَى النَّفْسِ وَاسْتَكْمِلْ فَضَائِلَهَا
فَأَنْتَ بِالنَّفْسِ لَا بِالْجِسْمِ إِنْسَانُ

''اپنے آپ پر توجہ دو اور اپنی خوبیوں، اپنی صفات اور اپنے اخلاق کی تکمیل کرو، کہ تم جسم نہیں بلکہ نفس کے ساتھ انسان بنتے ہو۔''

یعنی جسم تو جانور بھی رکھتے ہیں، اصل چیز خوبیوں والا نفس ہے، جو انسان کی اصل پہچان ہے۔ عقلمند آدمی فائدے والے کام کرتا ہے، گھاٹے کا سودا نہیں کرتا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دلائی اور فرمایا:

((اِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ.)) ❶

''جو چیز تمہارے فائدے کی ہے اس کا اہتمام کرو، یعنی جو زیادہ فائدے کی ہے اس کو ترجیح دو۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو۔'' اور عزیمت سے کام لو، عجز و کسل مندی اور سستی نہ دکھاؤ۔

اور ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جو فائدہ مند نہ ہو۔

((وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ.)) ❷

اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو۔''

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھنا اور دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرنا، فلاح و کامیابی ہے، عزت اور سکون اور پروقار و خوشگوار زندگی کا راز ہے۔

یاد رکھیں دوسروں کی خامیوں کو کریدنے والا کبھی سکون نہیں پا سکتا، اور انجام بد سے نہیں بچ سکتا۔ بسا اوقات وہ غیر شعوری طور پر اس کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مِنْ عَلَامَةِ اِعْرَاضِ اللّٰهِ عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَجْعَلَ شُغْلَهُ فِيمَا لَا

❶ مسلم: ٢٦٦٤. ❷ مسلم: ٢٧٢٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَعْنِيهِ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے اعراض کر لینے کی یہ علامت ہے کہ وہ اس کی مصروفیت لایعنی کاموں میں رکھ دے۔''

فضولیات میں مصروفیات اور لایعنی امور میں دخل اندازی کا ایک انداز ملاحظہ کیجئے:

((دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما وَهُوَ يَخْصِفُ نَعْلَيْهِ .

''ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور وہ اپنے جوتے درست کر رہے تھے۔

فَقَالَ: يَا اَبَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ! لَوْ اَلْقَيْتَ هٰذَا النَّعْلَ وَاَخَذْتَ آخَرَ جَدِيْدًا!

کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! بہتر ہوگا اگر آپ یہ جوتے پھینک کر نئے جوتے لے آئیں۔

فَقَالَ: نَعْلِي جَاءَتْ بِكَ هَاهُنَا! اَقْبِلْ عَلَى حَاجَتِكَ .)) ❷

تو فرمایا: میرے جوتے تمہیں یہاں تک لے آئیں ہیں! جاؤ اپنا کام کرو۔''

تو دخل اندازی ایک ایسی معاشرتی کوتاہی اور خامی ہے کہ بسا اوقات آدمی بے ساختہ اور غیر شعوری طور پر دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کر جاتا ہے۔

آج اغیار نے امت مسلمہ کو ایسی فضولیات میں دھکیل دیا ہے کہ جس میں نہ صرف یہ کہ دنیا کا کوئی فائدہ نہیں، دین کا فائدہ نہیں، امور آخرت کا فائدہ نہیں بلکہ دن بدن دین سے دور ہو رہے ہیں۔

انسان کی صلاحیتیں بڑی محدود ہیں، قوت و طاقت محدود ہے، جب کوئی انسان فضولیات میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر لیتا ہے تو پھر مفید کاموں کے لیے ہمت نہیں رہتی۔

❶ جامع العلوم والحكم لابن رجب، ج ١، ص ٢٩٤ .
❷ المنتقى شرح المؤطا، ج ٧، ص ٢١٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استقبال رمضان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ٥﴾ (اٰل عمران : ۱۳۳)

''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، تقریباً سترہ، اٹھارہ دن باقی ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی پیشگی تیاری کی جائے۔

رمضان المبارک کی آمد سے قبل اس کی تیاری کی ضرورت کیوں ہے، اس کا مطلب کیا ہے، اور اس کے فوائد کیا ہیں، آج ان شاء اللہ کچھ انہی نکات پر گفتگو کرنا چاہیں گے۔

کسی کام کی تیاری کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں کہ اس کے لیے کمربستہ ہونا، فراغت پانا، دوسرے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر، یا نمٹا کر ساری توجہ اور تمام صلاحیتیں اس کے لیے وقف کر دینا۔

تو تیاری کے معنی ومفہوم، تیاری کی ضرورت و اہمیت اور اس کی افادیت کو ہر آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے اور زندگی میں بہت بار اس سے گزرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جتنا بڑا کام، جتنا بڑا منصوبہ، اور جتنا اہم معاملہ ہو اسی قدر اس کی تیاری بھی اہم ہوتی ہے اور کسی کام کی تیاری آدمی کے ذوق اور شوق اس کی لگن اور اس کے ہاں اس کام کی اہمیت کی غمازی کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک کون سے کام اہمیت رکھتے ہیں اور ہم کن کاموں کی تیاریوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصروف رہتے ہیں، یہ بات کوئی ہم سے ڈھکی چھپی نہیں۔

﴿بَلِ الْاِنسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌo وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗo﴾

(القيامة: ١٤ ـ ١٥)

”ہر شخص اپنے بارے میں خوب جانتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی حیلے بہانے تراش لے۔“

کسی کام کے لیے تیاری اس کام کے ساتھ آدمی کی لگن اور شوق اور اس کے اخلاص اور سنجیدگی کا پتا دیتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ منافقین کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے کہ جب انہوں نے جھوٹے حیلے تراش کر جہاد میں نہ جانے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ درحقیقت ان کا جہاد پر جانے کا ارادہ تھا ہی نہیں۔

﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ (التوبة: ٤٦)

”اور اگر ان کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لیے سامان کی تیاری کرتے۔“

﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَo﴾ (التوبة: ٤٦)

”لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا، اس لیے انہیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھ رہو، بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“

تو تیاری آدمی کی اس کام، مقصد اور منصوبے کے ساتھ اخلاص اور سنجیدگی کی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔

یوں تو تیاری دنیا اور آخرت کے تمام معاملات میں ہی ہوتی ہے جو کام آدمی کرنا چاہے اس کے لیے کچھ نہ کچھ تیاری تو ضرور کرتا ہے۔ آدمی کام پر جانے کی تیاری کرتا ہے، کھانا کھانے کی تیاری کرتا ہے، سونے کی تیاری کرتا ہے، سیر و تفریح کے لیے جانے کی تیاری کرتا ہے، سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کرتا ہے امتحان کی تیاری کرتا ہے انٹرویو کی تیاری کرتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح نماز پڑھنے کی تیاری کرتا ہے، روزہ رکھنے کی تیاری کرتا ہے، روزہ کھولنے کی تیاری کرتا ہے، اوراسی طرح دیگر معاملات کے لیے بھی تیاری کرتا ہے۔

یہ اک روٹین کی تیاری ہے، جو ایک عادت بن جانے کی وجہ سے تیاری نہیں لگتی، اہتمام نہیں لگتا۔ مگر کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لیے آدمی روٹین سے ہٹ کر تیاری کرتا ہے، مثلاً شادی کے لیے کی جانے والی تیاری روٹین سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ شادی کسی کی بھی ہو، اپنی ہو، کسی رشتہ دار کی ہو، کسی دوست کی ہو، آدمی اس حیثیت سے اس کے لیے خوب تیاری کرتا ہے۔

دین کے معاملے میں حج کی مثال لیجیے، اس کے لیے بھی آدمی ایک خصوصی تیاری کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک بہت اہم اور خصوصی واقعہ ہوتا ہے۔ اور تیاری آدمی اس لیے کرتا ہے کہ کہیں وہ موقعہ ہاتھ سے نکل نہ جائے، کہیں اس سے محروم نہ رہ جائے، کیونکہ وہ اس کام کی اہمیت سے واقف ہوتا ہے۔ اسے کسی طرح ضائع ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا، بلکہ ہر حال میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا وہ اس کا اہتمام کرتا ہے، اس کی تیاری کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے کاموں کے لیے کی جانے والی تیاری کی اہمیت کو ہم لوگ خوب سمجھتے ہیں، لہٰذا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ جبکہ آخرت کے معاملات کے لیے تیاری کو اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ دنیا کے کسی معاملے میں اگر آپ نے تیاری نہ بھی کی، یا آپ کی نیابت پر کسی اور نے تیاری کر رکھی ہو تو وہ بھی کام آ سکتی ہے، جبکہ آخرت کے لیے خود آپ ہی کی تیاری کام آئے گی۔

﴿وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙ﴾ (النجم: ۳۹)

”اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی ہے۔“

لہٰذا آخرت کے معاملات میں انسان کی خود اپنی ہی تیاری کام آتی ہے، الا یہ کہ بعض مخصوص اور استثنائی حالتوں میں کسی دوسرے کی تیاری بھی کام آ سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ (الطور: ٢١)

"جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے، ان کی اس اولاد کو بھی ہم جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں گے ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔"

اسی طرح نماز جنازہ ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ ، يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ، اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ .)) [1]

"جس کسی مسلمان کے جنازے میں چالیس ایسے آدمی شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہراتے ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔"

اسی طرح انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، شہداء، علماء اور صالحین کی شفاعت بھی فائدہ دے گی، مگر اللہ تعالیٰ جس کو اجازت دیں گے اور جس کے حق میں اجازت دیں گے۔

تو آخرت میں بعض مخصوص اور استثنائی حالتوں میں آدمی کو اپنی تیاری اور کوشش کے علاوہ کسی اور کی کوشش کا فائدہ ہوسکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوگا، مگر قانون عدل وہی ہے کہ:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم: ٣٩)

[1] مسلم: ٩٤٨.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے سعی کی ہے۔''

اس لیے اسی قاعدے کی روشنی میں انسان کو آخرت کے حوالے سے بہت زیادہ تیاری کی ضرورت ہے، صرف آخرت کی باتیں کر لینا کافی نہیں ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((اَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! مَتَی السَّاعَةُ؟))

''ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کب ہے؟''

((قَالَ: وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے۔''

((قَالَ: لَا.))

''کہا کچھ بھی نہیں۔''

((اِلَّا اَنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.))

''البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔''

((قَالَ: فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ.))

''تو فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو محبت کرتا ہے۔''

((قَالَ اَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحْنَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ.))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں اسلام لانے کے بعد کبھی کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی، جتنی آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوئی کہ ((انک مع من احببت)) کہ تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو محبت کرتا ہے۔''

اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((فَاَنَا اُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ.))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''پس میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے۔''

((فَارْجُو اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ وَاِنْ كُنْتُ لَا اَعْمَلُ بِاَعْمَالِهِمْ .)) ❶

''اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا ان سے، اپنی اس محبت کی وجہ سے۔ اگرچہ میں ان جیسے عمل نہیں کرتا۔''

کسی چیز کی تیاری دراصل اس چیز کے لیے، محبت، شوق، جوش، جذبہ اور ولولہ، اور لگن ابھارتی ہے، اور تعلق خاطر مضبوط کرتی ہے۔ کوئی کام شوق جوش اور جذبے کے ساتھ کرنے اور بغیر جوش و جذبے کے کرنے میں جو فرق ہے وہ آپ ضرور سمجھتے ہوں گے۔ جو کام آدمی شوق اور جذبے سے کرتا ہے اس میں لذت بھی ہوتی ہے اور اس کی قدر دانی بھی ہوتی ہے، اور جو کام بے دلی اور بے رغبتی سے ہوتا ہے اس میں آدمی خود بھی لذت نہیں پاتا اور اس کی قدر بھی نہیں کی جاتی۔

اس لیے جو بھی کام کرنا ہو شوق اور جذبے سے ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز میں جو دعائیں فرمایا کرتے، ان میں سے ایک دعا کے چند الفاظ یہ بھی ہیں:

((وَاَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ .)) ❷

''اور میں قضاء کے بعد تیری رضا چاہتا ہوں۔''

مطلب یہ کہ قضا وقدر پر ہر مسلمان کا ایمان ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا وہ عدل پر مبنی ہے، اور حق ہے۔ اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے، عزم ہے اور دعویٰ ہے اور جب کوئی فیصلہ بندے پر واقع ہوتا ہے، اگر تو اس میں بظاہر بھی خیر ہو تو آدمی اپنے اس دعوے پر اور اس ایمان پر قائم رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی فیصلہ بظاہر اس کے حق میں نہ ہو، تکلیف

---

❶ المخلصيات لابی طاهر المخلِّص، ج٣، ص ١٨٤، رقم: ٢٢٨٤ .

❷ مسند احمد، ج٥، ص ١٩١، رقم: ٢١٧١٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نقصان کی صورت میں ہو تو اس وقت آدمی کا عزم متزلزل ہو جاتا ہے۔ ڈگمگا جاتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

((وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ .))

''قضاء کے بعد رضا چاہتا ہوں۔''

((وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ .))

''اور موت کے بعد عیش کی یعنی زندگی کی ٹھنڈک چاہتا ہوں۔''

موت سے پہلے جو زندگی کی ٹھنڈک ہے وہ یقیناً اک نعمت ہے، مگر ادھوری اور عارضی ہے، اصلی اور حقیقی ٹھنڈک وہ ہے جو موت کے بعد ہوگی۔

((وَاَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ ، وَالشَّوْقَ اِلَى لِقَائِكَ .)) [1]

''اور تجھ سے تیرے چہرے کو دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں، اور تیری ملاقات کا شوق چاہتا ہوں۔''

انسان اپنے رب کی طرف تو لامحالہ جا ہی رہا ہے۔

﴿اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾ (الانشقاق : ٦)

''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے۔ بالآخر اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔''

مگر کیا لذت ہے دل میں شوقِ ملاقات لیے ہوئے جانے میں۔

تو بات ہو رہی تھی کہ کسی کام کے لیے پیشگی تیاری اس کام کے لیے دل میں شوق اور جذبہ کا مظہر ہوتی ہے اور اس کام میں اس کے وقت سے پہلے شریک ہونے کی سعادت مہیا کرتی ہے۔

شوق ملاقات کا ایک منظر ملاحظہ کیجیے۔

---

[1] مسند احمد، ج٥، ص ١٩١، رقم: ٢١٧١٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے کوہ طور پر بلایا، اور چالیس دن کی مدت مقرر فرمائی، کہ چالیس دن طور کے دائیں جانب ٹھہرو، اور مدت گزرنے پر پھر تمہیں ہدایت نامہ عطا کیا جائے گا۔ جب مدت پوری ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے پہلے جلدی جلدی روانہ ہوگئے اور حاضری دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا:

﴿وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾ (طٰه: ٨٣)

''اے موسیٰ تمہیں کون سی چیز اپنی قوم سے جلدی لے آئی؟

﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾ (طٰه: ٨٤)

''عرض کیا: وہ بھی میرے پیچھے پیچھے ہی آرہے ہیں، میں جلدی کر کے حاضر ہو گیا ہوں، اے میرے رب تاکہ تو مجھ سے خوش ہو جائے۔''

یہ ہے شوقِ ملاقات۔

تو رمضان المبارک جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے ایک بہت بڑی عنایت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت حاصل کرنے کا شوق ظاہر کریں اور اس کی طرف لپکیں۔ ہم یہ ثابت کریں کہ رمضان المبارک ہم پر بوجھ نہیں بلکہ ہمارے دلوں کی بہار ہے، ہم اس کے منتظر ہیں، ہم اس کے لیے بے چین و بے قرار ہیں، جس طرح کہ ہمارے اسلاف رمضان المبارک کے انتظار میں بے قرار رہتے تھے۔ وہ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے رمضان المبارک پانے کی دعائیں کرتے۔ اور جب گزر جاتا تو قبولیت کی دعائیں کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ صرف فرائض کی ادائیگی نہیں بلکہ ان سے متعلق ہمارے دلوں کی کیفیت دیکھتے ہیں، ہماری چاہت، ہماری طلب اور ہماری تڑپ دیکھتے ہیں۔

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ.)) [1]

---

[1] مسند احمد، ج٢، ص ٢٨٤، رقم: ٧٨١٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال و دولت نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔‘‘

بندہ اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ابتدا بندے کی طرف سے ہوگی، ہاں توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان دیا ہے، عقل دی ہے، صحت دی ہے، وسائل دیے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہے، اب فجر کی نماز میں آنے کی راہ میں کیا چیز رکاوٹ ہے! بس یہی کہ ہم چاہتے نہیں ہیں، جب اپنی چاہت کا اظہار کریں گے تو پھر دیکھنا قربتیں کس طرح بڑھتی ہیں۔

حدیث میں ہے، مشہور حدیث ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا .))

’’جب میرا بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ذراع (ہاتھ، کہنی تک) اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔‘‘

((وَاِذَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا .))

’’اور جب وہ ایک ذراع میرے قریب آتا ہے تو میں بازو بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔‘‘

((وَاِذَا اَتَانِي يَمْشِي ، اَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً .)) ❶

اور جب وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں

اللہ تعالیٰ تو منتظر ہیں کہ ہم اپنی چاہت کا اظہار کریں۔ وہ کہتا ہے کہ:

﴿اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر: ٦٠)

’’مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔‘‘ مانگو تو سہی میں قبول کرتا ہوں۔

❶ بخاري: ٧٤٠٥.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ نے تمام اسباب اور وسائل مہیا کر کے ہم پر حجت قائم کر دی ہے، اب اگر ہماری طرف سے چاہت کا اظہار نہیں ہوتا، رضا مندی کا اشارہ نہیں جاتا تو وہ عنایت نہیں ہونے والی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔

﴿اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ﴾ (هود: ٢٨)

''تم ماننا نہ چاہو تو ہم یہ ہدایت زبردستی تمہارے سر چپیک دیں۔'' یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔''

لہٰذا ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم اس ہدایت کے اہل ہیں، اس کے خواہشمند اور طلبگار ہیں۔

رمضان المبارک کی تیاری کس طرح کریں؟ بہت سی چیزیں ہوسکتی ہیں، مگر ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وقت نکالنا ہوگا۔ لیکن اگر معاملہ یہ ہو کہ:

''وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔'' تو پھر ڈر ہے کہ کہیں ہم جبریل علیہ السلام کی بددعا اور اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کے مستحق نہ ٹھہرا دیے جائیں۔ جس میں جبریل علیہ السلام بددعا کرتے ہیں:

((بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهٗ، فَقُلْتُ آمِيْن .)) [1]

اس شخص کے لیے دوری ہو، جس نے رمضان کو پایا مگر اس کی بخشش نہ ہوسکی، آپ نے فرمایا: آمین۔

ہماری ایمانی حالت کس حد تک پتلی ہے بلکہ ابتر ہے کہ ایک تو ہم رمضان المبارک سے مستفید نہیں ہوتے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہم ہیرا پھیری اور بے ایمانی کے لیے کمربستہ ہو

[1] شعب الایمان، ج٣، ص ١٣٤، رقم: ١٤٧١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں۔خراب چیزیں رمضان المبارک میں بیچتے ہیں، قیمتیں بڑھا دیتے ہیں اور پرانا مال دھوکہ دہی سے نکالتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ چیزیں سستی کریں الٹا مہنگی کر دیتے ہیں حالانکہ رمضان المبارک تو بالخصوص ہمدردی اور خیر خواہی کا مہینہ ہے، لوگوں کو کھانا کھلانے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مہینہ ہے، مگر یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے، تاہم یہ باتیں ہم سب کے لیے ایک نصیحت ہیں۔

﴿إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ﴾ (عبس : ۱۱، ۱۲)

''یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔''

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سرعام رکھ دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان کی تیاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (اٰل عمران : ۱۳۳)

گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں رمضان المبارک کے لیے تیاری کی ضرورت واہمیت پر بات ہو رہی تھی، کہ کسی بھی اہم کام کے لیے تیاری نہایت ہی ضروری اور اہم ہوتی ہے۔ تو چونکہ کسی کام کے لیے تیاری، اس کام سے متعلق آدمی کی خلوص نیت اس کی سنجیدگی، اس کے عزم وارادے کی پختگی اور صداقت کی دلیل ہوتی ہے، جیسا کہ گزشتہ خطبہ جمعہ میں ہم نے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اپنے دعوے میں جھوٹا ہونے کی ایک دلیل یہ بیان فرمائی کہ

﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ (التوبة : ٤٦)

اگر ان کا جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس کے لیے تیاری کرتے۔ یعنی تیاری دلیل ہے آدمی کے اپنے مقصد کے ساتھ مخلص اور سچا ہونے کی۔ لہٰذا تیاری کی اس قدر اہمیت کی بنا پر آج ہم تیاری کے متعلق کچھ مزید جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

تیاری کے متعلق ایک بنیادی بات یہ یاد رہنی چاہیے کہ تیاری جہاں ایک طرف آدمی کے اپنے مقصد کے ساتھ مخلص اور سنجیدہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے، وہاں تیاری کے دیگر متعدد فوائد بھی ہیں۔ ایک یہ کہ تیاری آدمی کو کسی معین کام، کسی خوبی اور کسی صلاحیت کو ذہنی اور جسمانی طور پر قبول کرنے کے قابل بناتی ہے، اس میں شوق، جذبہ اور رغبت پیدا کرتی ہے، اس کام سے متعلق آدمی میں موجود پوشیدہ قوت کو ابھارتی ہے، اس میں قوت اور نشاط پیدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے، اس کے لیے اصل کام سے پہلے مشق کا کام دیتی ہے، جیسے کھیل سے پہلے کھلاڑی وارم اپ ہوتے ہیں، ہلکی پھلکی ورزش کرتے ہیں تاکہ کھیل کے لیے جسم لچکدار اور مانوس و مالوف ہو جائے۔ ایسے ہی عبادت کے لیے بھی کچھ ایسا ہی اصول ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ .)) ❶

''جب تم میں سے کوئی رات کو قیام کرے تو دو ہلکی رکعتوں کے ساتھ افتتاح کرے۔''

یعنی جب کوئی رات کو تہجد کے لیے اٹھے تو پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھے، تاکہ بعد میں لمبا قیام اس کے لیے آسان ہو جائے۔ اور خود آپ ﷺ کا اپنا بھی یہی معمول تھا، حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ مِنَ اللَّيْلِ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ .)) ❷

''آپ ﷺ رات کی نماز کو یعنی تہجد کو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرتے۔ اور پھر لمبا قیام فرماتے، اتنا لمبا کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔''

تو یہ طریقہ کار تہجد کی تیاری کے ضمن میں آتا ہے، اگرچہ تہجد کی تیاری میں کچھ اور باتیں بھی ہیں، جیسا کہ رات کو عشاء کے بعد جلدی سونا وغیرہ۔

اسی طرح رمضان المبارک کی تیاری کے حوالے سے بھی آپ ﷺ کا معمول تھا کہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے، تقریباً تقریباً مہینہ بھر روزے رکھتے۔

---

❶ مسلم : ٧٦٨ .

❷ البیهقی ، ج٣ ، ص ٦ ، رقم : ٤٤٤٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

((مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ، وَ مَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ.)) [1]

''میں نے آپ ﷺ کو رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے دنوں کے روزے رکھتے نہیں دیکھا، اور شعبان کے علاوہ کسی مہینے میں سب سے زیادہ روزے رکھتے نہیں دیکھا۔''

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ اِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَزَّوَجَلَّ، فَاُحِبَّ اَنْ يُرْفَعَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ.)) [2]

''اس مہینے میں یعنی شعبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔''

اور ایک سبب یہ بھی ہے کہ رمضان سے پہلے روزوں کی گویا ایک مشق سی ہو جائے، نفس اس عمل سے مانوس ہو جاتا ہے، اس کی اہمیت کا اظہار اور اس کا استقبال بھی ہو جاتا ہے، جیسے فرض نماز سے پہلے اور بعد میں سنتیں ادا کی جاتی ہیں، جو کہ گویا نماز شروع کرنے اور ختم کرنے کے آداب ہیں۔

سنتوں کے بغیر فرض نمازوں کا ذرا تصور کریں تو لگتا ہے جیسے کوئی سرسری سا کام انجام دے کر فارغ ہوئے ہیں، سنتیں ان کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں اور دوبالا کرتی ہیں۔

رمضان المبارک کی تیاری کے حوالے سے سلف صالحین رحمہم اللہ کا طرز عمل بھی ہم دیکھتے ہیں تو وہ بڑا پرشوق اور جوش وخروش اور ولولے سے بھرپور ہوتا، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ:

((كان اصحاب رسول الله ﷺ اذا استهل شهر شعبان اكبوا

[1] مسلم: ١١٥٦۔ [2] النسائی، رقم: ٢٣٥٦۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی المصاحف فقرؤوها واخذوا زكاة اموالهم فقووا بها الضعيف والمسكين على صيام شهر رمضان .)) [1]

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب شعبان کا مہینہ شروع ہوتا تو قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے، اپنے مال کی زکاۃ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرتے تاکہ رمضان المبارک کے روزوں میں انہیں تقویت مل سکے۔''

اور ابو بکر البلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((شهر رجب شهر الزرع .))

''رجب کا مہینہ تخم ریزی اور بیج بونے کا مہینہ ہے۔''

((وشهر شعبان شهر سقی الزرع .))

''اور شعبان کا مہینہ آبیاری کا مہینہ ہے۔''

((وشهر رمضان شهر حصاد الزرع .))

''اور رمضان کا مہینہ کھیتی کاٹنے کا مہینہ ہے۔''

اور فرمایا:

((ومن لم يزرع و يَغْرِس فی رجب ، ولم يَسقِ فی شعبان ، فكيف يُريد ان يَحصُدَ فی رمضان .))

''جو شخص رجب میں بیج نہیں بوتا، شعبان میں اس کی آبیاری نہیں کرتا، وہ رمضان میں فصل کاٹنے کی کیسے امید لگا لیتا ہے۔''

تو کسی بھی اہم کام کی تیاری کی اہمیت کو ہم نے سمجھا اور رمضان المبارک کا مہینہ تو یقیناً ایک بہت ہی اہم اور مبارک مہینہ ہے، اس میں لیلۃ القدر ہے جو کہ ہزار مہینے سے بہتر ہے، اور ((من حُرِمَها فقد حرم الخير كله .)) جو اس رات کو پانے سے محروم رہا وہ ہر

[1] حاشية قواعد ابن رجب لابی عبيدة مشهور بن الحسن ، ج٣، ص ٢٩١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیر سے محروم رہا۔ ((ولا یُحرم خیرَھا الا محروم)) اور اس خیر کو پانے سے صرف بدنصیب ہی محروم رہتا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ کیا رمضان المبارک کی اہمیت کو ہم ایسے ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے اور کیا ہم واقعی اس سے صحیح معنوں میں مستفید ہونا چاہتے ہیں اور کیا ہم جبریل علیہ السلام کی بددعا اور آپ ﷺ کی اس پر آمین کے مستحق ہونے سے بچنا چاہتے ہیں۔ حدیث میں جس بدنصیب کا ذکر کیا گیا ہے کہ لیلۃ القدر کو پانے سے صرف بدنصیب ہی محروم رہتا ہے، کیا ہم وہ بدنصیب ہونے سے بچنا چاہتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اس کے لیے مناسب تیاری کر رکھی ہے؟

اس کا جواب شاید مشکل ہو! لیکن شاید اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی، اب بھی اس کی تیاری کی جا سکتی ہے اور وہ یوں کہ رمضان المبارک سے جس طرح مستفید ہونا چاہتے ہیں اس کی اب سے نیت کر لیں، نیت خالص اور پختہ ہو، اور عزم مصمم ہو۔ پھر اگر کسی وجہ سے رمضان المبارک نہ بھی پا سکیں، تو اللہ کے فضل سے اس کے اجر سے ہرگز محروم نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کتنا بڑا کرم اور احسان ہے کہ محض نیت خالص کر لینے سے اجر کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے چاہے بالفعل اسے وہ عمل کرنے کا موقع نہ بھی ملے۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ﴾ (النسآء: ۱۰۰)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکل کھڑا ہو، پھر اسے موت آ جائے، تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسان کی نوید متعدد احادیث میں بھی سنائی گئی ہے جیسا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہ حدیث میں ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((اِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِیْ بِأَنْ یَعْمَلَ حَسَنَةً ، فَأَنَا اَکْتُبُهَا لَهٗ حَسَنَةً مَا لَمْ یَعْمَلْهَا .))

''جب میرا بندہ اپنے دل میں نیک کام کرنے کی نیت کرتا ہے تو میں اُسے اُس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں، جب تک کہ اس نے ابھی نیکی کی نہیں ہوتی۔''

((فَاِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا اَکْتُبُهَا لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا .))

''لیکن جب وہ نیکی کر لیتا ہے تو میں اس ایک نیکی کو اس کے لیے دس گنا کر کے لکھ دیتا ہوں۔''

((وَاِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ یَعْمَلَ سَیِّئَةً فَاَنَا اَغْفِرُ لَهٗ مَالَمْ یَعْمَلْهَا))

''اور جب وہ کسی برائی کرنے کا ارادہ اور نیت کرتا ہے تو جب تک وہ برائی نہیں کرتا میں اسے بخش دیتا ہوں۔''

((فَاِذَا عَمِلَهَا فَاَنَا اَکْتُبُهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا .))[1]

''لیکن جب وہ برائی کر لیتا ہے تو میں اسے اس کے لیے ایک ہی برائی لکھتا ہوں۔''

اب سوال یہ ہے کہ رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے لیے آپ کیا نیت کرنا چاہیں گے؟ کوئی شاید یہ کہے کہ رمضان المبارک میں روزے رکھیں گے، تراویح پڑھیں گے بس یہی نیت ہے۔ مگر یہ نیت تو کم از کم ہے، اس کے بغیر تو رمضان المبارک کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

رمضان المبارک سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے کا مطلب کچھ اضافی کام کرنا ہے۔ جیسے: کم از کم ایک بار پورے قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ اور دل کھول کر صدقہ و خیرات کرنا وغیرہ۔

---

[1] مسلم: ۱۲۹ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رمضان المبارک میں یوں تو انواع و اقسام کی نیکیاں کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس نیکی کو رمضان المبارک سے ایک خاص نسبت بھی ہے، اور وہ یہ کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں بالخصوص زیادہ صدقہ کیا کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمْضَانَ .))

آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کرنے میں بہت سخی تھے اور رمضان میں تو اور بھی زیادہ سخی ہو جاتے۔"

((كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ الْقُرْآنَ .))

"رمضان المبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام ہر رات تشریف لاتے اور نبی کریم ﷺ انہیں قرآن مجید سناتے۔"

((فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ .)) ❶

"جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے، تو آپ ﷺ کی سخاوت تیز ہواؤں سے بھی زیادہ بڑھ جاتی۔"

صدقہ ایک ایسا عمل ہے جو روزانہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ .)) ❷

"صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور بری موت سے بچاتا ہے۔"

بری موت سے بچانے کا مطلب ہے کہ گناہ اور معصیت کے راستے پر موت نہیں آتی۔

---

❶ بخاري: ١٩٠٢، مسلم: ٢٣٠٨. ❷ ترمذي: ٦٦٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنا کس قدر ہماری ضرورت ہے ہم سے روزانہ کتنے ایسے کام سرزد ہو جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آتا ہے، بہت سے ہوں گے۔ ہم انہیں گناہ نہ سمجھیں یا ہمیں ان کے گناہ ہونے کا علم نہ ہو یہ الگ بات ہے، مگر یقیناً بہت سی باتیں ایسی کہہ جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوتی ہیں۔ جیسے کسی کی دل آزاری کرنا، کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا وغیرہ۔

اور کسی مسلمان کی دل آزاری کرنا چھوٹی بات نہیں، بہت بڑی بات ہے، بہت سنگین جرم ہے اور کسی غریب آدمی کا یا کسی دیندار آدمی کا مذاق اڑانا تو ہم گویا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اپنے بڑکپن کی علامت سمجھتے ہیں اور چوہدراہٹ کے لیے لازمی سمجھتے ہیں، یا اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں بہت بڑا جرم ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیسی کیسی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی ہیں جنہیں ہم نے آزاد چھوڑ رکھا ہے، مگر وہ کیسی کیسی سنگین ہوسکتی ہیں، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ ، لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَافِيْ جَهَنَّمَ .)) [1]

”کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا، یعنی معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے۔“

((يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ))

”جبکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرتا چلا جاتا ہے۔“

اگر ہم جاننا چاہیں کہ جو باتیں ہم معمولی سمجھ کر کہہ دیتے ہیں وہ حقیقت میں کتنی سنگین ہوسکتی ہیں تو انہیں اس معیار پر پرکھ کر جان سکتے ہیں۔

---

[1] بخاري: ٦٤٧٨.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ صَفِيَّةَ إِمْرَأَةٌ وَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا كَاَنَّهَا تَعْنِي قَصِيْرَةٌ .))

فرماتی ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ صفیہ جو ہیں وہ یوں ہیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا، یعنی چھوٹے قد کی ہیں۔"

فَقَالَ: ((لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ .)) ❶

تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو اسے بھی آلودہ کر دے۔"

اندازہ کریں جس بات کو ہم بھی معمولی سمجھتے ہیں وہ کتنی سنگین ثابت ہوئی، بلکہ ہم تو اس سے کہیں آگے ہیں اور شیطان ہمیں نت نئے طریقے سمجھاتا ہے۔

مثلاً کچھ لوگوں کا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ اگر دو آدمیوں کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو تو ان میں سے کسی ایک کو چھیڑ کر کہ وہ کیا معاملہ تھا، اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، دوسرا آدمی شروع ہو جاتا ہے، اور وہ صاحب انجوائے کر رہے ہوتے ہیں، مگر اپنے آپ کو یوں مطمئن کر رکھا ہوتا ہے کہ میں نے تو کوئی بات ہی نہیں کی۔

ہاں تو صدقے کی بات ہو رہی تھی کہ صدقہ روزانہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے، ایک تو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اس کا غصہ دور کرتا اور بری موت سے بچاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ فرشتے صدقہ نہ کرنے والے کے لیے بددعا کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ .))

❶ ترمذی: ۲۵۰۲.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”ہر روز، ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔“

((فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا .))

”ان میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے اسے نعم البدل عطا فرما۔“

((وَيَقُوْلُ الآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا .))[1]

”اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! ہاتھ روک لینے والے کو تباہ کر دے۔“

یوں تو الحمد للہ جو بھی حدیث بیان کی جاتی ہے ایمانداری سے تحقیق کر کے صحیح حدیث بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر صرف اس بات پر آپ کی توجہ دلانے کے لیے بتا رہا ہوں کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے، یعنی یہ حدیث بخاری اور مسلم کی ہے۔ اور بخاری اور مسلم دو ایسی کتابیں ہیں کہ پوری امت مسلمہ کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں تمام احادیث صحیح ہیں۔ بات میں تاکید پیدا کرنے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ایسا ہوتا ہے جس طرح آپ ﷺ بسا اوقات کوئی بات قسم کھا کر ارشاد فرماتے، جس کا مقصد اس کی اہمیت بیان کرنا ہوتا۔

تو صدقے سے متعلق یہ حدیث بہت ہی اہم ہے، لہٰذا ہر روز صدقہ کریں، ضروری نہیں کہ بڑی اماؤنٹ ہی ہو تو صدقہ ہوگا بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق روزانہ صدقہ کریں۔ البتہ صدقہ کرتے وقت اتنی بات ضرور ذہن میں رہے کہ ریا کاری نہ ہو اور کسی کی دل آزاری نہ ہو، جس کو صدقہ دے رہے ہیں اس کی عزت نفس کا خیال رہے۔ اس معاملے حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اک مثالی طرز عمل ہے۔

حضرت ابن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نہایت سخی تھے، کوفہ کے گورنر بھی رہے اور مدینہ منورہ کے گورنر بھی رہے۔ ایک بار ان کی مجلس میں ایک فقیر اور ضرورت مند مگر خوددار شخص آ کر بیٹھ

[1] بخاري: ١٤٤٢.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ سخت تنگی کے حالات میں اس کی بیوی نے کہا کہ ہمارے امیر کی سخاوت کا بڑا چرچا ہے۔ ذرا ان سے اپنے حالات کا ذکر کر کے دیکھو۔ اس نے کہا: مجھے کیوں شرمندہ کرنا چاہتی ہو! بیوی نے اصرار کیا۔ چنانچہ وہ گیا اور چپ کر کے مجلس میں بیٹھا رہا، لوگ چلے گئے مگر وہ پھر بھی بیٹھا رہا لیکن خاموش۔

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کوئی کام، کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ، مگر وہ خاموش رہا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اپنے خادموں سے کہا: تم لوگ چلے جاؤ، حضرت سعید رضی اللہ عنہ پھر اس شخص سے مخاطب ہوئے: اب میرے اور تمہارے سوا یہاں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ کہو کیا کام ہے؟

پھر بھی خاموش۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے چراغ بجھا دیا، اور فرمایا: اب تو تم میرا چہرہ بھی نہیں دیکھ رہے، کہو کیا کام ہے؟

پھر اس نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا۔ تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھیروں مال، غلہ اور چند غلام دیے۔

علماء کرام اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا چراغ بجھانا ان کے صدقہ کرنے سے زیادہ بڑا عمل ہے۔

آج ہمارے ہاں کوئی صدقہ کرنا چاہے تو پہلے ٹی وی چینل والوں کو بلایا جاتا ہے، اور پھر غریب کے سر پر آٹے کی بوری رکھتے ہوئے فوٹو بنوائی جاتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان سے فائدہ کیسے اٹھائیں؟

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم، اپنی مشیئتِ عادلہ اور حکمت بالغہ کے تحت اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا، اور اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے اسے میدان تنافس وتسابق قرار دیا، اور اپنی خصوصی عنایت ونوازش کرتے ہوئے تھوڑی سی سعی وجہد اور عمل قلیل پر اجر کثیر عطا فرمایا، اور پھر احسان در احسان یہ فرمایا کہ اپنے بندوں کو مزید اجر وثواب سے نوازنے کے لیے نیکیوں کے مواقع اور مواسم مقرر فرمائے کہ جس میں بندوں کو نیک عملوں کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک بھی انہی موسموں میں سے ایک اور سب سے اہم موسم ہے، جو کہ نیکیوں کا موسم بہار ہے، تزکیہ وتربیت اور توبہ واستغفار کا مہینہ ہے۔

اس مبارک مہینے کی عظمت وفضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، اور ایسی واضح تعلیمات ہیں جو راہ راست دکھانے والی ہیں، اور حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و باطل میں فرق کرنے والی ہیں۔''

لہٰذا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نوازش کی، اس کے اس فضل واحسان اور اس کی اس پیشکش کی قدر کی جائے، اس سے مستفید ہونے کی بھرپور کوشش کی جائے اور اس کا خوب اہتمام اور تیاری کی جائے۔ اور یقیناً ہر سچا مسلمان اس سے ضرور مستفید ہونا چاہے گا، اور نہیں چاہے گا کہ یہ موقعۂ غنیمت اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ اس سعادت سے محروم ہو جائے۔ اور یہ بہت بڑی بدنصیبی، بدبختی اور بے ادبی ہوگی اگر اللہ تعالیٰ کی اس پیشکش کو نظر انداز کر دیا جائے اور ٹھکرا دیا جائے۔

سب جانتے ہیں کہ ہم میں سے اگر کسی کی پیشکش کی قدر نہ کی جائے، اسے بے نیازی سے ٹھکرا دیا جائے، تو اس کے اس طرز عمل کو تحقیر اور توہین پر محمول کیا جاتا ہے، اور اسے تکبر کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں لوگوں کے طرز عمل کو اگر دیکھیں تو اس میں لوگوں کی دو قسمیں نظر آتی ہیں، اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى﴾ (الليل : ٤)

''یقیناً تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔''

پھر ایک قسم یہ بیان فرمائی کہ

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰىo وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰىo﴾

(الليل : ٥ ـ ٧)

''جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا، تقویٰ اختیار کیا اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے۔''

﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰىo﴾ (الليل : ٨ تا ١٠)

''اور جس نے بخل کیا، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا۔ بے نیازی برتی۔ اور بھلائی کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جھٹلایا تو ہم اسے تنگی اور سخت راستے کی سہولت دیں گے۔''

ان آیات کی تفسیر وتشریح تو تفصیل طلب ہے، جو کہ اس وقت بیان نہیں کی جا سکتی، اس وقت یہاں عرض کرنا مقصود یہ ہے کہ نیکی کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ کی تمام تر عنایات اور نوازشات کے باوجود، اس کی خصوصی توجہ اور التفات اور اس کے خصوصی انعام واحسان اور پیشکش کے باوجود ایک قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو نیکی کے معاملے میں بے نیازی اور بے اعتنائی اختیار کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی حالت بیان کرنے کے لیے بدبختی اور بدنصیبی سے ہلکا اور کم تر کوئی لفظ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اور وہ کہ جن کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰیo وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰیo﴾

''جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، تقویٰ اختیار کیا اور بھلائی کی تصدیق کی۔''

وہ تو یقیناً خوش قسمت اور خوش نصیب لوگ ہیں۔

میں یہاں اک تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر کرنا چاہوں گا، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سچائی کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں، تقویٰ اختیار کرنا چاہتے ہیں، رمضان المبارک سے مستفید ہونا چاہتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ کیسے مستفید ہوں، یا وہ رمضان المبارک سے استفادے کا اپنا مفہوم رکھتے ہیں، جو حقیقت سے لگا نہیں رکھتا، قرآن وحدیث سے مطابقت نہیں رکھتا۔

آج کی گفتگو یوں تو یکساں طور پر تمام قسم کے لوگوں کے لیے ہوگی مگر خصوصی طور پر اس تیسری قسم کے لوگ اس کے مخاطب ہوں گے۔

لہٰذا جو شخص اس مبارک مہینے کی برکتوں اور سعادتوں سے صحیح معنوں میں مستفید ہونا چاہتا ہے، اگر تو وہ اپنے اس دعوے اور مقصد سے سچا، مخلص اور سنجیدہ ہے، تو خلوص نیت کے بعد سب سے پہلا کام جو اسے کرنا ہوگا، وہ ہے تنظیمِ وقت، کرنا، یعنی اسے اس کے حصے کا مناسب وقت دینا ہوگا۔ اگر وقت نہیں دیں گے تو یقیناً استفادہ نہیں کر سکیں گے، یہ کوئی الہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین کا چراغ نہیں کہ ادھر آپ نے زبان سے استفادہ کہا تو استفادہ ہوگیا، بلکہ یہاں آپ کی سنجیدگی اور اخلاص کو پرکھا جائے گا۔

ہم سب خوب جانتے ہیں کہ کسی کام سے سنجیدہ ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے! ہم کام سے سنجیدہ ہوتے ہیں، لہٰذا کام کو وقت دیتے ہیں، اور ہم میں سے بہت سے لوگ کام کو ضرورت سے زیادہ وقت دیتے ہیں بارہ بارہ بلکہ بعض لوگ چودہ چودہ گھنٹے وقت دیتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وقت دیے بغیر کام نہیں ہوسکتا۔

اور تعجب ہے ایسی سوچ اور ایسی عقل پر کہ وقت دنیا کے کاموں کو دے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آخرت بن جائے۔

تَرجوا النجاةَ ولم تَسْلُك طريقتها

إنّ السفينةَ لا تَجرِی عَلی یَبَسٍ

''نجات اور کامیابی کے خواہاں ہو مگر اس کا رستہ اختیار نہیں کرتے، کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔''

اب ذرا حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے وقت کا حساب لگائیں: اگر آپ بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں اور آٹھ گھنٹے نیند، تو یہ بیس گھنٹے ہوگئے۔

بارہ گھنٹے اس لیے کہا کہ اگر کوئی دس گھنٹے کام کرتا ہو تو ایک گھنٹہ کام شروع کرنے سے پہلے اور ایک گھنٹہ کام ختم کرنے کے بعد کام ہی کی مد میں خرچ ہوتا ہے، تو یوں کم از کم بارہ گھنٹے ہوئے۔ باقی چار گھنٹے رہ گئے۔ اور چار گھنٹوں میں سے بیوی بچوں کو ٹائم دینا، گراسری کرنا اور دیگر ضروریات زندگی کے کاموں کے لیے دو گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔

باقی رہ گئے دو گھنٹے، اب خود ہی بتلایئے۔ گنجا نہائے گا کیا اور نچوڑے گا کیا؟

اگر آپ یہ چاہیں کہ خوش رہے شیطان بھی اور راضی رہے رحمان بھی۔ یا یہ کہ رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی، تو ایسے نہیں ہوسکتا، آپ کو ایک چیز کو اختیار کرنا ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں سے ایک کا نقصان تو اٹھانا ہی پڑے گا، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهُ اَضَرَّ بِآخِرَتِهِ .))

''جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کا نقصان کیا۔''

((وَمَنْ اَحَبَّ آخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاهُ))

''اور جس نے اپنی آخرت کو چاہا اس نے اپنی دنیا کا نقصان کیا۔''

((فَآثِرُوْا مَا یَبْقٰی ، عَلٰی مَا یَفْنٰی .)) [1]

''پس باقی رہنے والی کو فانی پر ترجیح دو۔''

دین پر چلیں گے تو دنیا جتنی مقدر ہے، پیچھے پیچھے آئے گی، دنیا کے پیچھے بھاگو گے تو دین تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔ وقت کو منظّم و مرتب کیے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔

وقت کے بارے میں یاد رکھیں کہ انسان کے پاس بڑا محدود سا وقت ہے، اس وقت کو کھیل کود، اور لہو ولعب میں گزار دیں یا دین کے لیے استعمال کر لیں، ہمیں اختیار دیا گیا ہے، حساب بعد میں ہوگا۔ امتحان کے اس محدود وقت کے بعد پیپر چھین لیا جائے گا، آپ نے اس میں صحیح لکھا، غلط لکھا یا خالی چھوڑا، اس کا حساب بعد میں ہونے والا ہے۔ (اللّٰھم حاسبنا حسابا یسیرا) آمین

تو جو شخص رمضان المبارک سے صحیح معنوں میں مستفید ہونا چاہتا ہے خلوصِ نیت کے بعد کرنے کا سب سے پہلا کام وقت کا کچھ حصہ رمضان المبارک کے لیے مخصوص کرنا ہوگا۔

اب آیئے یہ جانتے ہیں کہ اس وقت میں کرنا کیا ہوگا! فرض نمازیں پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرنا ہوں گی، یہ مرد حضرات کے لیے ہے، اور خواتین فرض نمازیں گھروں میں پڑھیں انہیں اوّل اوقات میں ادا کریں کہ عورت کے لیے گھر میں نماز افضل ہے، لیکن اگر وہ

[1] مسند احمد، ج ٤، ص ٤١٢، رقم: ١٩٧١٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر بھی نمازوں کے لیے مسجدوں میں جانا چاہیں تو آپ ﷺ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ:

((لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ کُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُیُوْتُهُنَّ خَیْرٌ لَهُنَّ .)) ❶

''تم اپنی عورتوں کو مساجد میں آنے سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔''

تو اگر کوئی شخص فرض نمازوں کو کسی بھی لحاظ سے نظر انداز کر کے نوافل پر زور دے اور سمجھے کہ وہ رمضان المبارک سے مستفید ہو رہا ہے، تو یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہوگا۔

یقیناً نوافل کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، مگر فرائض کی ادائیگی کے بعد، جیسا کہ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَیْهِ .))

''فرائض سے بڑھ کر کوئی ایسی میری پسندیدہ چیز نہیں ہے جس کے ذریعے میرا بندہ میرے قریب ہوتا ہے۔''

((وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ .)) ❷

''اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔''

یہاں نوافل سے مراد، نفل نماز ہی نہیں، جیسا کہ نفل سے مراد عموماً سمجھا جاتا ہے جب نفل کہیں تو عموماً نفل نماز سمجھا جاتا ہے مگر اس میں تمام اختیاری نیکیاں شامل ہیں جیسے نفلی روزے، نفلی صدقہ، (فرض صدقہ، زکاۃ ہوتا ہے) اسی طرح نفلی حج اور نفلی عمرہ وغیرہ۔

تو فرض نمازوں کی پابندی کے بعد کثرت سے نوافل کی ادائیگی کرنا۔ اور اس میں نفل نمازیں، قرآن پاک کی تلاوت، صدقہ خیرات اور کثرت سے تسبیحات پڑھنا اور ذکر

❶ ابوداؤد، رقم: ٥٦٧۔ ❷ بخاری: ٦٥٠٢۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اذکار کرنا۔

عموماً لوگ تسبیحات اور ذکر اذکار کو اتنی اہمیت نہیں دیتے، لوگ نماز اور تلاوت قرآن پاک کو ہی عبادت سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ عَمَلًا قَطُّ اَنْجٰی لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ .)) ❶

''کوئی آدمی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر ایسا عمل نہیں کرتا جو اسے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا ہو۔''

اور تسبیحات کی اہمیت کا اندازہ کیجیے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لِاَنْ اَقُوْلَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ .)) ❷

''میں سبحان اللہ، والحمد للہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہوں، یہ مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طوع ہوتا ہے، یعنی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔''

اسی طرح اور بہت سی تسبیحات ہیں جن میں سے بہت سی آپ کو معلوم ہوں گی، اور دعاؤں کی کتابوں میں بھی آپ کو مل جائیں گی، اور ان شاء اللہ آئندہ خطبات میں بعض کا ذکر کریں گے۔ رمضان المبارک سے مستفید ہونے کا ایک کام عمرہ کرنا ہے، یوں تو سال بھر میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے، مگر رمضان المبارک میں اس کی خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک میں کیے گئے عمرے کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے۔

حج کا متبادل نہیں ہوتا، کہ اگر رمضان میں عمرہ کر لیا تو حج کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ

---

❶ مسند احمد، ج٥، ص ٢٣٩، رقم: ٢٢١٣٢ .

❷ مسلم: ٢٦٩٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب ہے کہ حج کے برابر ثواب ہوگا۔ بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِي .)) ❶

"رمضان المبارک میں کیے گئے عمرہ کا ثواب میرے ساتھ کیے گئے حج کے ثواب کے برابر ہے۔"

لہٰذا اگر توفیق ہو، اور حالات اجازت دیتے ہوں تو ضرور کرنا چاہیے اور اگر کسی دوسرے کو کروا دیں تو بھی امید ہے اتنا ہی ثواب ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ((مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فَقَدْ غَزَا)) ❷ جس نے کسی غازی کو تیار کیا اس نے خود جہاد کیا۔"

اور حج اور عمرہ ایک بہت بڑی سعادت یوں بھی ہے کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ .))

"حاجی اور عمرے کے لیے آنے والے لوگ اللہ عزوجل کا وفد اور لشکر ہیں۔"

((دَعَاهُمْ فَأَجَابُوْهُ، وَسَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ .)) ❸

"اللہ تعالیٰ نے ان کو بلایا، وہ حاضر ہوگئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا۔"

اب یہاں ہم سب کے لیے اور بالخصوص ان حضرات کے لیے کہ جنہوں نے ابھی تک حج یا عمرہ نہیں کیا، ایک غور اور فکر کی بات ہے کہ کیا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارا نہیں جاتا بلایا نہیں جاتا، یا وہ خود اس آواز پر لبیک نہیں کہتے دونوں صورتوں میں بات فکر مندی کی ہے۔

ہاں اگر کسی کے سامنے کوئی مجبوری حائل ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

اور جنہوں نے پہلے حج وعمرہ کر رکھا ہے انہیں بھی مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ ابوداؤد: ۱۹۹۰. ❷ مسلم: ۱۸۹۵.

❸ ابن ماجة: ۲۸۹۳.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا .)) ❶

''ایک عمرہ سے دوسرا عمرہ درمیانی وقفے کا کفارہ ہوتا ہے۔''

جیسے ایک عمرہ، سال کے بعد دوسرا عمرہ، درمیانی وقفے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح فرمایا:

((وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ .)) ❷

''اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔''

رمضان المبارک میں کی جانے والی خصوصی عبادات میں سے ایک عبادت صدقہ خیرات ہے اور روزے داروں کے روزے افطار کروانا ہے۔

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ، غَيْرَ اَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا .)) ❸

''جس نے کسی روزے دار کا روزہ افطار کروایا، اس کو اس کے روزے کے اجر کے برابر اجر ملے گا، اور اس روزے دار کے اجر سے کچھ کم بھی نہیں کیا جائے گا۔''

یہاں یہ بات یاد رہے کہ کسی کا روزہ افطار کروانے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ غریب ہی ہو، بلکہ صرف روزہ دار ہونا شرط ہے۔

صدقہ اور روزہ، ان دو عبادات کا اکٹھا ہونا جنت کا مستحق ہونے کا باعث ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا، وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا .))

''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندر باہر سے دیکھا جا سکتا ہے اور باہر

---

❶ بخاري : ۱۷۷۳ .

❷ مسند احمد، ج۲، ص ۲٤٦، رقم : ۷۳٤۸ .

❸ ترمذي، رقم : ۸۰۷ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندر سے۔“

((اَعَدَّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ ، وَأَلَانَ الْكَلَامَ ، وَتَابَعَ الصِّيَامَ ، وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ .))❶

”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم گفتگو کرتے ہیں، پے در پے روزے رکھتے ہیں، اور راتوں کو نماز پڑھتے ہیں، جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔“

آخر میں جمعۃ المبارک کے اہتمام کے حوالے سے بھی ہمیں جاننا چاہیے اور اس کو مدنظر رکھنا چاہیے، جمعہ کے لیے جلدی آنا چاہیے۔

جیسا کہ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

تَقْعُدُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى اَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، فَيَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ وَالثَّانِيَ ، وَالثَّالِثَ ، حَتّٰى اِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ رُفِعَتِ الصُّحُفُ .))❷

”فرشتے جمعے کے دن مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور سب سے پہلے آنے والوں، دوسرے نمبر پر آنے والوں اور تیسرے نمبر پر آنے والوں کے نام لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب امام (خطبہ دینے کے لیے) نکلتا ہے تو دفاتر اُٹھا لیے جاتے ہیں۔“

❶ شرح السنة للبغوی، ج٤، ص ٤١، رقم: ٩٢٨.
❷ مسند احمد، ج٥، ص ٢٦٠، رقم: ٢٢٢٩٦.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزے کی قدر ومنزلت کو جانیے

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة : ١٨٥)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔''

روزہ فرض عبادات میں سے سب سے بلند مرتبہ فریضہ ہے، اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایک نہایت ہی اہم عبادت ہے اور ایسی پوشیدہ عبادت ہے کہ جس میں ریا کاری کا ڈر ہے، نہ نمود ونمائش کا خدشہ اور نہ شہرت کا اندیشہ۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں شوخی اور چلبلا پن نہیں، دھوم دھام اور شور شرابہ نہیں، بلکہ سکون اور قرار ہے، خاموشی ہے، متانت اور سنجیدگی ہے۔

یوں تو اسلام میں تمام عبادات ہی پر وقار اور سنجیدہ قسم کی ہیں، مگر کچھ لوگوں نے محض جذبات کی رو میں بہہ کر اور اغیار کے طریقہ عبادت اور دین کے ساتھ ان کی عقیدت، تعلق اور وابستگی کے اظہار کے انداز اپناتے ہوئے اسلام میں بھی بہت سے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں کہ جن میں شوخی ہے، شور شرابہ ہے، ہلا گلا ہے، دھوم دھام ہے جشن اور میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسے امور اسلام کی روح سے متصادم اور منافی ہیں، اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں، کہ وہ خودساختہ ہیں۔

تو روزہ پوشیدہ اور خاموش عبادت ہونے کے اعتبار سے اسلام کی تمام عبادات میں سرفہرست ہے، ریا کاری سے دوری اور بعد کے لحاظ سے بھی سب پر مقدم ہے۔

اب اس وقت جتنے لوگ مسجد میں موجود ہیں سب کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ نماز کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں، مگر ان میں کتنے لوگ روزے سے ہیں اور کتنے لوگ کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عذر کی بنا پر روزے سے نہیں ہیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح دیگر عبادات بھی ہیں، زکاۃ ہو، حج ہو، صدقہ خیرات ہو، ان عبادات کی ایک ظاہری شکل ہوتی ہے، لہٰذا وہ دیکھی بھی جا سکتی ہیں اور ان میں ریاکاری کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔

مگر روزے کی ظاہری شکل میں ریاکاری کا کوئی خطرہ اور کوئی امکان نہیں ہے، ہاں اگر کوئی اپنی زبان سے اور الفاظ کے ذریعے ریاکاری کرنا چاہے تو وہ ممکن ہے اور وہ بھی نفلی روزے میں، کیونکہ فرض روزے کے بارے میں تو بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ کوئی روزے سے ہے کیونکہ ہر آدمی روزے سے ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ .)) ❶

”جس نے دکھلاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔“

لیکن جہاں تک روزے کی ظاہری شکل کا تعلق ہے، تو اس میں ریاکاری کا کوئی شائبہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ روزے کی شاید اسی خصوصیت، انفرادیت، اہمیت اور وصف وخوبی کی بنا پر اللہ فرماتے ہیں:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، اِلَّا الصَّوْمَ، فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ .)) ❷

”آدمی کا ہر عمل اس کے لیے ہے، سوائے روزے کے، کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

روزے کے سوا آدمی کا ہر عمل اس کے لیے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کا ہر عمل اس کے لیے کفارہ ہوسکتا ہے، سوائے

❶ شعب الايمان للبيهقي، ج٩، ص ١٦٥، رقم: ٦٤٢٧ .
❷ بخاري: ٥٩٢٧ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

روزے کے۔

((لِكُلِّ عَمَلٍ كَفَّارَةٌ، وَالصَّوْمُ لِيْ، وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ.)) ❶

’’ہر عمل کا کفارہ ہوتا ہے مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔‘‘

اور ایک حدیث میں ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ كَفَّارَةٌ اِلَّا الصَّوْمَ، وَالصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ.)) ❷

’’ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے کفارہ ہوتا ہے، سوائے روزے کے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔‘‘

اور ہر عمل کے کفارہ ہونے کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن آدمی کا اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ کوئی معاملہ ہے، کوئی لین دین ہے، کوئی گالی گلوچ اور کوئی ظلم وزیادتی ہے تو اس کا قصاص ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

((اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟))

’’کیا تم جانتے ہو کہ مفلس (غریب) کون ہے؟‘‘

((قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعٌ.))

’’عرض کیا: ہمارے ہاں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں، مال ومتاع نہ ہو، یعنی کنگال ہو۔‘‘

---

❶ بخاري: ٧٥٣٨.

❷ الخِلَعِيَّات لِأَبي الحسن الخِلَعِيّ ج ٢، ص ٣٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَ: ((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِی مَنْ یَأْتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَزَکَاةٍ، وَصِیَامٍ وَحَجٍّ .))

فرمایا: ''میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، زکاۃ، روزہ، اور حج جیسے اعمال لے کر آئے گا۔''

((وَیَأْتِی قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَکَلَ مَالَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا .))

''اور یوں بھی آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا۔''

((فَیُعْطَی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ .))

''اس ظلم وزیادتی کے بدلے کفارے کے طور پر ان کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔''

((فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ اَنْ یُقْضٰی مَا عَلَیْهِ، اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ .))

''اگر تمام مظالم کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں، تو پھر ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے۔''

((ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ .)) [1]

''اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' اعاذنا اللّٰہ منه

تو یوں آدمی کی نیکیاں اس کے لیے کفارہ بن سکتی ہیں مگر روزے کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا، اس کے گناہوں اور اس کے مظالم کے بدلے کفارہ نہیں بننے دے گا۔

رہا آپ ﷺ کا یہ فرمان:

((وَالصَّوْمُ لِی وَاَنَا اَجْزِی بِهٖ .)) [2]

---

[1] مسلم: ۲۵۸۱۔ [2] بخاری: ۷۵۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ”روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں ہی دوں گا۔“

تو اس کے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے متعدد مفہوم بیان کیے ہیں:

❀ ایک یہ کہ روزہ واحد وہ عبادت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی جاتی ہے کہ مشرکین بھی اپنے جھوٹے خداؤں کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرتے مگر روزہ نہیں رکھتے تھے۔

❀ ایک مفہوم یہ ہے کہ چونکہ روزہ خفیہ اور پوشیدہ عبادت ہے، جس میں ریا کاری کا خدشہ نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اپنی طرف نسبت کی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے۔

❀ اور ایک مفہوم یہ ہے کہ اس میں روزے دار کا کوئی ظاہری فائدہ نہیں ہے۔ جیسے: کوئی لذت ہو، کوئی سکون اور کسی خواہش کی تشفی اور تسلی اور تکمیل ہوتی ہو۔

❀ اور ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو شرف اور مقام دینے کے لیے اپنی طرف نسبت کی ہے۔

تاہم ان میں سے کوئی ایک مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور سارے بھی ہو سکتے ہیں تو روزہ تقرب الی اللہ کے لیے سب سے اہم عبادت ہے، اور اس عبادت کی بڑی خوبی اس کا خفیہ اور پوشیدہ ہونا ہے، مگر پوشیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ایک اجتماعی عبادت بھی ہے کہ سب لوگ ایک ساتھ روزے رکھ رہے ہیں۔ مگر اجتماعی ہونے کے باوجود بھی پوشیدہ ہی رہتی ہے۔

اور کسی عبادت کے اجتماعی ہونے میں یقیناً بہت سی حکمتیں ہوں گی، جن میں سے اس عبادت کے لیے لوگوں میں شوق اور جذبہ پیدا کرنا، ایمان بڑھانا، اور شوکت اسلام کا اظہار وغیرہ ہو سکتی ہیں۔

تاہم خوش ہونا چاہیے اس عبادت کی توفیق پر اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر زندگی میں ہمیں اس سے مستفید ہونے کا موقعہ عنایت فرمایا ورنہ ہم میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے کتنے ہیں جو گزشتہ سال ہم میں موجود تھے اور اس مبارک مہینے کی برکتوں سے مستفید ہو رہے تھے مگر آج وہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے، اپنے اعمال نامے میں ایک نیکی کا اضافہ بھی نہیں کر سکتے۔

اور آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی فوت شدہ شخص کی کیا تمنا ہو سکتی ہے، بالخصوص ہمارے جیسے کسی شخص کی کہ جس نے نیکیاں جمع کرنے میں سستی اور کاہلی اور بے توجہی سے کام لیا، اور ان قیمتی لمحات سے صحیح معنوں میں مستفید نہ ہوا بلکہ بائیس گھنٹے دنیا کے لیے مخصوص کیے اور صرف دو گھنٹے اپنی آخرت کے لیے؟

حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِقَبْرٍ فَقَالَ: ((مَنْ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ؟))

''آپ ﷺ کا گزر ایک قبر کے پاس سے ہوا تو فرمایا: اس قبر والا کون ہے؟''

فَقَالُوْا: فُلَانٌ .

''لوگوں نے کہا: فلاں شخص۔'' یعنی اس کا نام لیا۔

فَقَالَ: رَكْعَتَانَ اَحَبُّ اِلَى هٰذَا مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ . [1]

''فرمایا: اس شخص کے نزدیک دو رکعتیں تمہاری باقی تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔''

اس لیے آیئے اس موقع کو غنیمت جانیں اور اس سے مستفید ہونے کی کوشش کریں۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ ہمارے جیسے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے اپنی طویل گفتگو میں یوں مخاطب ہوتے ہیں، جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

((يَا مَنْ عُمْرُهُ كُلَّمَا زَادَ نَقَصَ .))

''اے وہ انسان کہ جس کی عمر جوں جوں بڑھتی جاتی ہے، توں توں گھٹتی جاتی ہے۔''

((يَا مَائِلًا إِلَى الدُّنْيَا هَلْ سَلِمْتَ مِنَ النَّقْصِ .))

[1] المعجم الأوسط للطبراني، ج١، ص ٢٨٢، رقم: ٩٢٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اے دنیا کی طرف جھکاؤ رکھنے والے! کیا اس گھاٹے اور نقصان سے تم محفوظ ہو؟“

((یَا مُفْرِطًا فِي عُمْرِهِ! هَلْ بَادَرْتَ الْفُرَصْ .)) ❶

”اے اپنی عمر کے معاملے میں افراط سے کام لینے والے۔“ اُسے فضولیات میں ضائع کر دینے والے، کیا تو نے موقعوں اور فرصتوں سے مستفید ہونے کے لیے عجلت و مستعدی سے کام لیا۔ کیا ان کی طرف لپکا اور دوڑا اور مسابقت اور مسارعت کی کوشش کی؟ یا اردو کے محاورے کے مطابق: زمین جنبد نہ جنبد گل محمد کہ زمین اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے مگر گل محمد اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا والا معاملہ ہے؟

کیا ان قیمتی لمحات سے مستفید ہونے کی کوشش کر رہے ہو یا اس بدنصیبی اور بدبختی کا شکار ہو رہے ہو جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (التوبة: ٣٨)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمھیں کیا ہو گیا ہے! کہ جب تمھیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے چمٹ کے رہ جاتے ہو۔“

﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ (التوبة: ٣٨)

”کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ یاد رکھو! یہ متاع حیات دنیا آخرت میں بہت کم نکلے گا۔“

یا کہیں اس شخص کی طرح تو نہیں ہو گئے؟ جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾

(الاعراف: ١٧٦)

❶ التبصرة لابن الجوزی، ص ٣٩٧.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا رہا۔''

اس کی حالت اس کتے کی سی ہوگئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے ہانپتا رہے، اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے ہانپتا رہے۔

یہ دنیا کی چہل پہل اور رونق ایک دھوکہ ہے، ایک دلدل ہے اگر ہم خواہش کریں گے تو اللہ کے فضل سے اس سے نکل پائیں گے، ورنہ اس دلدل میں دھنستے ہی چلے جائیں گے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا .

جسے دنیا کی رونق اور چمک دمک نے ڈھیر کر رکھا ہے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکیمانہ قول اور مثال پر غور کرنا چاہیے، شاید افاقہ ہو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَوْ اَنَّ الدُّنْیَا مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰی آخِرِهَا اُوْتِیَها رَجُلٌ وَاحِدٌ .))

''یہ دنیا شروع سے لے کر آخر تک، ساری کی ساری اگر کسی ایک شخص کو دے دی جائے۔''

((ثُمَّ جَاءَ هُ الْمَوْتُ .))

''اور پھر اسے موت آ جائے۔''

((لَكَانَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ رَأَى فِی مَنَامِهٖ مَا یَسُرُّهٗ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ فَاِذَا لَیْسَ فِی یَدِهٖ شَیْءٌ .)) [1]

''تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے اک نہایت ہی خوش کن خواب دیکھا، پھر آنکھ کھلی تو اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔''

بس اتنی سی ہے دنیا کی حقیقت۔

---

[1] مدارج السالکین لابن القیم، ج ۳، ص ۹۳ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس لیے جاگیں! ہوش میں آئیں، اس موقعۂ غنیمت سے مستفید ہوتے ہوئے، اس شرمندگی اور ندامت اور افسوس اور پشیمانی سے بچ جائیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے خبردار کر رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾ (المنافقون : ۱۰)

''اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے، اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب! کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔''

روزہ ایک بہت ہی عظیم عبادت ہے، اس کے دنیوی اور اخروی بہت زیادہ فوائد ہیں۔ اس سے جسمانی طور پر صحت وتندرستی ملتی ہے، اخلاقیات درست ہوتی ہیں اور آخرت بنتی ہے۔ روزہ سے تزکیہ وتربیت نفس ہوتا ہے، انسان صحیح معنوں میں انسان بن جاتا ہے، اس کی حیوانی خواہشات اور بری صفات کی جگہ اچھی صفات لے لیتی ہیں۔ اور انسان کی دنیا میں حیثیت، اس کا مقام ومرتبہ اس کی صفات حمیدہ کے لحاظ سے ہی ہوتا ہے۔

یوں تو ہر خوبی کا اپنا ایک فائدہ ہے، اپنی ایک حیثیت ہے، اور ہر صفت وخوبی کے حساب سے لوگ اسے عزت واحترام دیتے ہیں۔

- مثلاً اگر کسی کی آواز اچھی ہو تو عقیدت مندوں اور چاہنے والوں کا اور قدر دانوں کا اس کے گرد ایک حلقہ بن جاتا ہے۔
- خوش اخلاق وخوش گفتار ہو تو لوگ اس کے قریب ہوتے ہیں، اس کی بات غور سے سنتے ہیں اور لوگ اس کے گرد جمع ہوتے ہیں۔

اس خوبی کی کیا قیمت ہے، اندازہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

(آل عمران : ۱۵۹)

''اور اے پیغمبر اگر آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔''

اور آپ ﷺ تو مجموعہ خصال حمیدہ تھے، شاعر مولانا عبد الرحمٰن جامی نے آپ کی مدح میں کیا خوب کہا ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

''جس جس پیغمبر میں کوئی خاص خوبی تھی اور وہ سب کی سب تنہا آپ ﷺ میں موجود ہیں۔''

ایک خوبی سخاوت ہے، اس کی اہمیت کا سنتے چلیں۔ اس خوبی میں ایک خوبی یہ ہے کہ آدمی کی تمام خامیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

وَإِنْ كَثُرَتْ عُيُوْبُكَ فِي الْبَرَايَا
وَسَرَّكَ اَنْ يَكُوْنَ لَهَا غِطَاءُ

''اگر تمہارے عیوب معاشرے میں بہت ہو جائیں، اور تم چاہو کہ ان کی پردہ پوشی ہو۔''

تَسَتَّرْ بِالسَّخَاءِ فَكُلُّ عَيْبٍ
يُغَطِّيْهِ كَمَا قِيْلَ السَّخَاءُ

''تو سخاوت سے ان کی پردہ پوشی کرو کہ سخاوت ہر عیب کو ڈھانپ دیتی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک۔نعمت وغنیمت

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ١٨٣)

گزشتہ خطبات میں ہم نے رمضان المبارک کی فضیلت اور اہمیت جانی، یا یوں کہہ لیجیے کہ تجدیدِ معلومات کی، کیونکہ رمضان المبارک کی فضیلت و اہمیت سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے، یہ الگ بات ہے کہ دنیا کی رونق، چمک دمک، چہل پہل اور آب و تاب میں مگن اور مستغرق ہو جانے کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ ماندسی پڑ جاتی ہے، لہٰذا تجدیدِ معلومات سے قلوب واذہان میں اس کی اہمیت پھر سے تازہ ہو جاتی ہے ذوق وشوق بڑھ جاتا ہے، رغبت و چاہت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے پیشگی اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

اس مبارک مہینے کے قیمتی اور مبارک لمحات میں سے ایک ہفتہ گزر چکا ہے اور ابھی تک ہم نے اس سے مستفید ہونے کے طریقے نہیں جانے، تو آیئے اس سے مستفید ہونے کے طریقے جانتے ہیں۔

تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو وہی ہے جس کا کئی خطبات جمعہ سے ذکر ہوتا چلا آرہا ہے، اور جو سب سے بنیادی بات ہے، اس کے بغیر استفادہ ممکن ہی نہیں اور وہ ہے اس مبارک مہینے سے مستفید ہونے کے لیے خصوصی وقت نکالنا۔

دنیا کے بارے میں تو ہم سب کو معلوم ہے کہ وقت دیں گے تو کام ہوگا، اور جتنا وقت دیں گے اسی نسبت سے فائدہ ہوگا، مگر آخرت کے بارے میں یہ بات ہم میں سے اکثر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔ نہایت ہی تعجب اور افسوس والی بات ہے، اور خطرے والی بات ہے۔ خطرے والی بات اس لیے ہے کہ دین کے معاملے میں دوری اور محرومی اور بات سمجھ نہ آنا بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہو سکتی ہے، بالخصوص اس وقت جب دنیا کے حوالے سے نفع ونقصان کی باتیں خوب سمجھ آ رہی ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس بات سے پریشان ہو جاتے اگر انہیں قرآن پاک کی کسی آیت کا مفہوم سمجھ نہ آتا، جیسا کہ حضرت عمرو بن مُرَّہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا مَرَرْتُ بِاٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَا اَعْرِفُهَا اِلَّا اَحْزَنَنِىْ))

''میں قرآن پاک کی اگر کسی ایسی آیت سے گزروں جو سمجھ نہ آ رہی ہو تو وہ مجھے غمگین کر جاتی ہے۔''

((لِأَنِّيْ سَمِعْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ:))

''اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے کہ''

﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۝﴾

(العنكبوت: ٤٣) [1]

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر انہیں صرف علماء ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک کی کسی آیت کا معنی ومفہوم سمجھ نہ آنا کوئی معیوب بات نہیں ہے، بلکہ حکم ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾ (النحل: ٤٣)

''اگر کسی بات کا علم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھو۔''

معیوب بات یہ ہے کہ جاننے کی کوشش نہ کرنا، اور اگر بتائی جائے تو سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور سمجھ آ جائے تو عمل کی کوشش نہ کرنا۔

اور اگر کوئی ایسی بات ہو جو اظہر من الشّمس ہو، روز روشن کی طرح عیاں ہو، دو اور دو

[1] تفسير ابن ابى حاتم، ج ١٠، ص ٢٧٢، رقم: ١٧٣٢٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چار کی طرح واضح ہو تو اس کا سمجھ نہ آنا یقیناً خطرے والی بات ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ دل اس طرف مائل نہیں ہو رہا۔ اور دل کا دین کی طرف مائل نہ ہونا نہایت ہی سنگین خطرے والی بات ہے کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾ (الانفال: ۲۴)

اور جان رکھو! کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔

یعنی کافر کے کفر اور ایمان کے درمیان اور مومن کی اطاعت اور معصیت کے درمیان حائل ہے، وہ جب چاہتا ہے، جدھر چاہتا ہے، دلوں کو پھیر دیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، مگر وہ دلوں کو ان کی رغبت اور چاہت، ان کی خواہش اور میلان کے مطابق ہی پھیرتا ہے۔

وہ ہدایت کی بات سننے اور سمجھنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور سننے اور سمجھنے نہیں دیتا۔

﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ (الانفال: ۲۳)

''اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو اُن کو سننے کی توفیق دے دیتا۔''

اس لیے ایسی بات سمجھ نہ آنا کہ جو دو اور دو چار کی طرح واضح ہو، تعجب اور حیرانی والی بات بھی ہے اور خطرے والی بات بھی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ ہم سب کو بخوبی معلوم ہے کہ دنیا کو وقت دیں گے تو کامیاب ہوں گے، اور عملا ایسا ہوتا ہے، ہم سب کے مشاہدے میں ہے۔

مگر یہی اصول دین کے بارے میں ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتا! یہ بات قابل توجہ اور قابل غور ہے۔

اور اگر غور کرنے کا ارادہ ہو تو غور کرتے وقت دوسری آیات کے ساتھ اس آیت کریمہ کو بھی سامنے رکھ لیں۔

اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ﴾ (الانعام: ١٢٥)

اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اسے اسلام کی صداقت پر شرح صدر اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے، شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں، اسے اسلام کی باتیں سمجھ آنے لگتی ہیں، اس پر دنیا کی بے ثباتی عیاں ہو جاتی ہے، آخرت کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ اور وہ باتیں جو زندگی میں موت اور آخرت کے حوالے سے ایک غافل انسان کو سمجھ نہیں آ رہی ہوتیں، وہ موت کے وقت سمجھ آتی ہیں، اور خوب سمجھ آتی ہیں جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ۝﴾ (ق: ٢٢)

”اے انسان تو آج کے اس دن سے غفلت میں تھا! فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ وہ حجاب جو تمہارے دل، تمہارے کانوں اور تمہاری آنکھوں پر تھا، آج ہم نے ہٹا دیا ہے۔“

﴿فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ﴾

”آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔“

آج دنیا تمہیں اپنی اصلی حالت میں نظر آ رہی ہے، وہ محض نظر کا دھوکہ تھا، جس طرح دنیا تمہیں نظر آ رہی تھی، اور جس کی وجہ سے دنیا کو روزانہ بیس بیس گھنٹے دیتا تھا اور آخرت کو صرف امیدوں پر چھوڑ رکھا تھا۔ اور آخرت تمہاری خواہشات اور تمہاری تمناؤں اور آرزوؤں پر موقوف نہیں بلکہ۔

﴿وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا۝﴾ (النسآء: ١٢٤)

”اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہی جنت میں داخل ہوں گے اوران کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔''

تو دین کی باتیں سمجھ نہ آنے کی وجہ معلوم کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ سامنے رکھیں کہ ﴿فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ﴾ ''اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے''، اسے وہ باتیں جو نافرمانوں کو موت کے وقت سمجھ میں آتی ہیں کہ جب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اس انسان کو زندگی میں ہی سمجھ آنے لگ جاتی ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہو۔

﴿وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ﴾ (النسآء: ۱۲۵)

''اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے، اور ایسا بھینچتا ہے'' کہ اسلام کا اور نیکی کا تصور کرتے ہی اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے۔ ''جیسے وہ زور لگا کر آسمان میں چڑھ رہا ہے'' یعنی اس پر اسلام کی باتیں گراں گزرتی ہیں۔

بنیادی طور پر یہ بات منکرینِ حق کے لیے ہے مگر نام نہاد مسلمانوں اور دین بے زار لوگوں کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے کہ دین کی باتیں ان پر شاق گزرتی ہیں۔

تو رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے طریقے جاننے کی بات ہو رہی تھی اس ضمن میں سب سے پہلی اور بنیادی بات کا ذکر ہوا کہ وقت دیں گے تو استفادے کا سلسلہ شروع ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ کی رمضان المبارک کی صورت میں اس خصوصی عنایت پر خصوصی وقت نکالنے والوں کے لیے استفادہ کرنے کے چند طریقوں کا ذکر کرتے ہیں، اگرچہ نیکی کے راستوں اور طریقوں کی یقیناً ایک طویل فہرست ہے، بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں راستے اور طریقے ہیں۔

اور نیکی کے بارے میں یہ بات ہمیشہ مدنظر رہنی چاہیے کہ کسی نیکی کو حقیر اور معمولی نہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جاننا، کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ .)) ❶

''کسی نیکی کو کبھی حقیر مت جانو چاہے تم اپنے مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ہی ملو۔''

جو نیکی قبول ہو جائے وہی سب سے بڑی نیکی ہے، اور کون سی نیکی قبول ہونے والی ہے اور کون سی نہیں، کوئی نہیں جانتا۔ اور ایسے واقعات آپ نے یقیناً سن رکھے ہوں گے کہ کچھ لوگ معمولی سی نیکیوں کے سبب بخشے گئے، جیسا کہ کتے کو پانی پلانے والی عورت کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ وہ بخشی گئی۔

اسی طرح ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ .))

''ایک شخص ایک درخت کے پاس سے گزرا جس کی ایک ٹہنی لوگوں کے راستے پر پڑ رہی تھی، جو کسی کے لیے اذیت کا باعث بن سکتی تھی۔''

((فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَأُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ ، فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ .)) ❷

''اس نے کہا: واللہ میں ضرور اس شاخ کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دوں گا۔ (فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ) وہ اپنی سچی نیت پختہ ارادے اور عزم مصمم کے باعث جنت میں داخل کر دیا گیا۔''

یعنی اک معمولی سی نیکی کی محض نیت سے مغفرت و بخشش حاصل ہوگئی۔

اس حوالے سے اور بہت سی احادیث ہیں، مگر میں اس وقت صرف اتنا عرض کرنا چاہتا

❶ مسلم : ٢٦٢٦ . ❷ مسلم : ١٩١٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ کسی نیکی کو کبھی معمولی اور حقیر نہ جانیں، یعنی معمولی سمجھ کر ترک نہ کریں، نہ جانے وہی قبول ہونے والی ہو۔مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بڑی نیکی کی توفیق ہو تو اسے چھوڑ کر چھوٹی نیکی پر اکتفا کر لیں جیسا کہ صدقہ کرتے وقت بڑے بڑے نوٹ پیچھے ہٹاتے ہوئے، سب سے چھوٹا نوٹ نکال کر صدقہ کریں۔

صدقہ ان چند کاموں میں سے ایک ہے کہ جن کا ذکر رمضان المبارک میں کرنے والے کاموں کے حوالے سے کرنا چاہتے ہیں۔

قیامت کے دن دھوپ اور گرمی کس قدر شدید ہوگی، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ نے بارہا مرتبہ وہ حدیث سنی ہوگی۔جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَدْنُوْ الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى قَدْرِ مِيْلٍ .))

"قیامت کے دن سورج ایک میل کی مسافت سے قریب ہوگا۔"

((وَيُزَادُ فِي حرِّهَا كَذَا وَ كَذَا .))

"اور اس گرمی اور تپش میں ایسا ایسا اضافہ کیا جائے گا۔"

((يَغْلِيْ مِنْهَا الْهَوَامُّ كَمَا يَغْلِيْ الْقُدُوْرُ .))

"اس سے کیڑے مکوڑے اس طرح ابل رہے ہوں گے، جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے۔"

((يَعْرَقُوْنَ فِيهَا عَلٰى قَدْرِ خَطَايَاهُمْ .))

"لوگوں کا اس میں اپنے گناہوں کے حساب سے پسینہ بہہ رہا ہوگا۔"

((مِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلٰى كَعْبَيْهِ .))

"کوئی اپنے ٹخنوں تک ڈوبا ہوگا۔"

((وَمِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلٰى سَاقَيْهِ .))

"کوئی پنڈلیوں تک پسینے میں ڈوبا ہوگا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَمِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلٰى وَسَطِهِ .))

''کوئی درمیان تک ڈوبا ہوگا۔''

((وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ .)) ❶

''اور کوئی منہ تک پسینے میں ہوگا۔''

دنیا کی گرمی جو آخرت کی گرمی کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے اس کی شدت تو آپ نے دیکھ ہی لی، کہ دنیا میں ہزاروں لوگ گرمی کی شدت کی وجہ سے لقمہ اجل بنے۔

اس دنیا کی گرمی سے تو بچا بھی جا سکتا ہے اور ویسے بھی ایسی شدید گرمی صرف چند دنوں کی ہوتی ہے۔ مگر قیامت کے دن سورج کی گرمی سے بچنے کے لیے دنیا کا کوئی وسیلہ اور حربہ کام نہ آئے گا۔ اور اس گرمی کا دورانیہ بھی کوئی دنوں، ہفتوں اور مہینوں کی بات نہیں، بلکہ پچاس ہزار سال کے عرصے پر محیط ہوگا۔ اور اس سے بچنے کا طریقہ صرف نیکیاں ہی ہیں، اور ان میں سے ایک نیکی صدقہ ہے۔

حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ .)) ❷

''آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا، لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک۔''

یعنی جب تک لوگوں کا حساب کتاب ہوتا رہے گا، سورج ایک میل کے فاصلے سے قریب ہوگا اور صدقہ کرنے والا، اتنا عرصہ اپنے صدقے کے سائے میں رہے گا۔ اب جس کو جتنا بڑا اور جتنا گھنا سایہ چاہیے وہ اس کے مطابق دنیا میں اللہ کی راہ میں خرچ کرلے۔

اور صدقے کے سائے کے بارے میں حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مسند احمد، ج٥، ص ٢٥٤، رقم: ٢٢٢٤٠.

❷ مسند احمد، ج٤، ص ١٤٧، رقم: ١٧٣٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يَسْتَظِلُّ فِیْ ظِلِّ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ اَنْظَرَ مُعْسِرًا حَتّٰی يَجِدَ شَيْئًا اَوْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِمَا يَطْلُبُهُ.)) [1]

''قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سائے میں آنے والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی مقروض تنگ دست کو مہلت دی یہاں تک کہ اس نے کچھ کشادگی پالی، یا اس کی طلب کے مطابق اس پر صدقہ کر دیا ہو۔''

رمضان المبارک میں صدقہ کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں بھی ہیں جیسے تلاوت قرآن پاک، ذکر واذکار اور تسبیحات وغیرہ۔

مگر صدقے کی ایک خاص اہمیت ہے، کیونکہ دوسری نیکیاں کرنا نسبتاً آسان ہیں، مگر صدقہ مشکل ہے:

صدقہ کرنے سے تزکیہ نفس ہوتا ہے، یعنی انسان میں جو بڑی بڑی بری خصلتیں ہیں ان میں سے ایک بخل اور کنجوسی ہے اور صدقہ کرنے سے بخل جیسی مکروہ صفت سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ٩)

''جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

صدقے کی ترغیب کا مقصد اور مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ خود اسی مسجد میں صدقہ کریں، جس سے آپ کا تعلق ہے بلکہ جہاں زیادہ ضرورت محسوس کریں وہاں صدقہ کریں۔ بالخصوص اپنے رشتہ داروں میں، وہ آپ کی توجہ کے مستحق ہیں اور آپ کو اس کا ان شاء اللہ دہرا اجر ملے گا، ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

میں ایک بار پھر اس موضوع پر آنا چاہوں گا کہ رمضان المبارک سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو وقت نکالیں۔ آپ اگر استفادہ نہیں کرتے تو میرا نقصان نہیں ہے اور اگر میں

[1] المعجم الكبير للطبرانی، ج١٩، ص ١٦٧، رقم: ٣٧٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استفادہ نہیں کرتا تو آپ کا نقصان نہیں ہے۔مگر از راہ ہمدردی اور خیر خواہی اور از راہ ذمہ داری یہ باتیں عرض کر رہا ہوں۔ از راہ ذمہ داری اس لیے کہ حدیث میں ہے:

((مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَغَشَّهُمْ فَهُوَ فِي النَّارِ .)) ❶

''جسے مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملے کی کوئی ذمہ داری ملی، اور اس نے ان کو دھوکہ دیا تو وہ جہنم میں ہوگا۔''

اور:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ .)) ❷

''تم میں سے ہر شخص راعی اور نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔''

اور:

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر: ٣)

''اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔''

اور تواصی بالحق کا تقاضا یہ ہے کہ پوری امانت داری کے ساتھ دوسروں تک حق بات پہنچا دی جائے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

---

❶ المعجم الاوسط للطبرانی، ج ٤، ص ١١، رقم: ٣٤٨١.

❷ بخاری: ٨٩٣.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ کی حقیقت واہمیت

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (اٰل عمران : ۱۳۳)

رمضان کا مہینہ یقیناً بابرکت مہینہ ہے، اس کے ساعات ولمحات نہایت ہی قابل قدر بلند مرتبہ اور قیمتی لمحات ہیں، اس کے شب وروز گنتی کے چند ایام ہیں، یہ مہینہ نیکیوں کا موسم بہار ہے، یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور مغفرت حاصل کرنے کا ایک خصوصی پیکج ہے، اور نیکیوں کی سیل کا مہینہ ہے۔

اس مہینے سے مستفید ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کی فضیلت بیان کی، اس مہینے میں کیے جانے والے اعمال کا اجر وثواب بتلایا اور اس پورے مہینے کو ”ایاما معدودات“ گنتی کے چند دن کہا، جو اس چیز کی طرف واضح اشارہ اور ترغیب ہے کہ یہ ایک نہایت ہی قیمتی اور سنہری موقع ہے، اسے ضائع نہ جانے دیں، اسے سستی اور کاہلی کی نظر نہ ہونے دیں، اسے غنیمت جانیں اور اس سے بھرپور استفادہ کریں، کہ شاید یہ موقع دوبارہ میسر نہ آئے۔ وقت جو کہ بغیر کسی وقفے اور انقطاع کے مسلسل گزرتا چلا جا رہا ہے اور انسان کی عمر بھی وقت ہی سے عبارت ہے، اس کی قسمیں کھا کر اس کی اہمیت کا یقین دلایا جا رہا ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴾ (اللیل : ۱۔۲)

”اور رات کی قسم جب وہ چھا جاتی ہے۔ اور دن کی جب وہ روشن ہوتا ہے۔“

﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ (الضحی : ۱۔۲)

”اور دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی جب وہ چھا جائے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ o﴾ (العصر : ١ـ٢)

’’قسم ہے زمانے کی! کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔‘‘

کہہ کر وقت کی اہمیت، اس کی قدر و قیمت اور اس کا مختصر ہونا بیان کیا جا رہا ہے۔

اور پھر:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ o﴾ (اٰل عمران : ١٣٣)

’’کہ دوڑ کر چلو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے حصول کی طرف کہ جس کی وسعت زمین وآسمان ہے اور جو صرف متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔‘‘

اور پھر:

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الحديد : ٢١)

’’اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین وآسمان ہے۔‘‘

اور پھر مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے رمضان المبارک کی صورت میں ایک خصوصی پیکیج دے کر فرمایا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرة : ١٨٥)

’’جو شخص یہ مہینہ پائے وہ اس کے روزے رکھے۔‘‘‘

کہ اس کا مقصد ہے:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o﴾

’’تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔‘‘

اور تقویٰ وہ خوبی اور صفت ہے جو انسان کو مغفرت اور جنت کا مستحق بناتی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سابقوا اور سارعوا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وقت بہت کم ہے، جلدی کر لو، کہیں موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

اندازہ کریں! اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کس طرح زوردار طریقے سے نیکی کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ (سارعوا) جلدی کرو، دوڑ کر چلو، اور (سابقوا) ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں دوڑو۔

یہ جلدی، یہ دوڑ اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کس سلسلے میں ہے؟

﴿إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾

”اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔“

اور سارعوا اور سابقوا کے الفاظ عام دنوں کے لیے ہیں، کسی مہینے، کسی ہفتے اور کسی دن کے ساتھ خاص نہیں، مگر ان الفاظ کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب رمضان المبارک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں: ﴿ایامًا معدودات﴾ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔

مگر تعجب ہے اسے بدقسمتی کہیے، دل کی سختی کہیے یا کیا کہیے! ہم میں سے اکثر لوگ پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اپنا وہی معمول، وہی روٹین برقرار، بلکہ وہ اس مبارک مہینے میں دنیا کی دلدل میں اور زیادہ پھنس گئے۔

نہ جانے کیوں اللہ تعالیٰ کی اس عنایت پر، اس کی اس پیش کش پر دل مطمئن نہیں ہوتا، اس کا قائل نہیں ہوتا، اس کی طرف مائل نہیں ہوتا، اس کے برعکس دنیا کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

دنیا کے معاملے میں آکر کہیں سے ایسی پیش کش آئے تو ہمارا حال کیا ہوتا ہے۔

آپ سب نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب کسی سٹور میں لمٹڈ ٹائم کے لیے سیل لگے تو دنیا کس طرح اس پر ٹوٹ پڑتی ہے، اور اگر کسی سٹور کی طرف سے کوئی چیز فری دینے کا اعلان کیا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گیا ہو تو پھر تو لوگوں کی حالت زار دیدنی ہوتی ہے، سٹور کھلنے کے انتظار میں رات بھر، سخت سردی میں لائن میں کھڑے ہو کر گزار دیتے ہیں اور اس سے بھی بڑی حیران کن بات یہ ہے کہ اس میں بہت سے لوگ صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں، ڈاکٹر صاحب ہیں اور ان کی سیلری سالانہ پونے تین لاکھ ڈالر ہے، وہ ایک سٹور سے فری لیپ ٹاپ حاصل کرنے کے لیے رات بھر سخت سردی میں لائن میں کھڑے رہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی ویلیو ایک لیپ ٹاپ کے برابر بھی نہیں ہے؟

ہمیں کیا ہو گیا ہے! کہ دین کی باتیں سمجھ نہیں آتیں، دل ان کی طرف مائل نہیں ہوتا اور دنیا کی باتیں ہوں تو ہماری رالیں ٹپکنے لگتی ہیں، اور مسلمانوں کی پستی، ذلت ورسوائی اور زوال وانحطاط کی بات ہو تو ہم حکمرانوں کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں اور انہیں قصور وار قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینے کے تیس دنوں کو ''ایاما معدودات'' گنتی کے چند دن کہہ کر نیکیوں کی سیل لگائی ایک رات کو، لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار مہینے سے بہتر فرمایا، اپنی مغفرت سے نوازنے اور جنت کا مستحق قرار دینے کا وعدہ فرمایا۔

کیا اس میں بھی کوئی دلچسپی نہیں، کیا دل پھر بھی اس کی طرف مائل نہیں ہوتا؟

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝﴾ (الحدید: ١٦)

''کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔“

جان لیجیے کہ دلوں کی سختی کسی بھی انسان کے لیے سب سے بڑی سزا ہے، کہ دل سخت ہونے کا مطلب ہدایت کے دروازے اس کے لیے بند ہونا ہے، اور یہ سب سے خطرناک سزا اس لیے بھی ہے کہ اس سزا کا انسان کو احساس نہیں ہوتا، کیونکہ اسے نعمتیں مل رہی ہوتی ہیں، خوشیاں دی جاتی ہیں، دولت کی فراوانی اس پر کر دی جاتی ہے اور انسان چاپلوسوں اور خوشامدیوں کے جھرمٹ میں گھرا ہوا ہوتا ہے پھر اسے اس نعمت سے محرومی اور دل کی سختی کا احساس بھلا کیونکر ہو سکتا ہے۔

اور ابھی یہ تو رمضان المبارک کی برکتوں سے محروم رہنے والے ان افراد کی بات ہو رہی ہے جو کم از کم روزہ تو رکھتے ہیں، جبکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو سرے سے روزہ رکھتے ہی نہیں، ریسٹورانوں میں جا کر دیکھ لیجیے، رونقیں برقرار ہیں، خوب گہما گہمی ہے، ایسے لوگوں کی محرومی اور بدنصیبی پر کیا تبصرہ کریں، صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ کسی مسلمان کا روزہ نہ رکھنا، دین سے دوری اور بے عملی کی انتہاء ہے، اس حوالے سے بلا تبصرہ ایک واقعے کا ذکر کرتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک مسلمان رمضان کے مہینے میں دن کے وقت کھانا کھا رہا تھا اور ایک یہودی بھی اس کے ساتھ شریک تھا، مسلمان نے اس یہودی سے کہا کہ یہودی تو ہم مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، پھر تم یہ کیسے کھا رہے ہو؟

اس نے کہا:

((اَنَا فِی الْیَھُوْدِ مِثْلُكَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ .))

”اس نے کہا میں یہودیوں میں اس طرح کا یہودی ہوں جس طرح مسلمانوں میں تم مسلمان ہو۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو جولوگ سرے سے روزہ رکھتے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور راہ راست پہ لائے۔ آمین

اور جولوگ روزہ رکھتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں:

(۱)...... ایک وہ جو عام روزہ رکھتے ہیں، اور وہ ہے پیٹ اور شرمگاہ کا روزہ۔

(۲)...... دوسرے وہ ہیں جو خاص روزہ رکھتے ہیں، اور وہ ہے تمام اعضاء و جوارح کا روزہ جس میں آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں اور دیگر تمام اعضاء و جوارح کو گناہ اور معصیت سے بچانا ہوتا ہے۔

(۳)...... اور تیسرا ہے خاص الخاص روزہ اور وہ ہے دل کا روزہ، اور وہ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں کو ہی برائی سے روکنے تک محدود نہیں، بلکہ وہ دین کے تمام تقاضوں کے مطابق روزہ ہوتا ہے اور ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ کی روح کے مطابق روزہ ہوتا ہے۔ اور ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کی حقیقت کے مطابق روزہ ہوتا ہے اور یہ روزہ صلحاء و متقین کا روزہ ہوتا ہے اور جب کوئی انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ اعزاز بخشا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نسبت اس کے ساتھ یوں جوڑتے ہیں کہ:

((كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ .))

''میں اس کا کان بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ سنتا ہے۔''

((وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ .))

''اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ دیکھتا ہے۔''

((وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا .))

''اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

((وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا .))❶

---

❶ بخاری: ٦٥٠٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اوراس کی ٹانگ بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ چلتا ہے۔“

یعنی پھر اس کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔

تو اس تیسری قسم کے روزے دار اگر نہ بن پائیں تو چنداں پریشانی والی بات نہیں کہ وہ آج کے دور میں ہر ایک کے بس کی بات نہیں، مگر کم از کم جو روزہ مطلوب ہے وہ یہ کہ تمام اعضاء کا روزہ ہو، صرف پیٹ اور شرمگاہ کا روزہ کافی نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ .)) ❶

”جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

تو تمام اعضاء کا روزہ رکھنے سے روزے کی شرائط تو پوری ہو جاتی ہیں مگر روزے کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور وہ ہے تقویٰ پیدا کرنا، اور وہ فرائض کے بعد کثرت نوافل سے حاصل ہوتا ہے، وہ نوافل نماز کی صورت میں ہوں، صدقہ وخیرات کی شکل میں ہوں، تلاوت قرآن پاک کی صورت میں ہوں یا توبہ واستغفار کی صورت میں ہوں۔ اور اگر روزوں کا مطلوب ومقصود حاصل کرنے کا ارادہ ہو، جو کہ ہونا چاہیے تو پھر اس کے لیے اضافی محنت کرنا ہوگی، اور وقت دینا ہوگا۔

اس مبارک مہینے کے شب و روز اور ساعات ولمحات سے استفادہ کرنا کیوں ضروری ہے، اور کس طرح کیا جا سکتا ہے، یہ ہم نے گزشتہ خطبات میں جان لیا اور ہمیں اس کا علم حاصل ہوگیا۔ اب کوئی شخص اس سے استفادہ کرنا چاہے نہ چاہے اس کی مرضی ہے۔

بس اتنی بات یاد رکھیں، جیسا کہ امام سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ بخاري : ١٩٠٣ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((اَلْعِلْمُ اِنْ لَمْ يَنْفَعْكَ ضَرَّكَ .)) ❶

"علم اگر تمہیں فائدہ نہ پہنچائے تو نقصان ضرور کرتا ہے۔"

یعنی علم کے مطابق اگر عمل کیا تو فائدہ ہوگا، اور اگر عمل نہ کیا تو تم پر حجت قائم ہوگی، جس طرح حدیث میں ہے:

((اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ .)) ❷

"قرآن پاک تمہارے لیے حجت اور دلیل بنے گا یا تمہارے خلاف۔"

اسی طرح وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے گا جب تک وہ چار باتوں کا جواب نہ دے لے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ((مَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ)) ❸ "جو کچھ جانا اس کے مطابق عمل کیا کیا؟"

یعنی ہر حال میں اس سوال کا جواب دینا ہوگا، تو کیا ہم اس سوال کے جواب کے لیے تیار ہیں؟ ہر آدمی اپنے اپنے گریبان میں جھانکے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام یوم الحسرۃ بھی ہے، حسرت کا دن۔

اور یہ حسرت ہر شخص کرے گا، جو برائیوں میں ملوث رہا، وہ اس بات پر حسرت کرے گا کہ اس نے گناہوں کا ارتکاب کیوں کیا، اور جو نیکی کی راہ پر چلتا رہا وہ اس بات پر حسرت کرے گا کہ اس نے مزید نیکیاں کیوں نہ کیں۔ مگر اس وقت حسرت و ندامت کسی کام نہ آئے گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾

انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیے۔"

یوں تو اس روز ہر شخص حسرت کرے گا، مگر کچھ لوگ نسبتاً زیادہ حسرت کریں گے، مثلاً جو

---

❶ تهذيب الكمال، ج ١١، ص ١٩٢.　❷ مسلم: ٢٢٣.

❸ ترمذي: ٢٤١٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخص کسی مصروفیت کی وجہ سے نیکیاں کرنے سے محروم رہا، وہ تو حسرت کرے گا ہی، مگر جو شخص فارغ البال تھا، جو ملازمت اور کاروبار کے جھنجٹ اور جھمیلوں سے فارغ تھا اور پھر بھی نیکیاں نہ کما سکا وہ یقیناً زیادہ سخت حسرت کرے گا۔

امام سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَشَدُّ النَّاسِ حَسْرَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةٌ .))

”قیامت کے دن سب سے سخت حسرت وافسوس تین قسم کے لوگ کریں گے۔“

(١) رَجُلٌ کَانَ لَهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَفْضَلُ عَمَلًا مِنْهُ .

”ایک وہ شخص کہ جس کے پاس غلام تھا، اور وہ غلام اس سے بہتر عمل لے کر آیا۔“

(٢) وَرَجُلٌ لَهٗ مَالٌ ، فَلَمْ یَتَصَدَّقْ مِنْهُ ، فَمَاتَ فَوَرِثَهٗ غَیْرُهٗ فَتَصَدَّقَ بِهٖ .

”ایک وہ شخص جس کے پاس مال تھا مگر اس نے اس میں سے صدقہ نہ کیا پھر جب وہ فوت ہوا تو اس کے وارث نے اس میں سے صدقہ کیا۔“

(٣) وَرَجُلٌ عَالِمٌ لَمْ یَنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ ، فَعَلَّمَ غَیْرَهٗ فَانْتَفَعَ بِهٖ . [1]

”ایک وہ شخص جو عالم تھا مگر اس نے اپنے علم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، وہ علم اس نے کسی دوسرے کو سکھایا تو وہ اس سے مستفید ہوا۔“

اس لیے اس دن کے حسرت وافسوس سے بچنا چاہتے ہیں تو آج وقت ہے، مگر یہ وقت اور یہ مہلتِ عمر کب ختم ہو جائے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ آج تک کسی سے اس کا انکار بن پایا نہ بن پائے گا، اتنی بڑی حقیقت کو فراموش کر دینا، یا نظر انداز کرنا یقیناً دانشمندی نہیں۔ کوئی عقلمند اس سے کس طرح بے فکر ہو سکتا ہے، یقین نہیں

[1] حلیة الأولیاء : ٧/ ٢٨٨ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آ تا، دنیا میں ہر روز تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام شامل ہے، کسی کو اس کی فکر نہیں اور نہ ہی کوئی اس نہج پہ سوچنے کو تیار ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس فہرست میں اس کا نام بھی شامل ہو۔

تاہم رمضان المبارک تزکیہ و تربیت کا اور ضبط نفس کا مہینہ ہے اس سے مستفید ہونے کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان سے فائدہ اٹھالیں

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (اٰل عمران : ۱۳۳)

’’اور تم اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف کہ اس چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں جو ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔‘‘

رمضان المبارک تزکیہ و تربیت کا مہینہ ہے، آداب و اخلاق سنوارنے کا، اور برتاؤ اور رویہ درست کرنے کا مہینہ ہے، ضبط نفس کا مہینہ ہے، تقویٰ حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ روزوں کی ظاہری شکل اور کیفیت دیکھ کر بہت سے لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ روزوں کا مقصد بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی مشق اور پریکٹس کرنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مقررہ اوقات میں کھانے پینے سے باز رہنا اور بھوک پیاس برداشت کرنا بھی تزکیہ و تربیت کا حصہ ہے، مگر بھوکا پیاسا رہنے اور بھوک پیاس برداشت کرنے کی عادت ڈالنے میں کئی ایک حکمتیں اور متعدد دیگر حسی اور معنوی فوائد بھی ہیں۔ تاہم کھانے پینے سے باز رہنے کا اصل مقصد بھوک پیاس کے ذریعے حقیقی مقصد تک پہنچنا ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔

کھانا پینا زندہ رہنے کے لیے یقیناً ضروری ہے اور انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، مگر جیسا کہ ہر چیز کی ایک حد اور لمٹ ہوتی ہے، اس سے تجاوز انسان کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، وہ افراط کی صورت میں ہو، یا تفریط کی صورت میں۔ افراط زیادتی کو اور تفریط کمی کو کہتے ہیں۔

کھانے پینے کے معاملے میں لوگ عموماً زیادتی کی صورت میں تجاوز تو کرتے ہیں مگر کمی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی صورت میں نہیں۔ اسلام بہرحال اعتدال کا سبق دیتا ہے، کمی اور زیادتی کی تائید نہیں کرتا، چنانچہ اسلام نے کھانے پینے سے متعلق ہدایت نامہ جاری کرتے ہوئے ایک ضابطہ اور اصول مقرر فرما دیا ہے:

سب سے پہلے تو اکل کثیر یعنی بسیارخوری کی مذمت اور سنگینی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مَلَاءَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ .))

''کوئی آدمی کبھی اپنے پیٹ سے زیادہ کسی بری چیز کو نہیں بھرتا۔''

((بِحَسْبِ ابنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ .))

ابن آدم کو اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے چند نوالے ہی کافی ہیں۔''

آپ جانتے ہیں کہ جب آدمی کو شدید بھوک لگی ہو تو کمر سیدھی کر کے چلنا بھی دشوار ہوتا ہے، مگر کمر سیدھی کرنے کے لیے کوئی بہت زیادہ کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چند نوالے ہی کافی ہوتے ہیں۔

((فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ .))

''پھر اگر لامحالہ اس سے زیادہ کھانا چاہے۔''

تو پھر اس کی حد یہ ہے کہ:

((فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ، وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ .))[1]

''ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔''

یعنی پیٹ میں جتنی گنجائش ہے، اس کو اس طرح تین حصوں میں تقسیم کر کے کھائے۔ اتنا نہ کھائے کہ سانس لینا بھی دشوار ہو جائے اور بیماری کی صورت میں اگر دوا کھانے کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی نہ کھا سکے تو گویا اس سے زیادہ کھانا زیادتی تصور ہوگا اور اس کا نتیجہ

[1] مسند احمد، ج ٤، ص ١٣٢، رقم: ١٧٢٢٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

زیادہ کھانے کے منفی اثرات اور نقصانات میں سے ایک جو کہ نسبتاً ذرا ہلکا نقصان ہے یہ ہے کہ جو زیادہ کھاتا اور پیتا ہے وہ زیادہ سوتا ہے، اور جو زیادہ سوتا ہے وہ اسی قدر خیر اور بھلائی اور نیکی کے کاموں سے محروم رہتا ہے۔

زیادہ کھانے کے بعد آپ جانتے ہیں کہ آدمی کا جسم بوجھل ہو جاتا ہے، سستی چھا جاتی ہے، غنودگی آنے لگتی ہے، کھانے کا خمار چڑھ جاتا ہے، آرام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے، ہمت پست ہو جاتی ہے، کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا بالخصوص کوئی نیک عمل، کیونکہ اس میں مکمل توجہ درکار ہوتی ہے۔

بسیار خوری کی مذمت اور اس کے نقصانات جاننے کے لیے یہ حدیث نہایت ہی اہم ہے، حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم .))

''ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ڈکار مارا۔''

((فَقَالَ: كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ))

''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ڈکار کو ہم سے باز رکھو۔''

((فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا ، أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))[1]

''دنیا میں جو زیادہ پیٹ بھرے ہوئے ہیں، قیامت کے دن لمبی بھوک کا شکار ہوں گے۔''

اس حدیث میں ایک تو بسیار خوری کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور قیامت کے دن بسیار خور کا برا انجام بتلایا گیا ہے، اور دوسری بات یہ کہ مجلس میں ڈکار مارنے کو نہایت ناپسندیدہ عمل

[1] ترمذی: ۲٤٧٨ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بتایا گیا ہے۔

اندازہ کریں کسی مجلس میں ڈکار مارنا اگر اتنا ناپسندیدہ ہے تو نماز میں ڈکار مارنا کتنا قابل نفرت عمل ہوگا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نماز میں بے دھڑک ڈکار مارتے ہیں اور پھر ایک ڈکار پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پورا منہ کھول کر، پورے ترنم کے ساتھ، مزے لے لے کر، بدبودار ڈکار مارتے چلے جاتے ہیں، اور ساتھ والوں کو اذیت دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ وہ یقیناً حدیث سے لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہوں گے، مگر افسوس ان کے بے حس ہونے پر ہے کہ جنہیں اتنا احساس نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو ان کے اس فعل سے تکلیف پہنچ رہی ہے، لہٰذا اس سے ضرور اجتناب کریں۔

کھانے پینے کے حوالے سے یوں تو اسلام نے بہت سی ہدایات دے رکھی ہیں مگر چونکہ وہ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے، اس لیے اسے کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، البتہ چلتے چلتے ایک اور اہم حدیث کا ذکر کرتا چلوں، کیونکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اس کی وجہ بھی مسئلہ سے لاعلمی ہی ہے اور وہ یہ کہ بہت گرم گرم کھانا نہیں کھانا چاہیے ذرا ٹھنڈا کر لینا چاہیے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((اَنَّھَا کَانَتْ اِذَا ثَرَدَتْ ، غَطَّتْهُ شَیْئًا ، حَتّٰی یَذْهَبَ فَوْرُهٗ .))

”فرماتی ہیں کہ جب وہ ثرید بناتیں تو اسے کسی چیز سے ڈھانک دیتیں حتیٰ کہ اس کا ابلنا بند ہو جاتا اور دھواں ختم ہو جاتا۔“

((ثُمَّ تَقُوْلُ: پھر فرماتیں:

اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْبَرَکَةِ)) [1]

”کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ برکت کے لیے بہت

[1] مسند احمد، ج٦، ص ٣٥٠، رقم: ٢٧٠٠٣.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بڑی بات ہے۔“

عموماً گھروں میں گرم گرم کھانا پسند کیا جاتا ہے، یہ ایک عام ٹرینڈ ہے، مگر ریسٹورانٹس میں تو Sizzling food Dishes کا ایک رواج چل نکلا ہے، کہ سوں سوں کرتا ہوا کھانا پیش کیا جاتا ہے اور وہ شاید بزنس پوائنٹ آف ویو سے کیا جاتا ہے، حدیث معلوم ہونے کے بعد اس سے بھی اجتناب کریں۔

تاہم روزے اور کھانے پینے کا آپس میں ایک گہرا تعلق ہے اسلام نے اس ضمن میں خصوصی احکامات صادر فرمائے ہیں، کہ ایک معینہ وقت میں کھانے پینے سے رکے رہنا ہی روزہ ہے۔

روزے کے لیے مقررہ اوقات میں کھانے پینے سے منع رکھنے میں جو مختلف اور متعدد حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ آدمی کو بھوک پیاس برداشت کرنے، صبر کرنے اور حکم کی تعمیل اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی ایک عادت ڈالی جائے اور مشق کروائی جائے۔

اور ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ بھوک اور پیاس برداشت کرتے وقت غریبوں کی بھوک کا احساس پیدا ہو۔

اور ایک حکمت یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ بھوکا رہنے سے آدمی کھانے کے خمار اور غنودگی سے محفوظ رہتا ہے، بیدار مغز اور چاق و چوبند ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ عبادت میں مصروف رہ سکتا ہے۔

اور یوں کھانے پینے سے باز رہنا تقویٰ کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

روزے کا بنیادی مقصد تو آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں تقویٰ پیدا کرنا بتلایا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ روزے کے اور بہت سارے جزوی منطقی نتائج بھی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں کا تزکیہ و تربیت، اگرچہ یہ بھی تقویٰ کے ضمن

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں ہی آتے ہیں۔

اسی طرح روزے کے فوائد اور اس کے منطقی نتائج میں سے اخلاقی تربیت ہونا، بری صفات سے چھٹکارا اور ان کی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا ہونا وغیرہ بھی ہے۔ مگر ان سب کے سرفہرست ضبط نفس کا ملکہ پیدا ہونا ہے۔

ضبطِ نفس کی انسان کو اس دنیا میں اشد ضرورت ہے، دنیا کی زندگی خوش اسلوبی سے گزارنے کے لیے بھی اور آخرت سنوارنے کے لیے بھی۔ بالخصوص آج کے اس پُرفتن دور میں اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ضبطِ نفس کسی خاص شخص، یا خاص عمر کے اشخاص کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کو اس کی ضرورت ہے، چاہے بچہ ہو، بوڑھا ہو، مرد ہو، عورت ہو، عالم ہو، جاہل ہو، کسی بھی عمر کا شخص ہو، کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو ضبط نفس کی ہر شخص کو اشد ضرورت ہے۔

ضبطِ نفس اصل میں غصے پر قابو پانا ہے، اور زندگی میں اچانک پیش آنے والے حادثات اور معاملات کے وقت کہ جہاں بہادری، حلم و بردباری، حکمت و دانشمندی اور حسنِ تصرف کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں انسان ضبطِ نفس کا مظاہرہ کرتے ہوئے صحیح فیصلہ کرے۔ اور غصے پر قابو پانا اور ضبط نفس حاصل ہونا متقین کی صفات میں سے ایک ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

”اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے حصول کے لیے کہ جس کی وسعت زمین و آسمان جیسی ہے جلدی کرو اور دوڑ کر چلو، وہ جنت جو کہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : ۱۳٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور متقی وہ لوگ ہیں جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں چاہے خوش حال ہوں یا بدحال، اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

ضبط نفس کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ کریں کہ دنیا میں بہت سے جرائم محض عدم ضبط نفس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر، حدیث میں ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْدُ رَجُلًا ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُ قَتَلَ ابْنِيْ .

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی کو کھینچتا ہوا لے کر آیا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اس نے میرے بیٹے کو قتل کیا۔

فَقَالَ لَهُ الرَّسُوْلُ ﷺ أَقَتَلْتَهُ؟))

رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: کیا تو نے اسے قتل کیا ہے۔''

((قَالَ: نَعَمْ .))

اس نے کہا: جی ہاں!

((قَالَ وَلِمَا؟))

آپ نے فرمایا: ''کس لیے؟''

قَالَ: كُنْتُ أَحْتَطِبُ أَنَا وَإِيَّاهُ ، فَسَبَّنِي وَشَتَمَنِي فَأَهْوَيْتُ بِالْفَأْسِ عَلَى رَأْسِهِ فَقَتَلْتُهُ .)) أو كما ورد في الحديث .

''کہا: میں اور یہ ایک ساتھ لکڑیاں اکٹھی کرتے تھے، اس نے مجھے گالی دی اور برا بھلا کہا، میں نے جھک کر اس کے سر پر کلہاڑی کا وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔''

خیر ضبط نفس ایک مستقل موضوع ہے جس پر پھر ان شاء اللہ کبھی بات کی جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس وقت ان مبارک اوقات سے استفادہ کے حوالے سے بات کرنا چاہیں گے جس کا دو تہائی حصہ گزر چکا ہے اور باقی کے چند روز بھی تیزی کے ساتھ گزر رہے ہیں۔

اب بھی موقع ہے کہ ہم ان سے استفادہ کر لیں، ان کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔ جو وقت گزر جاتا ہے وہ زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں آتا، اور جس کی امید لگائے بیٹھے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے ان کی اہمیت سمجھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے بارے میں قرآن پاک کا اعلان ہے کہ:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔''

اس سے بڑا اعزاز اور انعام اور خوشخبری کیا ہوگی، مگر اس کے باوجود وہ نیکیوں کی تلاش میں کس طرح بے قرار ہوتے اور موقعوں کی جستجو میں کس طرح فکر مند ہوتے، ملاحظہ کیجیے۔

حدیث میں ہے:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ کَانَ قَاعِدًا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اِذْ طَلَعَ خَبَّابٌ .))

''سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک خباب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔''

فَقَالَ: ((یَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ! اَلَا تَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَ؟))

اور انھوں نے کہا: ''اے عبداللہ بن عمر! کیا تم نے سنا نہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا کہتے ہیں؟''

اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ((مَنْ خَرَجَ مَعَ جَنَازَةٍ مِنْ بَیْتِهَا وَصَلّٰی عَلَیْهَا، ثُمَّ تَبِعَهَا حَتّٰی تُدْفَنَ، کَانَ لَهٗ قِیْرَاطَانِ مِنْ اَجْرٍ، کُلُّ قِیْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ رَجَعَ، کَانَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُحُدٍ .))

کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر سے جنازے کے ساتھ نکلے، اس پر نماز پڑھے پھر دفن ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا، اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے، اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر واپس آ جائے تو اسے ایک احد پہاڑ جتنا ثواب ملے گا۔''

فَـاَرْسَـلَ ابْنُ عُمَرَ خَبَّابًا اِلٰی عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا يَسْـأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَيْهِ فَيُخْبِرُهٗ مَا قَالَتْ .))

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خباب رضی اللہ عنہ کو ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بابت پوچھنے بھیجا کہ وہ واپس آ کر انہیں بتائیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کہا۔

وَاَخَـذَ ابْـنُ عُـمَـرَ قَبْضَةً مِنْ حَصْبَاءِ الْمَسْجِدِ ، يُقَلِّبُهَا فِیْ يَدِهٖ حَتّٰی رَجَعَ اِلَيْهِ الرَّسُوْلُ .))

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے مٹھی بھر کنکریاں پکڑ کر انہیں اپنے ہاتھ میں لوٹ پوٹ کرنے لگے یہاں تک کہ وہ قاصد واپس آیا۔

((فَقَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا صَدَقَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ .))

''اس نے کہا: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔''

فَـضَـرَبَ ابْنُ عُمَرَ بِالْحَصَی الَّذِیْ كَانَ فِیْ يَدِهِ الْاَرْضَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ فَرَّطْنَا فِیْ قَرَارِيْطَ كَثِيْرَةٍ .))[1]

[1] مسلم : ۹٤٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کنکریاں زمین پر مارتے ہوئے فرمایا: افسوس! ہم نے بہت سے قیراط کا نقصان اٹھالیا۔''

اور ہمارا حال کیا ہے ہمارے لیے ایسی کوئی بشارت نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہے، اور بے عمل بھی ہم جی بھر کر کرتے ہیں، نیکیوں کی دمڑی جیب میں نہیں ہے اور اتراتے پھر رہے ہیں، نیکیوں سے بے نیاز ہیں اور ایسے مواقع کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ جن میں زندگی بھر کے گناہوں کی تلافی ہو جائے۔

یاد رکھیں! اگر قبر کی منزل کو کٹھن سمجھتے ہیں، قیامت کی ہولنا کیوں کا دل میں کچھ بھی ڈر اور خوف اور فکر ہے اور جنت کا شوق اور چاہت موجود ہے تو پھر وقت نکالنا ہوگا۔ اور جلدی کرنا ہوگی اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ جسے موقع ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہوتا ہے وہ اس کا پیشگی اہتمام کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَنْ خَافَ اَدْلَجَ ، وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ ، اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰه الْجَنَّةُ .))[1]

جو شخص (رات کے آخری حصہ میں سفر کرنے سے) ڈرتا ہو وہ رات کے شروع میں سفر کرتا ہے اور جو شروع رات کے حصے میں سفر کرتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے، سن لو! اللہ کا مال تجارت قیمتی ہے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا مال تجارت جنت ہے۔

جسے بخیریت منزل پر پہنچنے کی فکر ہو اسے اپنے طرز عمل پر ضرور غور کرنا چاہیے، اگر دل نیکیوں کی طرف مائل نہیں ہوتا تو اس کے اسباب جاننے کی کوشش کریں اور اس کا ایک سبب دلوں کا زنگ آلود ہونا ہے۔

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففين: ١٤)

[1] ترمذی: ٢٤٥٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہرگز نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔''

قَالَ الْفُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ رحمہ اللہ إِذَا لَمْ تَقْدِرْ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ وَصِيَامِ النَّهَارِ فَاعْلَمْ أَنَّكَ مَحْرُومٌ مُكَبَّلٌ كَبَّلَتْكَ خَطِيْئَتُكَ . [1]

قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تمھیں راتوں کو قیام کرنے اور دن کو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تو جان لو کہ تم توفیق سے محروم اور جکڑے ہوئے ہو، تمھیں تمھارے گناہوں نے جکڑ رکھا ہے۔''

[1] المنتظم لابن الجوزی، ج۹، ص ۱۴۸ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید الفطر

﴿وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾ (البقرة: ١٨٥)

''اور تا کہ تم گنتی پوری کرو اور تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمھیں ہدایت دی اور تا کہ تم شکر کرو۔''

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا.

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهِ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ . . . .

آج عید الفطر کا دن ہے، اہل ایمان کے لیے خوشی اور مسرت کا دن ہے، خوشی اور مسرت ایک جذباتی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے، جس میں انسان کا دل کھل اٹھتا ہے، دماغ میں خلیے آپس میں ایک دوسرے کو خوشی کے پیغامات بھیجتے ہیں، جن سے دماغ اور مزاج میں تناؤ ختم ہوتا جاتا ہے اور تفریح کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں، جسم ایک لذت محسوس کرتا ہے اور وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ کیفیت آدمی پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب اس کی کوئی خواہش اور مراد پوری ہو، جب اس کی محنت رنگ لے آئے، جب اسے اس کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کوششوں کا صلہ مل جائے، جب اسے اپنی منزل حاصل ہو جائے، جب اس کی تمنا و آرزو کی راہ سے کوئی رکاوٹ دور ہو جائے، اور جب اسے کوئی بہت بڑا سرپرائز مل جائے تو اس کی معمول کی اطمینانی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی خوشی کی کیفیت کو ان الفاظ سے تعبیر کرتا ہے کہ آج میں بہت خوش ہوں۔

وہ جب کہتا ہے کہ آج میں بہت خوش ہوں تو وہ اس سے کیا مراد لیتا ہے اس کے نزدیک خوشی کا پیمانہ کیا ہوتا ہے، بیان نہیں کر سکتا، وہ اپنی بہت زیادہ خوشی کا صرف انہی الفاظ میں اظہار کر سکتا ہے کہ آج میں بہت خوش ہوں، تو گویا انسان خوشی محسوس کر سکتا ہے، بیان نہیں کر سکتا۔

البتہ اس کی خوشی اور غمی کے اثرات اس کے دل اور دماغ، اس کے جسم، اس کے رویے اور اس کے اخلاق پر فی الفور ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں اور نہ ہی یہ اس کا موقع ہے، عرض کرنا مقصود یہ ہے کہ خوشی اور غمی انسان کی نفسیاتی اور فطری کیفیتیں ہیں جن کے اسباب وعوامل اور محرکات اگرچہ انسان کا اپنا ہی طرز عمل ہوتا ہے مگر اس کے نتیجے میں دل میں خوشی اور غمی پیدا کرنے والا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ

﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ﴾ (النجم : ٤٣)

''بے شک وہی ہنساتا ہے وہی رلاتا ہے۔''

تمہید کو سمیٹتے ہوئے آج کی خوشی کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ خوشی کے حوالے سے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رہے کہ خوشی اصل میں آدمی کی سوچ، اس کی پسند ناپسند اور اس کی نفسیات کے تابع ہوتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خوشی کی متعدد انواع واقسام ہیں۔

قرآن پاک نے سات قسم کی خوشیوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک عام خوشی ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام انسانوں سے متعلق ہے، وہ انسان کی فطری اور جبلی خوشی ہے، جیسے صحت، مال، اولاد اور دیگر دنیوی نعمتیں پا کر خوش ہونا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ﴾ (الروم: ٣٦)

''جب ہم لوگوں کو رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوب شاداں وفرحاں ہوتے ہیں، اور جب ان کے اپنے کرتوتوں سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یکا یک وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔''

تو یہ انسان کی فطری اور جبلی خوشی ہے جو اسے کسی نعمت کے حاصل ہونے پر ہوتی ہے۔

اگرچہ یہ انسان کی فطری اور جبلی خوشی ہے مگر اسلام نے اسے بھی آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑا کہ جتنا چاہے، جس طرح چاہے خوش ہو، کیونکہ جب خوشی یا غمی مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے، حدود سے تجاوز کرتی ہے تو پھر انسان ہلا گلا، شور وغوغا اور غل غپاڑہ برپا کرتا ہے۔ غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور غمی جب حد سے تجاوز کرتی ہے تو انسان مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جو خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے بھی نقصان اور تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر خوشی اور غمی کو محدود کر دیا اور ایک دائرے میں رہنے کا پابند کر دیا۔ فرمایا:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ (الحدید: ٢٢)

''کوئی بھی مصیبت جو زمین پر یا تمہارے نفسوں پر نازل ہوتی ہے ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ رکھا ہے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔''

اور یہ سب کچھ اس لیے ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍo﴾ (الحدید : ۲۳)

’’تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو، تم اس پر دل شکستہ نہ ہو، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے، اس پر پھول نہ جاؤ، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اکڑتے اوراتراتے ہیں۔‘‘

خوشی کی ایک قسم کفار و مشرکین کا اپنے عقائد و نظریات پر خوش ہونا ہے:

﴿فَلَمَّا جَائَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِؤُنَo﴾ (المومن : ۸۳)

’’پس جب بھی ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر خوش ہوئے اور اترانے لگے۔‘‘

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَo﴾ (المومنون : ۵۳)

’’ہر گروہ کے لوگ اسی پر جو ان کے پاس ہے بہت خوش ہیں۔‘‘

اسی طرح منافقوں کا اپنی گناہ اور معصیت کی روش پر خوش ہونا۔

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبة : ۸۱)

’’جن لوگوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ نہ دینے اور گھر میں بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے۔‘‘

اور ایک قسم کافروں اور منافقوں کا مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیفوں پر خوش ہونا۔

﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوْا بِهَاo﴾ (ال عمران : ۱۲۰)

’’اگر تمھیں کوئی بھلائی چھوئے تو وہ انھیں بری لگتی ہے اور اگر تم پر کوئی برائی آپہنچے تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور ایک قسم اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت پر خوش ہونا۔

﴿وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (الروم : ٤)

''اور وہ دن وہ ہوگا جب اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔''

اور اہل ایمان کا ہدایت اور معرفت حق پر خوش ہونا۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ (الرعد : ٣٦)

''اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کتاب سے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے خوش ہیں۔''

اہل ایمان کا جنت میں خوش ہونا۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾

(الروم : ١٥)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایک باغ میں شاداں وفرحاں رکھے جائیں گے۔''

تو خوشی کی تمام تر اقسام میں سے اصلی، پائیدار اور حقیقی خوشی وہ ہے جو دین کے حوالے سے ہو، ایمان کی خوشی، قرآن کی خوشی، ہدایت کی خوشی، نیک اعمال کی توفیق کی خوشی اور یہ ایمان کی علامت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ ، وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ)) [1]

''جب تمہیں نیکی کر کے خوشی ہو اور تمہارا گناہ تمہیں برا لگے تو تم مومن ہو۔''

تو ایک مومن کی حقیقی خوشی وہ ہے جو ایمان کے حوالے سے ہو، اور اس پر خوش ہونے کا حکم اور ترغیب ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند احمد، ج٥، ص ٢٥٢، رقم : ٢٢٢٢٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (یونس : ۵۸)

''اے نبی! ان سے کہہ دو کہ یہ جو قرآن کی صورت میں تمہارے پاس نصیحت آئی ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ لازم ہے کہ وہ خوش ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔''

جو دلوں کے امراض کی شفا ہے، اور اہل ایمان کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ محض اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، پس اس پر خوش ہونا چاہیے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔

آج ہم نیکی کی تکمیل اور اتمام کے موقع پر، اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق عید الفطر کی صورت میں خوشی منا بھی رہے ہیں اور محسوس بھی کر رہے ہیں۔

اور خوشی منانے کا یہ طریقہ اقوام عالم میں سب سے انوکھا، نرالا اور حقیقت پسندانہ ہے۔

﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

(البقرۃ : ۱۸۵)

''جس ہدایت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔''

(اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.)

اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں کا مقصد تقویٰ قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ جو مزید حکمتیں اور مقاصد بھی بیان فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ اور اس سے پہلے فرمایا: ﴿وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ ''اور تاکہ تم روزوں کی گنتی پوری کرو۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزوں کی گنتی تو ہم نے الحمد للہ پوری کر لی، کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔ مگر کیا ہم اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے حقیقت میں مقر و معترف ہیں اور کیا ہم واقعی اس کی اس نعمت پر اس کے تہہ دل سے اور حقیقت میں شکر گزار ہیں؟ یہ جاننا اور ثابت کرنا ابھی باقی ہے، اس پر پھر کبھی ان شاء اللہ گفتگو ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے روزے اور اس مبارک مہینے میں کی گئی ٹوٹی پھوٹی نیکیاں قبول فرمائے اور یوں ہی اپنی رحمتیں ہم پر نازل فرماتا رہے۔ آمین

اقول قولي هذا واستغفر الله العظيم لي ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

آخر میں جمعے سے متعلق ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ عید اور جمعہ اگر ایک دن میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر جمعہ کی رخصت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَدْ اجْتَمَعَ فِيْ يَوْمِكُمْ هَذَا عِيْدَانِ ، فَمَنْ شَاءَ اَجْزَأَه مِنَ الْجُمُعَةِ ، وَاِنَّا مُجَمِّعُوْنَ .))[1]

آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے آج کے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، پس جو چاہے، اس کے لیے عید ہی کافی ہوگی۔ البتہ ہم جمعہ ادا کریں گے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ذکوان بن صالح بیان کرتے ہیں:

اِجْتَمَعَ عِيْدَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ جُمُعَةٍ وَ يَوْم عِيْدٍ ، فَصَلّٰى ثُمَّ قَامَ ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: قَدْ أَصَبْتُمْ ذِكْرًا وَخَيْرًا ، وَاِنَّا مُجَمِّعُوْنَ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ، اَىْ

[1] ابوداؤد، رقم: ١٠٧٣ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِي بَيْتِهِ، وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعَ . ❶

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمعہ کے دن دو عیدیں اکٹھی ہوگئیں، ایک جمعہ اور دوسرا عید، آپ نے نماز (عید) پڑھائی، پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا، اور فرمایا: تم نصیحت اور بھلائی کو پہنچے ہو اور بے شک ہم جمعہ ادا کریں گے، جو بیٹھنا پسند کرتا ہے وہ بیٹھے یعنی اپنے گھر میں (نماز جمعہ کے لیے نہ آئے) اور جو جمعہ پڑھنا چاہتا ہے وہ جمعہ پڑھ لے۔"

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي يَوْمِ عِيْدٍ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ اَوَّلَ النَّهَارِ، ثُمَّ رُحْنَا اِلَى الْجُمُعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْنَا فَصَلَّيْنَا وُحْدَانًا، وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما بِالطَّائِفِ فَلَمَّا قَدِمَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: اَصَابَ السُّنَّةَ . ❷

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ کے دن عید کے دن کے شروع میں نماز پڑھائی پھر ہم جمعہ کے لیے آئے، مگر وہ نہ آئے تو ہم نے اکیلے ہی نماز پڑھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما طائف گئے ہوئے تھے وہ جب آئے تو ہم نے ان سے یہ بات ذکر کی تو انھوں نے کہا: انھوں نے سنت پر عمل کیا۔"

اور ایک اور روایت میں ہے:

((قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِذَا اجْتَمَعَ عِيْدَانِ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا . ❸

---

❶ البيهقي، ج٣، ص ٣١٨، رقم: ٦٠٨٣ .
❷ ابوداؤد: ١٠٧١ .
❸ مستدرك حاكم، ج١، ص ٤٣٥، رقم: ١٠٩٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب دو عیدیں جمع ہو جاتیں تو وہ ایسا کرتے تھے۔

اس لیے اس سنت پر بھی عمل ہونا چاہیے، آپ کو رخصت ہے کہ جمعہ نہ پڑھیں اور صرف ظہر کی نماز پڑھ لیں، لیکن اگر پھر بھی آپ لوگ تشریف لانا چاہیں گے تو ان شاء اللہ چند منٹس کے مختصر سے خطبے کے ساتھ ہم جمعہ پڑھ لیں گے۔

اقول قولي هذا واستغفر الله العظيم لي ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب إنه هو الغفور الرحيم .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبة الجمعة یوم العید

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾

(النحل: ٩٢)

''اورتم اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سوت اسے مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا۔''

ہر مسلمان اس حقیقت سے بخوبی آ گاہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض کرنے کا مقصد تقویٰ بتلایا گیا ہے، تزکیہ و تربیت قرار دیا گیا ہے، گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا ذریعہ بیان کیا گیا ہے اور قرب الٰہی کا باعث ٹھہرایا گیا ہے۔

اللہ کے فضل و کرم، اس کے انعام واحسان اور اس کی توفیق سے ہر ایک نے اپنی اپنی ہمت و طاقت اور استطاعت کے مطابق یہ اہداف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کون کتنا کامیاب ہوا ہے، اور کس نے کیا پایا؟ اور کیا مقام حاصل کیا؟، کوئی کس قدر مغفرت و بخشش حاصل کر سکا؟، اور کتنا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں اقبال مند اور بختاور رہا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر کچھ نہ کچھ سعی و جہد تقریباً ہر شخص نے ضرور کی ہوگی۔

تھوڑی اور زیادہ کی بات نہیں ہو رہی، مگر جس نے جتنی بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش اور پیش قدمی کی، کم از کم اس پر تو قائم رہے، اس سے تو پیچھے نہ ہٹے۔

کسی نے نماز کی پہلے سے زیادہ پابندی کی، کسی نے نوافل کا پہلے سے زیادہ اہتمام کیا، کسی نے صدقہ وخیرات میں پہلے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کسی نے قرآن پاک کی پہلے سے زیادہ تلاوت کی۔ جو تقریباً ہر ایک شخص نے اپنے اس سفر میں کہ جو شعوری یا غیر شعوری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب طے کر رہا ہے مستعدی اور تیز رفتاری دکھائی اور شوق سے قدم بڑھائے، وہ سفر کہ جس پر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر پیہم رواں دواں ہے۔

جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيْهِo﴾ (الانشقاق : ٦)

''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے۔ بالآخر اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔''

کوئی اس حقیقت کو تسلیم کرے یا نہ کرے، کوئی اپنی مرضی اور چاہت سے اس سفر پر رواں ہو یا دھکیلا جا رہا ہو، اسے ہر حال میں یہ سفر طے کرنا ہے اور بالآخر اپنی منزل پر پہنچ کے رہنا ہے اور ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔

اور یقیناً اس سفر میں کہ جس پر انسان دھکیلا جا رہا ہو اور اس سفر میں کہ جو وہ شوق اور رغبت سے طے کر رہا ہو اور ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾ (طٰهٰ : ٨٤) ''اور میں جلدی کر کے تیرے حضور حاضر ہو گیا ہوں اے میرے رب تا کہ تو راضی ہو جائے۔'' کا منظر پیش کر رہا ہو بہت فرق ہے، اور قدر دانی اسی سفر کی ہوتی ہے جس پر انسان شوق اور خواہش سے رواں دواں ہو اور اس کی قدر دانی یوں ہوتی ہے، حدیث میں ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((اِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا .))

''بندہ جب ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔''

اور ذراع کہنی تک ہاتھ کو کہتے ہیں۔

((وَاِذَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا .))

''اور جب وہ ایک ہاتھ میری طرف آتا ہے تو میں ایک بازو بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَإِذَا أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً .)) ❶

''اور جب وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف جاتا ہوں۔''

تو انسان کے اللہ کی طرف اس سفر کی مختلف حالتیں اور کیفیتیں ہوتی ہیں، کبھی وہ نماز کی طرف چل کر جاتے ہوئے یہ سفر طے کرتا ہے، کبھی جہاد میں اپنی ایمانی قوت و طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اپنی مہارت کے جوہر دکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے۔

کبھی وہ نماز میں قیام کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سفر پر گامزن ہوتا ہے اور کبھی رکوع وسجود، اور صدقات وخیرات کی شکل میں راہ رو منزل ہوتا ہے۔

تاہم ہر شخص نے رمضان المبارک میں عام دنوں کی نسبت کچھ نہ کچھ بہتری کی طرف ہی قدم بڑھایا ہے۔ لہٰذا اب اس کے ان تیس دنوں کی محنت اور کوشش کے حوالے سے اس پر اتنی بات تو لازم ٹھہرتی ہے جو کہ عقلمندی کا تقاضا ہے، اور قبول اعمال کی علامات میں سے ہے کہ کم از کم اس پر ضرور قائم رہے، اس کی حفاظت کرے اور ریورس گیئر نہ لگائے۔ ورنہ اس کی مثال اس احمق عورت کی سی ٹھہرے گی جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا﴾

(النحل : ۹۲)

''اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا اور پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

چنانچہ ان تیس دنوں کی محنت پر خود ہی پانی پھیرنے والا اس عورت کی مثل ٹھہرے گا۔

لہٰذا ایک بری مثال بننے سے بچیں، حدیث میں بھی بری مثال بننے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((يَا عَبْدَاللّٰهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ

❶ بخاری : ۷۴۰۵.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ .))❶

''اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات کو تہجد پڑھا کرتا تھا، پھر اس نے تہجد چھوڑ دی۔''

لہٰذا اس محنت سے کاتے ہوئے سوت کو اپنے ہی ہاتھ سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی عورت کی طرح ہو جانے سے بچنے کے لیے آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی دعا ضرور پڑھا کریں:

((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ، ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ .))❷

اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

((وَ یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِكَ .))❸

اور اے دلوں کو پھیر دینے والے میرے دل کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔

اور قرآن پاک میں سکھائی گئی دعا بھی وردِ زباں رہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ٥﴾ (آل عمران : ٨)

''اے ہمارے رب جب تو ہمیں سیدھے رستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دینا، ٹیڑھے نہ کر دینا۔''

اور اس دعا کو علم میں پختہ لوگوں کی دعا بتلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دلوں کی کجی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اقول قولی هذا واستغفر الله العظيم لي ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

❶ بخاری : ١١٥٢ . ❷ ترمذی : ٢١٤٠ .
❸ مسلم : ٢٦٥٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ رمضان کی آمد پر حمد الٰہی

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾

(الاعراف : ۴۳)

’’سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اس کی اور ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل، اس کا کرم اور احسان ہے کہ اس نے ایک بار پھر ہمیں زندگی میں رمضان المبارک نصیب فرمایا، اور اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشی۔ اس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا بیان کی جائے کم ہے، اور پھر اس حمد وثنا کی توفیق پر اس کی جتنی بھی حمد وثنا بیان کی جائے کم ہے اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾

(الاعراف : ۴۳)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اس کی تعریف وتوصیف اور اس کی سپاس گزاری کی توفیق یقیناً ایک بہت بڑی نعمت، بہت بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

ہر قسم کی حمد وثنا کا حقیقی حق دار اس دنیا میں بھی اور آخرت میں صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝﴾

(القصص : ۷۰)

’’اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، فرماں روائی اسی کی ہے، اور اسی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔‘‘

اوراس آیت کریمہ کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے (ولہ الحمد فی الاولی) اسی کے لیے حمد ہے پہلے میں بھی، (وفی الآخرۃ) اور بعد میں بھی۔

اور پہلے سے مراد: انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے، اوراس کا مطلب ہے کہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے استقبال کے لیے جو تیاریاں کیں: چاند، سورج، ستارے، زمین اور آسمان پہاڑ، درخت، ہوا اور پانی وغیرہ کا انتظام کیا کہ زمین پر ایک خلیفہ اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار آ رہا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق فرمایا ہے۔

تو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو انتظامات فرمائے اس پر وہ حمد وثنا اور شکر و سپاس گزاری کا مستحق ہے، کہ یہ تمام چیزیں اس نے انسان کی خدمت کے لیے بنائیں، انسان نے ان کی کوئی قیمت تو نہیں ادا کی، نہ اس کی ملکیت ہے، اور نہ اس میں اتنی قدرت وطاقت ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز بنا سکے جو ہزاروں اور لاکھوں سال مسلسل چلتی رہے مگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو، نہ تعطل، نہ اس کی ٹائمنگ میں کوئی فرق آئے اور نہ اس کی پرفارمنس میں، نہ اس کے سپئیر پارٹس کی ضرورت پڑے اور نہ ٹیکنیشنز کی خدمات مطلوب ہوں۔ تو یہ سب کچھ اسے حمد وثنا کا مستحق ٹھہراتا ہے، اور انسان پر حمد وثنا کو اخلاقی، شرعی، قانونی اور عقلی طور پر فرض اور لازم کرتا ہے۔

اسی طرح (وفی الآخرۃ) آخر میں بھی، یعنی قیامت کے دن بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ (یونس: ۹)

’’جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، انہیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا، نعمت بھری جنتوں میں، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوں گی۔''

﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾

(یونس : ۱۰)

''ان کی صدا یہ ہوگی کہ پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کا خیر مقدمی کلام ہوگا کہ سلامتی ہو۔'' یعنی السلام علیکم۔

﴿وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۠﴾ (یونس : ۱۰)

''اور ان کی ہر بات کا اختتامی جملہ ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین۔''

تو آخرت میں بھی اس کی حمد ہوگی، اور آخرت میں اس کی حمد ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا میں ایک وقت مقرر تک اس نے بے شمار نعمتوں سے نوازا، اور انسان کی حیثیت کے مطابق بلکہ اس کی حیثیت سے زیادہ نوازا، مگر آخرت میں وہ ایک غیر معینہ مدت کے لیے نوازتا ہے اور اپنی شان اور عظمت و جلال کے مطابق نوازتا ہے، اور ایسا نوازتا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.)) (البخاری : ۳۲۴٤)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے کہ جو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کان نے سنا ہے اور نہ کبھی کسی دل میں اس کا کوئی خیال بھی گزرا ہے۔''

اور ایک ایسی جنت کہ جس کا ایک ہلکا سا نظارہ ایسا ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا.)) ❶

❶ بخاري : ۲۸۹۲.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’جنت میں تمہاری چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا وما علیہا سے بہتر ہے۔‘‘

اور ایک ایسی جنت کہ جس کی کم سے کم وسعت اتنی ہو کہ آدمی کو یقین نہ آئے۔

حدیث میں ہے کہ سب سے آخری شخص جو جنت میں جائے گا جب جہنم سے اپنی سزا بھگت کر نکلے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے:

((أَيُرْضِيكَ اَنْ أُعْطِيكَ الدُّنْيَا وَمِثْلَهَا مَعَهَا .))

’’کیا تم اس پر خوش ہو کہ میں تمہیں پوری دنیا کے برابر اور مزید اس جیسی ایک جنت دے دوں؟‘‘

فَيَقُوْلُ: اَيْ رَبِّ! أَتَسْتَهْزِئُ بِيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟))

’’تو وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! تو رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کرتا ہے؟‘‘

قَالَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ

’’انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی کہتے ہیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے ہنس دیئے۔‘‘

وَقَالَ: اَلَا تَسْأَلُوْنِي مِمَّا اَضْحَكُ .

’’اور فرمایا: تم پوچھنا نہیں چاہو گے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟‘‘

فَقَالُوْا مِمَّا تَضْحَكُ؟

انہوں نے پوچھا آپ کیوں ہنسے ہیں؟

((قَالَ: هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .))

’’کہا کہ آپ ﷺ اس پر ایسے ہی ہنسے تھے۔‘‘

فقال: اور آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

((اَلَا تَسْأَلُوْنِي مِمَّ ضَحِكْتُ؟))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''کیا تم لوگ پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟''

فَقَالُوْا مِمَّا تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!

''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کیوں ہنسے ہیں؟''

قَالَ: ((مِنْ ضَحِكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، حِيْنَ قَالَ لَهُ: اَتَسْتَهْزِئُ بِي وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ .))

''فرمایا: اللہ رب العالمین کے ہنسنے پر جب بندے نے کہا کہ اے میرے رب! تو رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کرتا ہے؟''

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((مَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ وَلٰكِنِّي عَلَى مَا أَشَاءُ قَادِرٌ .))❶

''میں تم سے مذاق نہیں کرتا، بلکہ میں جو چاہوں کرنے پر قادر ہوں۔''

((اُدْخُلِ الْجَنَّةَ وَلَكَ عَشْرَةُ اَمْثَالِهَا .))❷

''جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے لیے اس جیسی دس گنا جنت ہے۔''

تو ایسے رحیم وکریم، حنان ومنان اور مشفق ومہربان رب کی حمد وثنا تو ہر دم وردِ زبان رہنی چاہیے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی حمد کا اس سے بھی حق ادا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے جو ہر دم اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، جس کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (الانبياء: ٢٠)

''وہ دن رات تسبیح بیان کرتے تھکتے نہیں ہیں۔''

وہ قیامت کے دن کہتے ہوئے نظر آئیں گے:

((سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ .))❸

❶ مسلم: ١٨٦، ١٨٧ . ❷ بخاري: ٦٥٧١ .
❸ المعجم الأوسط للطبراني، ج ٤، ص ٤٤، رقم: ٣٥٦٨ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پاک ہے تو، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔“

اور اس کی عبادت کا حق ادا ہو بھی کیسے سکتا ہے، اس کی تو شان ہی بڑی عظیم ہے، کوئی اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمٰن : ۲۹)

”اس کی تو ہر روز ایک نرالی شان ہوتی ہے۔“

اس لیے کوئی مخلوق، کوئی انسان کماحقہ اس کی شان بیان کر ہی نہیں سکتا، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرنے کے حوالے سے ہمیں جو دعا سکھلائی ہے اس میں اسی بات کا اعتراف موجود ہے کہ:

((لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ .)) ❶

”میں تیری ثنا کا احاطہ اور شمار نہیں کر سکتا، تیری شان اور تیری ثنا وہی ہے جو تو نے خود اپنی بیان کی ہے۔“

تو ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور ان گنت نعمتوں پر اس کے حمد گو اور ثنا خواں ہیں، اس کے شکر گزار اور احسان مند ہیں، اس کے ممنون و مشکور ہیں، اور اس کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے رمضان المبارک کی صورت میں ہمیں مغفرت و بخشش حاصل کرنے کا ایک عظیم موقع عطا فرمایا کہ جس میں ایک رات ہزار مہینے سے بہتر قرار دی، اور جس کا اجر و ثواب یہ کہہ کر بیان فرمایا کہ:

((اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ)) ❷

”روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں ہی دوں گا۔“

جو کہ ایک بہت بڑے سرپرائز کی طرف اشارہ ہے اور اجر عظیم کی نوید ہے۔ اور اس پر

---

❶ مسلم : ٤٨٦ .

❷ بخاری : ٧٤٩٢، مسلم : ١١٥١ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بھی اس کے ستائش گو ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی حمد وثنا کی توفیق بخشی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کے فضل وکرم اور اس کے انعام واحسان کے بغیر کوئی نیکی پایۂ تکمیل کو پہنچ ہی نہیں سکتی، اس کا اتمام ممکن ہی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَأَى مَا يُحِبُّ ، قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ .)) ❶

''جب آپ ﷺ کوئی پسندیدہ اور خوشی کا معاملہ دیکھتے تو فرماتے: (الحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ جس کی نعمت اور فضل وکرم سے نیکیوں کا اتمام ہوتا ہے۔''

وَاِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ ، قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ .)) ❷

''اور جب کوئی ناپسندیدہ معاملہ پیش آتا تو فرماتے: (الحمد لله على كل حال) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف ہے، اس کا شکر ہے۔''

کسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف کرنا تو سب سمجھتے ہیں مگر کسی تکلیف تنگی اور پریشانی پر اس کی تعریف کرنا شاید سب کو یہ بات سمجھ نہ آتی ہو۔

مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ ہر حال میں تعریف کا حق دار ہے، خوشی ہو یا غمی، خوشحالی ہو یا تنگدستی، صحت وتندرستی ہو یا بیماری اور تکلیف ہو، وہ ہر حال میں حمد وثنا کا مستحق ہے۔

مگر تنگی اور تکلیف، اور مصیبت وپریشانی میں اس کی تعریف کرنا اور حمد وثنا بیان کرنا۔ جو کہ بہت سے لوگوں کو سمجھ نہیں آتا۔ وہ بھی حق ہے، اور اس کا حق ہے، اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں، جس کی ایک لمبی تفصیل ہے، مگر اس وقت صرف ایک وجہ اور سبب کا ذکر کروں گا، اور وہ یہ ہے کہ کوئی تکلیف، جو ظاہر میں تو تکلیف ہی ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ انسان

❶ ابن ماجه، رقم: ۳۸۰۳. ❷ ابن ماجة، رقم: ۳۸۰۳.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے کتنی فائدہ مند ہوتی ہے اور رحمت بن کر آتی ہے، اس بات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے نہ اندازہ، اس لیے وہ اس تکلیف کو محض تکلیف ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ شاعر بھی کسی ایسی تنگی اور تکلیف اور کسی ایسی رکاوٹ کو باعث رحمت سمجھتے ہوئے کہتا ہے کہ

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اللہ اور بندے کے تعلق کے حوالے سے، انسانوں کے آپس کے معاملات کے حوالے سے یا انسان کے اپنے نفس کے ساتھ افہام و تفہیم اور اصلاح و نصیحت کے حوالے سے جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ

﴿وَ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّ هُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۠﴾ (البقرة: ٢١٦)

ممکن ہے کوئی چیز تمہیں ناگوار گزرتی ہو، جبکہ حقیقت میں وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور کوئی چیز تمہیں پسند ہو جبکہ وہ تمہارے لیے بری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اس کی تشریح اور تفسیر میں تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر صرف ایک واقعے کی طرف اشارہ کروں گا۔

واقعہ افک کے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا، یعنی وہ واقعہ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا تھا، اس واقعے کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور بخاری شریف میں بھی۔

اختصار کے ساتھ واقعہ یوں ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لیے گئیں تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے وہ ہار کی تلاش میں مصروف ہوگئیں، جب واپس لوٹیں تو اتنے میں قافلہ وہاں سے کوچ کر چکا تھا، وہیں بیٹھ گئیں کہ جب انہیں میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کسی کو بھیج دیں گے۔

اور قافلہ اس لیے روانہ ہو گیا کہ انہوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں موجود ہیں، انہوں نے ہودج اٹھایا اور چل دیے۔

اسی دوران حضرت صفوان بن معطّل رضی اللہ عنہ جو قافلے کے پیچھے چلتے ہوئے گمشدہ اشیاء کی بازیابی پر مامور تھے، انہوں نے چادر میں لپٹی ہوئی کوئی چیز دیکھی سمجھ گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، انہوں نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرایا، اور خود اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل چلنے لگے، تھوڑی ہی دیر میں قافلے کو جا لیا۔ جب عبداللہ بن ابی نے یہ منظر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کیا اور بہتان طرازی کرنے لگا۔ اس بہتان طرازی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والدین کو اور آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور شدید تکلیف پہنچی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حال تو یہ رہا کہ مہینہ بھر روتی رہیں۔

پھر جب ان کی براءت کی آیات نازل ہوئیں تو ان میں چند الفاظ یہ تھے:

﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (النور: ۱۱)

”تم اس واقعے کو اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“

اب انسانی عقل کیسے سوچ سکتی ہے کہ اس بہتان اور بدنامی میں کوئی خیر بھی ہو سکتی ہے، یا انجام کار بہتری ہوگی اور اگر ہوگی تو کس طرح ہوگی؟

اس کی تفصیل میں نہیں جاتے کہ یہ واقعہ کس طرح ان کے لیے خیر ثابت ہوا، صرف اتنا ہی کافی ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان ہمیشہ ہوتا رہے گا اور کوئی مسلمان اس وقت مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک ان آیات سمیت پورے قرآن پر ایمان نہیں لے آتا۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد و ثنا لازم ہے، خوشی کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

موقعہ ہو یا رنج وغم کا۔ اور صرف یہی نہیں کہ غم اور مصیبت پر بھی اس کا ثنا خواں رہنا ہے بلکہ ادب کا لحاظ بھی رکھنا ہے، اب اس حدیث پر غور فرمایئے کہ کسی تکلیف دہ اور ناپسندیدہ چیز پر آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس تکلیف پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف ہے، بلکہ اس کے بجائے فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ .))

''ہر حال میں اس کی تعریف ہے۔''

یعنی تکلیف کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا پسند نہیں فرمایا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے جو دعاءِ استفتاح فرماتے اس کے الفاظ ہیں:

((لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ ، وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ .)) ❶

''اے اللہ! میں تیری اطاعت وفرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔''

حالانکہ خیر اور شر کا خالق اللہ ہی ہے مگر ادب کا تقاضا ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے خداؤں سے براءت کا اظہار کرنے کے بعد جب فرمایا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ۝﴾ (الشعراء: ۷۸)

''جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔''

﴿وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ۝﴾ (الشعراء: ۷۹)

''وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

---

❶ مسلم: ۷۷۱.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہدایت و رہنمائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، کھلانے پلانے کی نسبت بھی اسی کی طرف کی۔ مگر جب بیماری کا ذکر کیا تو فرمایا:

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (الشعراء: ٨٠)

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔''

یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

خیر یہ باتیں تو تھیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی شکر گزاری کے حوالے سے اس نعمت پر کہ جو اس نے رمضان المبارک کی صورت میں ہم پر فرمائی۔

آخری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ رمضان المبارک جو کہ تزکیہ وتربیت کا مہینہ ہے کیا ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں ہماری کچھ تربیت ہوئی، تیس دنوں کی مسلسل مشق اور ٹریننگ سے ہم میں کوئی تبدیلی آئی اور نمازوں کی پابندی کی عادت پڑی؟

اتنے دنوں کی ٹریننگ سے تو سب سے کند ترین دماغ والا جانور کہ جس کا نام حماقت کی تشبیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی گدھا، وہ بھی کچھ نہ کچھ سیکھ جاتا ہے اور اتنے دنوں کی مشق کے بعد کسی کام کا خوگر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بہادری کی مثال کے لیے شیر ہے، گندگی اور ناپاکی کے لیے کتا اور خنزیر اور حماقت کے لیے گدھا اور اسی طرح دوسرے جانور بھی مختلف صفات کے لیے مشہور ہیں۔

اسود عَنْسِی نامی شخص جھوٹا مدعی نبوت گزرا ہے، اس کا لقب تھا: ذوالحمار۔ گدھے والا۔ اور اس لقب سے وہ اس لیے مشہور ہے، کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک گدھا تھا، اس نے گدھے پر اتنی محنت کی، اسے اتنی ٹریننگ کرائی کہ وہ اسے کہتا کہ جھک جا، تو وہ جھک جاتا، وہ اسے کہتا کہ سجدہ کر تو وہ سجدہ بھی کرتا اور ہم تو انسان ہیں، تیس دنوں کی تربیت ہمارے لیے کافی ہونی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کامیابی کا معیار کیا ہے؟

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ ٥ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ٥﴾

(الشعراء: ۸۸ ۔ ۸۹)

”جس دن کوئی مال اور نہ بیٹے نفع دیں گے مگر جو اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آیا۔“

کامیابی و کامرانی اور فوز وفلاح اس دنیا میں ہر شخص کی ہمیشہ سے سب سے بڑی خواہش رہی ہے اور رہے گی، یقیناً کوئی شخص ناکام و نامراد ہونا پسند نہیں کرتا، تو گویا کہ تمام بنی آدم اس خواہش پر متفق وہم خیال پائے جاتے ہیں۔

انسان زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کا خواہشمند ہوتا ہے، تجارت کا شعبہ ہو، تعلیم کا میدان ہو، معاشرتی زندگی کا معاملہ ہو، گھریلو اور ازدواجی زندگی کا مسئلہ ہو، ہر معاملے میں وہ اپنے آپ کو کامیاب و کامران دیکھنا چاہتا ہے، اور یہ انسان کی فطری خواہش ہے، اس پر ہرگز کوئی قدغن نہیں ہے۔

اسلام کسی بھی جائز اور حلال، خیر اور بھلائی کی خواہش اور اس کی تکمیل اور اتمام پر نہ صرف یہ کہ کوئی قدغن نہیں لگاتا، بلکہ اسے کامیابی، کمال اور عمدگی کے ساتھ حاصل کرنے اور ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَسْأَلَةِ ، وَخَيْرَ الدُّعَاءِ ، وَ خَيْرَ النَّجَاحِ ، وَخَيْرَ الْعَمَلِ ، وَخَيْرَ الثَّوَابِ ، وَخَيْرَ الْحَيَاةِ ، وَخَيْرَ الْمَمَاتِ .)) [1]

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی، ج٦، ص ٢١٤، رقم: ٦٢١٨.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اے اللہ! میں تجھ سے بہترین سوال کا اور بہترین دعا کا سوال کرتا ہوں جس میں دنیا وآخرت کی بھلائی مطلوب ہو۔''

یعنی ایسا سوال اور دعا جو جائز ہو، جامع ہو، ادب کے تقاضوں کے مطابق ہو جو قبولیت میں پُر تاثیر ہو۔

(وَخَیْـرَ النَّجَاحِ) اور بہترین کامیابی کا سوال کرتا ہوں، یعنی ہر مطلوب بتمام وکمال حاصل ہو، یعنی کامیابی ادھوری اور ناقص نہ ہو، اس میں کوئی تشنگی نہ ہو۔

(وَخَیْـرَ الْعَمَلِ) اور تجھ سے بہترین عمل کی توفیق کا سوال کرتا ہوں، یعنی ایسا عمل جو افضل واحسن ہو، جو زیادہ اچھا ہو، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو، جس کا ثواب زیادہ ہو۔

بہترین عمل کی خواہش اور بہترین عمل جاننے کی خواہش کتنی اہم ہے، اور کس طرح آدمی کے عقیدہ وایمان اور اس کے ذوق وشوق پر دلالت کرتی ہے یہ ایک الگ موضوع ہے، تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین عمل جاننے کی درخواست کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((سَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ .))

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟''

قَالَ: ((اَلصَّلَاۃُ عَلٰی وَقْتِہَا .))

''تو فرمایا: نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔''

قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ .

پھر پوچھا کہ پھر کون سا عمل؟''

تو فرمایا:

((ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ .))[1]

[1] بخاری: ٥٢٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک۔“

اسی طرح مختلف مواقع پر اس طرح کے کیے گئے سوالات کے جواب میں آپ ﷺ نے کچھ دیگر اعمال کا ذکر بھی فرمایا۔

تو بات ہو رہی تھی کہ اسلام ہر کام میں کامیابی اور عمدگی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، وہ کام دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اِذَا عَمِلَ اَحَدُكُمْ عَمَلًا اَنْ يُتْقِنَهٗ .)) [1]

”اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے کوئی عمل کرے تو عمدگی، مضبوطی اور پختگی سے کرے، اتقان اور مہارت سے کرے۔“

تو کامیابی کی خواہش انسان کی فطری اور جبلی خواہش ہے، البتہ کسی اچھی چیز میں کامیابی کی خواہش اچھی کہلائے گی اور بری چیز میں کامیابی کی خواہش بری کہلائے گی۔

اب اصل بات جاننے کی یہ ہے کہ کامیابی کا معیار کیا ہے؟

تو کامیابی کا معیار لوگوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہے، لوگ کامیابی کی خواہش میں اگرچہ متفق نظر آتے ہیں مگر اس کے معیار میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

کسی کے نزدیک کامیاب زندگی کا مطلب مال و دولت کی فراوانی ہے، کسی کے نزدیک شہرت و ناموری ہے، کسی کے نزدیک بچوں کے محفوظ مستقبل کا نام کامیابی ہے، کسی کے نزدیک خواہشات کی تسکین کا نام کامیابی ہے۔

تو اس طرح مختلف لوگ مختلف چیزوں کے حصول کو کامیابی سمجھتے ہیں۔

جہاں تک متاع دنیوی میں سے جائز چیزوں کے حصول کا تعلق ہے، تو وہ ایک جزوی

[1] مسند ابویعلی، ج ۷ ص ۳۴۹، رقم: ٤٣٨٦.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کامیابی ضرور ہے، کہ اسلام دنیا کے حصول سے منع نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا ہے کہ:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (البقرۃ: ۲۰۰)

”فرمایا: جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں ہی سب کچھ دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرۃ: ۲۰۱)

”اور جو یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

(البقرۃ: ۲۰۲)

”ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق دونوں جگہ حصہ پائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب نمٹاتے ہیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ دنیا کے حصول سے منع نہیں فرماتے بلکہ دنیا سے یکسر اعراض اور کنارہ کشی سے منع فرماتے ہیں، فرمایا:

﴿وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (القصص: ۷۷)

”اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو تمہارا حصہ رکھ رکھا ہے، اسے مت فراموش کرو۔“

یعنی اسے حاصل کرنے کی سعی و جہد کرتے رہو۔

تو کامیابی کے معیار کی بات ہو رہی تھی کہ کامیابی کا معیار لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے مختلف اور اتنا مختلف ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک بات جو کسی ایک فریق کے ہاں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ناکامی کہلاتی ہے وہ دوسرے کے ہاں کامیابی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے، قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک شخص ابو البراء عامر بن مالک قبیلہ بنی عامر کا سردار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام پیش کی، اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، مگر اس سے بے رغبتی بھی ظاہر نہ کی اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دعوت تو اچھی ہے، اگر آپ چاہیں تو اپنے کچھ لوگ اہل نجد کے پاس بھیجیں، وہ ان کو دعوت دین پیش کریں، مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اپنے صحابہ کے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے۔'' ابوالبراء رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میری پناہ میں ہوں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر فضلاء و قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھیج دیے۔

چلتے چلاتے جب وہ معونہ کے کنویں کے پاس پہنچے، وہاں پڑاؤ ڈالا، اور وہاں سے انہوں نے اپنے ایک ساتھی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر بھیجا۔ تعصب اور دشمنی میں اندھے اللہ کے اس دشمن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیکھا تک نہیں، اور اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا، اس نے پیچھے سے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو اس زور سے نیزہ مارا کہ آر پار ہوگیا، تو وہ نیزہ کھا کر حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو الفاظ جاری ہوئے وہ یہ تھے کہ:

((اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ .)) ❶

''اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔''

اندازہ کریں ان الفاظ کی تہہ میں کتنا مضبوط ایمان، پختہ عقیدہ اور منفرد سوچ کارفرما ہے کہ دنیا جسے ناکامی سمجھتی ہے وہ اسے کامیابی قرار دے رہے ہیں اور وہ بھی رب کعبہ کی قسم کھا کر۔

---

❶ بخاری : ۲۸۰۱ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ لوگوں سے کتنا مختلف معیار ہے کہ لوگ زندگی کو اور خوشحال زندگی کو کامیابی سمجھتے ہیں اور وہ اللہ کی راہ میں جان دے دینے کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ اور تاریخ میں یہ کوئی تنہا واقعہ نہیں، بلکہ اس جیسے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور تھوڑے فرق کے ساتھ تو دنیا میں ایسے بے شمار واقعات ہیں۔

ہم اپنے گرد وپیش میں ہر روز ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف جہاں کچھ لوگ دنیا میں مگن جانوروں کی سی زندگی گزارنے کو کامیابی سمجھتے ہیں تو دوسری طرف کامیابی کا مختلف معیار رکھنے والے لوگ قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہوتے ہوئے سوئے منزل رواں دواں ہیں۔ دین کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے انہیں بہت سی مشکلات، پریشانیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر وہ اپنے اسی طرز زندگی پر قائم رہتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں کامیابی کا معیار مختلف ہے۔

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، ہر آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جو لوگ دنیا کے حصول کو کامیابی سمجھتے ہیں، وہ کس طرح بے فکری کی زندگی گزارتے ہیں، انہیں نہ نماز کی فکر ہے، نہ دین کے دیگر احکامات پر عمل پیرا ہونے کا کوئی خیال، انہیں معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، کاروبار کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں، کوئی پابندی نہیں، وہ تو سوتے بھی ہیں تو خوب جی بھر کر سوتے ہیں کیونکہ نماز کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔

مگر دوسری طرف کامیابی کا ان سے مختلف معیار رکھنے والے، پہلے تو اپنے حلیے سے ہی ناپسندیدہ شخصیت سمجھے جاتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے تو ایسے جیسے کوئی گنوار اور اُجڈ قسم کے لوگ ہوں، جنہیں دنیا کی کوئی خبر نہیں، جبکہ وہ لوگ زندگی کا ہر ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہیں، ایک ایک چیز میں حلال اور حرام کی تمیز رکھتے ہیں، کھانے پینے اور سونے جاگنے میں وہ ایک نظام کے تابع ہوتے ہیں، اور انہیں فجر کی نماز کی ایسی فکر لاحق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے کہ جی بھر کر سو نہیں سکتے، کیونکہ ان کے ہاں کامیابی کا معیار دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔

طرز زندگی میں اتنا بڑا فرق، کامیابی کے معیار کے فرق کے بغیر ممکن نہیں۔ اور کامیابی کا معیار جب بدلتا ہے، تو آدمی کی زندگی بدل جاتی ہے، اس کے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے سے لے کر زندگی کے ہر ہر شعبے میں اس کا طرز عمل بدل جاتا ہے۔

واقعہ اصحاب الاخدود تو آپ نے سنا اور پڑھا ہی ہوگا جو کہ سورۂ بروج میں مذکور ہے، اور اس کی تفصیل مسلم شریف میں موجود ہے، وہ قصہ اختصار کے ساتھ کچھ یوں ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: ''گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا ایک جادوگر اور کاہن تھا، جب وہ کاہن بوڑھا ہوگیا، تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو جسے میں یہ علم سکھا دوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک ذہین اور سمجھدار لڑکا اس کی تربیت میں دے دیا، وہ لڑکا روزانہ اس جادوگر کے پاس علم سیکھنے جاتا۔ اس کے راستے میں ایک راہب کا ڈیرہ بھی پڑتا تھا، وہ جاتے آتے اس راہب کے پاس بیٹھنے لگا، راہب کی باتیں سنتا، اسے پسند آتیں۔

ایک روز راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے، لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ آج میں آزماؤں کہ ان دونوں میں سے کس کا علم صحیح ہے۔

اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: اے اللہ! اگر تیرے نزدیک راہب کا معاملہ جادوگر کے معاملے سے زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے، تاکہ لوگوں کی آمدورفت جاری ہو جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔

لڑکے نے یہ واقعہ راہب کو بتلایا، راہب نے کہا: جب تو اس مقام کو پہنچ گیا ہے تو سمجھ لے کہ اب تیری آزمائش شروع ہونے والی ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو میرا نام ظاہر نہ کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ لڑکا اللہ کے حکم سے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج بھی کرنے لگا اس شرط پر کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے۔ ایسے ہی بادشاہ کا ایک نابینا صاحب بھی تھا، لڑکے نے دعا کی اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔ بادشاہ کو پتا چلا، وہ بہت پریشان ہوا، اس نے لڑکے کو قتل کرنا چاہا، کئی کوششیں کیں مگر لڑکا بچ جاتا۔ بالآخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر اور (بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ) کہہ کر مجھے تیر مار۔

بادشاہ نے ایسا ہی کیا لڑکا تو مر گیا، مگر دیکھنے والے سب لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ بادشاہ اور پریشان ہو گیا، چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں ان میں آگ بھری اور ایمان لانے والوں کو اس میں پھینکنا شروع کر دیا۔ [1]

لوگوں نے آگ میں جل کر مرنا گوارا کر لیا، مگر ایمان سے منحرف نہ ہوئے، سوال یہ ہے کہ: ان میں ایسی کیا تبدیلی آئی تھی کہ جس پر وہ اتنی بڑی آزمائش سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزر گئے؟

”وہ تھی کامیابی کے معیار میں تبدیلی۔“

ان کے نزدیک کامیابی کا معیار اب دنیا کی دولت وثروت اور آسائشیں اور سہولتیں، تن آسانیاں، عہدے اور مناصب، شہرت وری، خوشگوار اور خوشحال زندگی نہیں رہی تھی، بلکہ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی، جہنم سے بچنا اور جنت کا حصول بن گیا تھا۔ چنانچہ انہیں اس معیار کو دل سے قبول کرنے کی دلیل، شہادت اور ثبوت پیش کرنا تھا، اور ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

[1] مسلم: ۳۰۰۵.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرة: ٢١٤)

''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ایسے سخت جھنجوڑے گئے کہ وقت کے رسول اور ان کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی! چنانچہ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔''

اسی طرح کا ایک اور واقعہ یاد کیجیے، جب فرعون کے جادوگر ایمان لے آئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے جادوگروں کی سب رسیاں وسیاں نگل لیں جو کہ محض نظر کا دھوکہ تھیں، تو جادوگر حقیقت کو بھانپ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے، چنانچہ سب سجدے میں گر گئے۔

﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى﴾ (طٰهٰ: ٧٠)

''اور اعلان کر دیا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔''

﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ (طٰهٰ: ٧١)

''فرعون نے کہا: تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے! معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا سب کا گرو ہے، جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔''

﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ (طٰهٰ: ٧١)

اچھا اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں میں کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی دیتا ہوں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاؕ﴾ (طٰهٰ: ٧٢)

”جادوگروں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم روشن نشانیاں سامنے آنے کے بعد ہرگز تمہیں ترجیح نہیں دیں گے۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرلو، تم زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی زندگی کا ہی فیصلہ کر سکتے ہو۔“

جادوگروں کا ایمان لانے کے بعد اس قدر دوٹوک اور جرأت مندانہ انداز میں بات کرنا کس بات کی غمازی کرتا ہے؟

اس بات کی کہ اب ان کے ہاں کامیابی اور ناکامی کا معیار بدل گیا ہے اور غور فرمایئے چند لمحے پہلے وہ فرعون سے کس انداز میں بات کر رہے تھے، سراسر چاپلوسانہ انداز میں۔

﴿قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾

(الشعراء: ٤١)

”جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: کہ ہمیں انعام تو ملے گا نا اگر ہم غالب رہے۔“

﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ (الشعراء: ٤٢)

”کہا: ہاں اور پھر تو تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔“

یعنی دنیا کے اعتبار سے کسی انسان کے لیے سب سے بڑا عہدہ اور منصب یہ ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کے خاص لوگوں میں شامل ہو جائے، اس کے خاص حلقہ احباب میں اس کا شمار ہونے لگے، کوئی وزیر اور مشیر بن جائے۔ مگر جب کامیابی کا معیار بدلا تو اس طرح کی ہر قسم کی پیش کش کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے سرعام ٹھکرا دیا اور ہر طرح کی سزا جھیلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

تو آیئے ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہمارے نزدیک کامیابی کا معیار کیا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ ہم حقیقی کامیابی کسے سمجھتے ہیں؟ اور کیا ہمارے قول اور فعل میں تضاد تو نہیں ہے؟ کہ ہم زبان سے تو کسی اور چیز کو کامیابی قرار دیتے ہوں مگر عملاً ہم کسی دوسری راہ پر گامزن ہوں۔

قیامت کے دن صرف سچائی کام دے گی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدة: ١١٩)

''اللہ فرمائیں گے یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے۔''

اور اگر جھوٹ بولیں گے تو ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضَحِكَ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا أَضْحَكُ؟ قَالَ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهٗ يَقُوْلُ: يَا رَبِّ اَلَمْ تُجِرْنِيْ مِنَ الظُّلْمِ؟ قَالَ: يَقُوْلُ: بَلٰى . قَالَ فَيَقُوْلُ: فَاِنِّيْ لَا اُجِيْزُ عَلٰى نَفْسِي اِلَّا شَاهِدًا مِنِّيْ فَيَقُوْلُ: كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيْدًا وَ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شُهُوْدًا . قال: فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ فَيُقَالُ لِاَرْكَانِهٖ: انْطِقِيْ .

قَالَ فَتَنْطِقُ بِاَعْمَالِهٖ ، قَالَ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْكَلَامِ .

قال: فَيَقُوْلُ: بُعْدًا وَ سُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ اُنَاضِلُ . [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہنس دیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: بندے کے اپنے رب سے مخاطب ہونے سے کہ وہ کہے گا، اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دے رکھی۔ فرمایا: وہ فرمائے گا، کیوں نہیں

---

[1] مسلم: ٢٩٦٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضرور، فرمایا: وہ عرض کرے گا میں اپنے خلاف اپنے نفس کے سوا کوئی اور گواہ قبول نہیں کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لیے کافی ہے اور لکھنے والے فرشتے گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ بولو۔ ''فرمایا: وہ اس کے اعمال کے بارے میں بولیں گے، فرمایا: پھر اسے بات کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر وہ کہے گا تمھارے لیے دوری اور ہلاکت ہو، میں تو تمھاری ہی طرف سے جھگڑ رہا تھا۔''

بلکہ اس سے بھی پہلے قبر میں جب سوال ہوں گے اور اگر بندے نے صحیح جواب دیا تو آسمان سے آواز آئے گی۔

اَنْ قَدْ صَدَقَ عَبْدِیْ ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَةِ ، فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا ، وَيُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ . [1]

کہ میرے بندے نے سچ کیا، لہٰذا اسے جنتی بچھونا بچھا دو، جنتی لباس پہنا دو اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو تو پھر وہاں سے معطر بادِ نسیم اس کے پاس آتی ہے اور اس کی حدِ نگاہ تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔

اور اگر تضاد ہوا تو پھر معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اعاذنا اللّٰه منه

[1] ابوداؤد : ٤٧٥٣ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقی کامیابی کیا ہے؟

﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ○ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ○﴾

(الشعراء: ۸۸ ـ ۸۹)

گزشتہ خطبہ جمعہ میں کامیابی کے حوالے سے بات ہو رہی تھی، کہ کامیابی کی خواہش انسان کی بنیادی اورفطری خواہش ہے، اورانسان عمر بھراس خواہش کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کامیابی کا معنی ومفہوم اوراس کا معیار لوگوں کا اپنا اپنا ہے۔ یقیناً بہت سے لوگ، بلکہ لوگوں کی غالب اکثریت عارضی، فانی اورنہایت سطحی چیزوں کے حصول کو کامیابی تصور کرتی ہے، مگر حقیقی کامیابی کیا ہے؟ یہ جاننا لازمی اورضروری ہے اورنہایت ہی اہم ہے۔اس لیے کہ جب کامیابی کی خواہش اتنی بنیادی، فطری اوراہم خواہش ہے کہ ہرانسان اس کی خواہش کرتا ہے، ہر شعبے میں کرتا ہےاور زندگی بھر کرتا ہےاورساری زندگی اسی تگ ودو میں صرف کردیتا ہے،تو پھر یہ جاننا ضروری ٹھہرتا ہے کہ حقیقی کامیابی کیا ہے؟

تو آیئے جانتے ہیں کہ حقیقی کامیابی کیا ہے، مگراس سے پہلے یہ جان لیتے ہیں کہ حقیقی کامیابی معلوم کرنے کا معیاراورکسوٹی کیا ہے!

تو حقیقی کامیابی جاننے کا معیاراورکسوٹی دو چیزیں ہیں: عقل اورنقل۔

حجیت عقل ایک مستقل اورتفصیلی بحث ہے کہ عقل کب اورکیسے حجت ٹھہرتی ہے، اوراس کا دائرہ کارکیا ہے، تاہم عقل کے حجت ہونے پرقرآن وحدیث میں متعدد دلائل ہیں۔

اور دوسری چیز ہے نقل اوراس سے مراد ہے: تحریر، نوشت اور دستاویز، یعنی ایسی مستند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دستاویز جسے دلیل اور حجت کے طور پر پیش کیا جا سکے، اور وہ ہے قرآن وحدیث۔

تو عقل اور نقل کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ حقیقی کامیابی کیا ہے؟

عقل کہتی ہے کہ کسی عارضی، ادھوری اور ناقص چیز کا حصول اگرچہ ایک جزوی کامیابی تو ہوسکتا ہے، مگر اس کے مقابلے میں حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ چیز مستقل بھی ہو، بہتر بھی ہو، پائیدار بھی ہو اور مکمل بھی ہو۔

تو دنیا کی نعمتیں عارضی، ناقص، ادھوری اور ناپائیدار ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں مکمل بھی ہیں بہتر بھی ہیں، پائیدار بھی اور ہمیشہ بھی ہیں، لہذا وہی حقیقی نعمتیں ہیں اور ان کا حصول حقیقی کامیابی ہے۔

اسی طرح قرآن وحدیث میں بھی متعدد مقامات پر آخرت کی کامیابی کو حقیقی کامیابی کہا گیا ہے، ایک مقام پر اس کا ذکر اس انداز میں کیا گیا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَاo وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىo﴾

(الاعلیٰ: ١٦ ـ ١٧)

''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔''

گویا کہ قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں یہ دو چیزیں جس میں ہوں وہ حقیقی کامیابی ہے، اور یہ دو چیزیں دنیا میں نہیں ہیں، صرف آخرت میں ہیں:

خیر! یہ جاننے کے بعد کہ حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، اب ہمیں یہ جاننا ہے کہ حقیقی کامیابی حاصل کیسے کی جاسکتی ہے، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

تو آیئے جانتے ہیں: حقیقی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی جانا، اور آخرت کی کامیابی کا انحصار دل کی سلامتی پر ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَo اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍo﴾

(الشعراء: ٨٨ ـ ٨٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’جس روز نہ کوئی مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد، سوائے اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔‘‘

تو حقیقی کامیابی کے حصول کے لیے ہمیں قلب سلیم حاصل کرنا ہوگا، اور قلب سلیم کیا ہے؟ قلب سلیم کا مطلب ہے، تندرست وتوانا اور صحت مند دل۔

جب حقیقی کامیابی کے حصول کے لیے شرط قلب سلیم ٹھہری، یعنی تندرست وسلامت دل، تو اس کا مطلب ہے: بیمار دل نہیں چلے گا، بیمار دل والا کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

دلوں کا تندرست وسلامت ہونا یا بیمار ہونا، یہ دل کی کیفیتیں، حالتیں اور قسمیں ہیں، بلکہ ایک حالت یا قسم اور بھی ہے اور وہ ہے دل کا مردہ ہونا۔

اس سے پہلے کہ دل کی اقسام کی تفصیل میں جائیں، کامیابی کے حوالے سے دل کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں دل کا بہت زیادہ ذکر ہوا ہے، اور خلاصہ اس کا یہی ہے کہ آخرت کی کامیابی کا انحصار دل کی سلامتی پر ہے۔

مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ میڈیکل سائنس کچھ عرصہ پہلے تک یہ دعویٰ کرتی رہی ہے کہ دل صرف ایک Blood puping organ ہے جس کا کام پورے جسم کو خون پہنچانا ہے اور بس۔ یعنی وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ دل میں فہم وشعور، عقل ودانش، غور وفکر اور جذبات واحساسات ہوتے ہیں۔ مگر اکیسویں صدی کے آغاز سے کہ جب سے Heart transplant اور Artificial Heart Implant کے سلسلے میں تیزی آئی Advancement ہوئی، اور کثرت سے ہارٹ ٹرانسپلینٹس ہونے لگے، تو بعض ریسرچرز نے ہارٹ ٹرانسپلینٹ کیے گئے لوگوں میں واضح نفسیاتی تبدیلیاں محسوس کیں۔ ان کی پسند ناپسند، ان کے طرز زندگی، حتیٰ کہ ان کے نظریات اور عقیدہ وایمان میں بھی تبدیلی محسوس کی گئی، تب انہوں نے اس پہلو پر غور کرنا شروع کیا کہ دل کا کام صرف جسم کو خون پہنچانا ہی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں، بلکہ اس کے مزید کئی اور فنکشنز بھی ہیں، جن میں عقل و دانش، غور وفکر، پسند ناپسند، نفرت اور محبت اطمینان اور بے چینی خوشی اور غمی، شرم کا احساس اور عزت و افتخار اور دیگر جذبات و احساسات وغیرہ ہیں، اور یہ کہ دل عقل کے تابع نہیں بلکہ دل اور دماغ ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔

انہوں نے ملاحظہ کیا کہ جب کسی مریض کو نیا دل لگایا جاتا ہے تو وہ دماغ کی طرف سے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر فوراً دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ بلکہ بعض ریسرچرز تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دل دماغ کو انسٹرکشنز دیتا ہے اور اس کو کنٹرول کرتا ہے، اور یہ کہ دل کے ہر Cell کے اندر ایک میموری موجود ہے جو معلومات کو محفوظ رکھتی ہے۔

دل اور دماغ کا بالتفصیل ریلیشن شپ کیا ہے، اس میں میڈیکل سائنس ابھی بہت پیچھے ہے، وہ ابھی کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچے کہ ہم کیوں سوتے ہیں، اور انسان معلومات کس طرح یاد رکھتا ہے وغیرہ۔ وہ جو کچھ ملاحظہ کرتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں اور تجربہ کرتے ہیں اس کے مطابق ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں، مگر ٹھوس دلائل کی بنیاد پر کوئی قاعدہ اور اصول وضع نہیں کر سکتے۔ مگر ہم مسلمان الحمد للہ اس کے بارے میں ایک حتمی عقیدہ اور ایمان رکھتے ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں اسلام نے دیا کہ دل عقل و شعور، غور اور فکر، یادداشت اور جذبات و احساسات کا مرکز ہے۔

یوں تو اس موضوع پر ایک مفصل گفتگو ہو سکتی ہے مگر دل کے نفس انسانی پر اثر انداز ہونے کے حوالے سے دو ایک باتیں عرض کر کے پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

مختلف لوگوں کے ہارٹ ٹرانسپلینٹ ہونے کے بعد، ان کی نفسیات پر جو اثرات ظاہر ہوئے اور جو تبدیلیاں ملاحظہ کی گئیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ ایک خودکشی کرنے والے شخص کا دل ایک مریض کو لگایا گیا۔ ان دونوں کے لائف سٹائل اور خیالات ونظریات میں بہت بڑا فرق تھا، وہ خودکشی کرنے والا شخص پہلے تو ٹھیک ٹھاک تھا اور نارمل زندگی گزار رہا تھا، پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شادی کے بعد بھی کچھ عرصہ ٹھیک رہا، پھر اس کے نظریات میں تبدیلی آئی کہ وہ ملحد ہوگیا اور ملحد ولادین ہونے کے بعد وہ بے چین اور پریشان رہنے لگا، بالآخر اس نے اس صورت حال سے تنگ آ کر اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی۔ اس کا دل ایک ایسے شخص کو لگایا گیا جو کہ مذہبی تھا، بہت خوش ہوا، جس شخص کا دل اس کو لگایا گیا تھا اس کی فیملی کا شکریہ ادا کیا۔

پھر کچھ عرصے بعد اس کی بیوی سے اس کی ملاقات ہوئی، تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اسے بہت پہلے سے جانتا ہے، وہ اس کے بارے میں وہی جذبات رکھنے لگا جو اس کے خودکشی کرنے والے خاوند کے تھے، حتیٰ کہ اس نے کھلے لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیا اور آہستہ آہستہ اس کے خیالات میں بھی تبدیلی آنے لگی، حتیٰ کہ وہ بھی ملحد ہوگیا، اور بالآخر اس نے بھی پہلے شخص کی طرح سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی۔

اور اس طرح کے بہت سے واقعات میں سے ایک اور مختصر سا واقعہ ذکر کرنا چاہوں گا، اور وہ یہ کہ ایک شاعر کا دل ایک ٹرک ڈرائیور کو لگایا گیا، جو کہ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا، کامیاب آپریشن کے بعد اس نے بھی شعر وشاعری شروع کر دی، اور جب اس ڈرائیور کے کلام اور اس شاعر کے کلام میں موازنہ کیا گیا کہ جس کا دل لگایا گیا تھا تو پتا چلا کہ دونوں کے کلام میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔

تو یہ اور اس طرح کے اور بہت سے واقعات نے ماہرین قلب کو اس جانب سوچنے پر اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ دل عقل وشعور، غور وفکر اور جذبات واحساسات کا مرکز ہے۔

اب آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں دل کی اہمیت اور اس کی اقسام جاننے کی کوشش کرتے ہیں، اور معلوم کرتے ہیں کہ کس طرح آخرت کی کامیابی اور ناکامی دل کی صحت وسقم پر موقوف ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ دل کی تین بڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقسام ہیں:

(۱)...... قلب سلیم۔ (۲)...... قلب مریض۔

(۳)...... اور قلب میت۔

اس سے پہلے کہ ان اقسام کی تفصیل میں جائیں، اس حقیقت کو سمجھنا اور تسلیم کرنا ہوگا کہ جس طرح جسم تندرست یا بیمار ہوتا ہے اسی طرح دل بھی تندرست یا بیمار ہوتا ہے اور جسم کی صحت وسلامتی کی تمنا اور خواہش کرنا اور اس کی بیماری پر فکر مند ہونا ہر آدمی کا بنیادی مسئلہ ہے۔

لوگ جسم کو لاحق ہونے والی بیماریوں سے یا کم از کم بڑی بڑی بیماریوں سے خوب آگاہ ہیں اور کافی حد تک ان سے بچنے کی فکر بھی کرتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو دل کے روحانی طور پر بیمار ہونے پر یقین کرتے ہیں اور اس کی کسی بیماری کے بارے میں علم رکھتے ہیں؟ حالانکہ دل کی بیماریاں جسم کی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

جسم کی کسی بڑی سے بڑی بیماری کا زیادہ سے زیادہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی مرجاتا ہے اور مرنا تو ہر ایک کو آخر کار ہے ہی مگر مرنے کے بعد اس بیماری کا آدمی پر مزید کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ جبکہ دل کی کسی چھوٹی سے چھوٹی بیماری کا آدمی کی معیشت اس کی معاشرت، اس کی عزت، اس کی صحت اور اس کے مزاج پر ایسا گہرا اثر ہوسکتا ہے کہ ہر چیز تلپٹ ہو جائے، اور سب سے اہم بات کہ مرنے کے بعد بھی اس کی نہ صرف یہ کہ جان نہیں چھوٹتی بلکہ اس کا حقیقی اثر ظاہر ہونے لگتا ہے۔

اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ قلب سلیم کہ جس پر حقیقی کامیابی کا انحصار ہے کیا ہے؟ اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور بیمار دل کیا ہے اور اس کا علاج کس طرح کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح مردہ دل کیا ہے اور اس سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔

قلب سلیم وہ دل ہے جو صحیح سلامت ہو، بیماریوں سے بچا ہوا ہو، شرک اور بدعت کی بیماری سے پاک ہو، حسد اور بغض سے پاک ہو، بخل اور کنجوسی سے پاک ہو، تکبر سے پاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صاف ہو، شہرت کی بیماری سے پاک ہو، ریا کاری اور دکھلاوے کی بیماری سے پاک ہو، دنیا کی محبت سے پاک ہو اور ہر اس خواہش سے پاک ہو جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دے، دین میں رکاوٹ بنے اور اس سے دوری کا باعث ہو۔

دل کو لاحق ہونے والی روحانی بیماریاں کوئی دو چار نہیں بلکہ ان کی ایک لمبی فہرست ہے، اور ان سے بچنے کا مطلب کوئی ایک بار بچ جانا نہیں، بلکہ یہ عمل مسلسل اور پیہم ادا کرنا ان سے بچنے کی کوشش کرنا ہے۔

اور دلوں کی دوسری قسم ہے: القلب المیت ، مردہ دل۔ یعنی وہ دل کہ جس میں روحانی زندگی کے کوئی آثار نہ ہوں، کوئی ایک چنگاری بھی نہ ہو، وہ نہ اپنے رب کو پہچانتا ہے اور نہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ دنیا کی لذتوں کے حصول کی کوشش میں غرق ہو، اسے اللہ کی رضا کی فکر ہو اور نہ اس کی ناراضی کی پرواہ، اور ایسا دل، کافر کا دل ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ﴾

''بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔''

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾

''ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔''

﴿وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾

''انکی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں۔''

﴿وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾

اوران کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝﴾

(الاعراف: ۱۷۹)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔''

تو یوں تو ایسا دل کافر کا دل ہوتا ہے، مگر کوئی مسلمان بھی اس سے بے فکر نہیں ہوسکتا، ایک بار مسلمان ہو جانے کے بعد مرتد اور گمراہ نہ ہونے کی کسی کو ضمانت نہیں دی گئی۔

نعمت اسلام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے، اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور اس سے ثابت قدمی کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

((كَانَ اَكْثَرُ دُعَائِهِ ﷺ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِيْنِكَ .))

''آپ ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے، یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ، اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔''

پھر فرمایا: (یا أُمَّ سلمة!) اے ام سلمہ!

((اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ آدَمِيٍّ اِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ ، مَا شَاءَ اَقَامَ وَمَا شَاءَ أَزَاغَ .)) [1]

''تمام بنی آدم کے دل، اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، جس کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔''

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران : ٨)

اب آیئے دل کی تیسری قسم کا حال جانتے ہیں، تیسری قسم ہے: دلِ مریض، اور اس

[1] ترمذی : ٣٥٢٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مراد وہ دل ہے کہ جس میں زندگی کی ایک رمق تو باقی ہو مگر بیمار ہو۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا کنسرن (Concern) تشویش اور فکر اس سے متعلق ہونی چاہیے کہ کہیں دل بیمار تو نہیں ہے، اگر بیمار ہے تو بیماری کس راستے سے آئی ہے اور اس کا علاج کیسے کرنا ہے، اس سے چھٹکارا کیسے حاصل کرنا ہے۔

اگر حقیقی کامیابی حاصل کرنے کی خواہش ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دل کی صحت وسلامتی کی فکر ہو، دل کی بیماریوں کے جاننے اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر ہو، اور طریقہ علاج جاننے کی فکر ہو۔

ہم یہ باتیں جاننے کے حوالے سے کتنے فکر مند ہیں، یہ تو ہر شخص اپنے بارے میں بہتر جانتا ہے، مگر کتنا فکر مند ہونا چاہیے، یہ جاننے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا ہوگا، وہ لوگ کہ جنہیں رضی اللہ عنهم ورضوا عنه کی سند دے دی گئی، ان کا حال یہ تھا کہ وہ حقیقی کامیابی کے حوالے سے ہمیشہ فکر مند رہتے تو جس طرح جسمانی بیماریوں کی کچھ علامات ہوتی ہیں، اس طرح روحانی بیماریوں کی بھی علامات ہیں، ان علامات کو جاننا، ان کے اسباب معلوم کرنا اور ان کا علاج معلوم کرنا ایک مستقل نشست کا متقاضی ہے۔

البتہ چند ایک علامات یہ ہیں کہ بھوک نہ لگنا، جی ہاں! جس طرح جسم کی غذا ہوتی ہے اسی طرح دل کی بھی ایک غذا ہوتی ہے، اور دل کی غذا اللہ کا ذکر ہے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت ہے۔ تسبیح وتہلیل ہے، اور دیگر عبادات اور ان کا شوق ہے، اور غذا کی حاجت نہ ہونا، بھوک نہ لگنا یقیناً اک بیماری ہے۔

اسی طرح دین کی باتیں سن کر گھٹن اور انقباض محسوس کرنا، جبکہ گپ شپ، لہو ولعب اور لغو وفضولیات میں دل لگنا اور خوشی محسوس ہونا۔ ایسے ہی دیندار لوگوں کے پاس بیٹھ کر طبیعت مکدر ہونا اور مزاج پر گراں گزرنا اور دین بے زار لوگوں کی محفل میں بیٹھ کر مسرت و انبساط محسوس کرنا۔ تاہم خلاصہ ان بیماریوں کا دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقی کامیابی (1)

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ o اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾

(الشعراء:۸۸، ۸۹)

گذشتہ جمعے ہم نے قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں یہ جانا کہ دل، عقل و شعور، غور وفکر اور جذبات واحساسات کا مرکز ہے، دل پر آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے جو کہ حقیقی کامیابی ہے، اور دل ہی آخرت کی ناکامی کا ذمہ دار ہے، دل ہی کے ذریعے انسان کو تدبر وتفکر کی دعوت دی گئی اور تاکید کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد:٢٤)

''کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے ! یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔''

اور جو لوگ دلوں سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے انھیں: ﴿كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹) کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

تو یوں بہت سے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے دل کی اہمیت اور حیثیت بیان کی گئی ہے، اور دنیا وآخرت کے لحاظ سے دل کی اہمیت بیان کرنے کے لیے یقیناً قرآن و حدیث میں مزید بہت سے دلائل موجود ہیں، مگر ہم انھی پر اکتفا کرتے ہیں۔

تو آیئے اب جانتے ہیں دلوں کے احوال، قرآن و حدیث میں دلوں کی مختلف حالتیں اور قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

بنیادی طور پر ان کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک قلوبِ سلیمة اور دوسرے قلوبِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مریضة ۔یعنی ایک پاکیزہ ،تندرست اور سلامت دل اور دوسرے بیمار دل ۔

حقیقی کامیابی کے حصول کے لیے قلبِ سلیم کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے دلائل کی روشنی میں جانا ۔لہٰذا ہماری منزل ، ہمارا مطلوب حصولِ قلبِ سلیم ہے ، اور قلب سلیم یقیناً خود بخود حاصل نہیں ہوتا ، بلکہ اس کے لیے بہت زیادہ محنت و مشقت اور سعی و جہد کرنی پڑتی ہے ۔ دل کو سینکڑوں روحانی بیماریوں سے بچانا کوئی آسان کام نہیں ، اس کے لیے بہت زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔تو ہمیں اپنے مطلوب کے حصول کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ہوگا کہ دل کو لاحق ہونے والی بیماریاں اور آلائشیں کس طرح دل پر وارد ہوتی ہیں ، اور کس طرح دل کی سلامتی کے لیے خطرہ ثابت ہوتی ہیں اور کیوں کر اُن سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے اور بچا جا سکتا ہے ۔

تو سب سے اولین اور بنیادی نقطہ اس میں یہ ہے کہ دل پر وارد ہونے والی بیماریاں آزمائشوں کی صورت میں آتی ہیں ، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھانپ لینا کہ فلاں معاملہ آزمائش ہے ، بہت مشکل ہے کیوں کہ آزمائش اگر اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے لگے تو آزمائش تو نہ ہوئی اور اگر یہ معلوم ہو بھی جائے کہ فلاں معاملہ آزمائش ہے مگر پھر اس سے بچ پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔لہٰذا اصلاحِ دل کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ دل کو لاحق ہونے والی روحانی بیماریاں آزمائشوں کی صورت میں دل پر وار ہوتی ہیں ۔

حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا))

’’ فتنے دلوں پر اس طرح وارد ہوتے ہیں جس طرح چٹائی کی تیلیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں ۔‘‘

((فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ))

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

’’پھر جس دل نے فتنے کو قبول کر لیا یعنی اُس میں وہ فتنہ رَچ بس گیا تو اُس میں ایک کالا داغ لگا دیا جاتا ہے۔

((وَأَیُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ))

اور جو دل اُس کو رد کر دے اُس میں ایک سفید نشان لگا دیا جاتا ہے۔

((حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ))

حتی کہ دو قسم کے دل ہو جاتے ہیں۔

((عَلَى أَبْيَضَ مِثْلَ الصَّفَا، فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ))

ایک خالص سفید دل، چکنے پتھر کی طرح، جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچا سکے گا، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں گے۔

(وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًا، كَالْكُوزِ، مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ.)) [1]

دوسرا کالا سفیدی مائل، اوندھے کوزے کی طرح، جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی بات سمجھے گا اور نہ بُری بات کو بُری، مگر وہی جو خواہشات اُس کے دل میں گھر کر چکی ہوں گی وہ اسی کے مطابق چلے گا۔

یہاں اس حدیث میں دلوں کی سلامتی کا نسخہ بتلایا گیا ہے کہ دل پر وارد ہونے والے فتنوں کو پہچاننا ہے، اور اُن سے بچنا ہے۔ اُن کو دل میں جگہ نہیں دینی، اس کا آخرت میں جو فائدہ ہوگا وہ تو اپنی جگہ پر مگر دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ:

((فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ))

’’جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، انھیں کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔‘‘

[1] مسلم: ١٤٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اندازہ کریں! فتنوں کو ٹھکرا دینے اور ان سے بچ نکلنے سے دنیا میں کتنے اجر وانعام سے نوازا گیا ہے کہ رہتی دنیا تک انھیں کسی فتنہ اور آزمائش سے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم اور اُس کی اِس عنایت کی بنیاد کیا ہے؟ اس کی بنیاد ہے تقوی کہ جب انسان صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے اس کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک کسوٹی اور معیار عطا فرما دیتا ہے کہ جس سے وہ حق اور باطل اور صحیح اور غلط میں فرق وتمیز کرنے کی رہنمائی حاصل کرتا ہے، اس کے اندر وہ قوت اور صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ اندازہ کر لیتا ہے کہ کون سا رویہ صحیح اور کون سا غلط ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

(الانفال:٢٩)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرو گے تو وہ تمھارے لیے ایک کسوٹی اور معیار فراہم کر دے گا، تمھاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا، اور تمھارے قصور معاف کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔“

یعنی تقوی اختیار کرنے سے انسان کو اتنی بڑی سہولت اور اتنی بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ پھر اس کی زندگی ہموار اور معتدل گزرنے لگتی ہے، اسے سکون واطمینان اور حیات طیبہ حاصل ہو جاتی ہے، اس کے تمام معاملات قرآن وحدیث کے مطابق ادا ہونے لگتے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے تقویٰ ہوتا کہاں ہے؟ اس کا مقام کیا ہے؟ تو تقوی کا مقام دل ہے۔ تقوی دل میں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلتَّقْوَى هَاهُنَا))

((وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقوی یہاں ہے۔

تو دل عقل وشعور، تدبر وتفکر، جذبات واحساسات اور اللہ تعالیٰ کے ڈر، خوف اور تقوی کا مقام اور مرکز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دل انسان کے جسم میں سب سے اہم، سب سے حساس اور سب سے ذہین عضو ہے۔

دل کو ہمیشہ عقل وفہم اور ذہانت وفطانت کا مرکز ومحل سمجھا گیا ہے۔ بلکہ بعض روایت میں ہے کہ جمیل بن معمر الفہری نامی ایک شخص اپنی ذہانت وفطانت، چالاکی، مکاری اور تیز طراری کی وجہ سے دعوی کرتا تھا کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، اور محمد ﷺ کا ایک دل ہے اور وہ ذو القلبین کے نام سے مشہور تھا کہ دو دلوں والا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے اس دعوے کی نفی اور تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ (الاحزاب:٤)

''اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔''

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ایک وقت میں انسان کے دل میں ایک ہی عقیدہ وایمان سما سکتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی وقت میں آدمی مسلمان بھی ہو اور کافر بھی۔

اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایک وقت میں کسی انسان کے سینے میں فزیکلی ایک ہی دل ہوسکتا ہے اور انسانی تاریخ شاہد ہے کہ آج تک کس انسان کے کبھی دو دل نہیں ہوئے، دو سر اور دیگر اعضاء ایک سے زیادہ تو ہوتے ہیں مگر دو دل کبھی کسی انسان کے نہیں ہوتے۔

اور اس آیت کریمہ سے علماء کرام نے ایک لطیف سا نکتہ بھی کشید کیا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، بلکہ فرمایا کہ ہم نے کسی مرد کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی اس سے عورت کو مستثنیٰ قرار دیا، تو کیا کسی عورت کے دو دل ہو سکتے ہیں؟ بالکل نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ پیٹ میں ہونے کی صورت میں چونکہ دو دل ہوتے ہیں ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف مرد کا ہی ذکر فرمایا۔

تو آیئے اب دل کی بیماریوں ، اُن کے اسباب اور ان کی قسموں کے بارے میں جانتے ہیں۔

دل کی قسمیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دو بڑی اور بنیادی قسمیں ہیں : ایک قلب سلیم اور ایک قلب مریض ۔ اگر چہ قلب میت (مردہ دل) بھی ایک تیسری قسم ہے، مگر ہماری آج کی گفتگو بیمار دل کی بیماریوں اور اُن کے اسباب جاننے سے متعلق ہوگی ۔ ان شاء اللہ

پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دل روحانی طور بھی بیمار ہوتے ہیں جس طرح کہ جسمانی طور پر بیمار ہوتے ہیں، قرآن پاک کی متعدد آیات میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے ۔ جیسا کہ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرۃ:۱۰)

''اُن کے دلوں میں ایک بیماری ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اور بڑھا دیا ہے۔''

جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی منافقانہ روش پر فوراً مواخذہ نہیں کیا بلکہ انہیں ڈھیل دے دی جس سے وہ اپنی منافقت میں بڑھتے ہی چلے گئے ۔

تو یہاں بیماری کا ذکر کیا، مگر اس بیماری سے مراد نفاق کی بیماری ہے۔

اسی طرح دیگر آیات میں بھی دلوں کے بیمار ہونے کا ذکر فرمایا، اور اُن میں سے ایک یہ بھی ہے: اللہ تعالیٰ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے مخاطب ہوتے فرماتے ہیں :

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔''

یعنی تمھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا جو شرف عطا کیا گیا ہے اس کی وجہ سے تمھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ اور یوں تمھیں بھی اُمت کے لیے نمونہ بننا ہے، اس لیے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تمھیں ایک خصوصی طرزِ عمل اپنانا ہوگا اور وہ یہ کہ:

﴿ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی ہو تو پھر عورت کے فطری نرم لہجے میں بات نہ کرنا۔''

﴿فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''کہ دل کی بیماری میں مبتلا شخص طمع اور لالچ میں نہ پڑ جائے۔''

﴿وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا﴾(الاحزاب:۳۲)

''بلکہ عام اور معروف لہجے میں بات کیا کرو۔''

عورت کی فطری آواز میں مرد کے لیے کشش کے ساتھ ساتھ اس کی سادگی اور بھولا پن بھی ہوتا ہے۔ ایک نارمل انسان کے لیے تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں، مگر ایک ایسا شخص کہ جو پہلے سے دل کی بیماری میں مبتلا ہو اس کے لیے وہ آواز اور وہ لہجہ غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے۔ اور وہ بیماری نفاق کی بیماری بھی ہو سکتی ہے اور شہوت کی بیماری بھی۔ منافق تو پاکدامن عورتوں پر کوئی بھی الزام لگانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ جھٹ سے کوئی بہتان داغ دیتا ہے۔

اور جو شخص فحاشی، بیہودگی اور بداخلاقی کی بیماری دل میں لیے پھرتا ہو وہ بھی عورت کے اس فطری اندازِ گفتگو کو اس کی کمزوری سمجھنے لگ جاتا ہے۔

لہٰذا امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو بالخصوص اور باقی تمام مسلمان عورتوں کو بالعموم کسی غیر محرم سے بات کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے کہ وہ اپنی فطری آواز میں بات نہ کرے بلکہ اس میں تھوڑا سا روکھا پن ہو اور دوٹوک بات ہو، اور بات کو خوامخواہ طول نہ دے، صرف ضرورت کی بات کرے۔

اب دل کی بہت سی روحانی بیماریوں میں ایک یہ بیماری بھی ہے جس کا تعلق بے حیائی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فحاشی ، بیہودگی اور بداخلاقی سے ہے۔

اگر تمام بیماریوں کا ایک ایک کرکے تفصیلی ذکر کرنا چاہیں تو اس کے لیے کئی ہفتے لگ سکتے ہیں۔تاہم چند بیماریوں کا مختصر سا ذکر کریں گے۔سب پہلے اس بیماری کی بات کر لیتے ہیں جو اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے، جس سے بچنا ناممکن اگر نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ ٹی وی اور انٹرنیٹ نے اس بیماری کو گھر گھر پہنچا دیا ہے اور خاندانوں کے خاندان تباہ کر دیے ہیں اور اس کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اب اس کو نہ صرف یہ کہ برائی نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ ثقافت اور تفریح جیسا خوبصورت لبادہ پہنا دیا گیا ہے۔

اب اسی آیت کریمہ کو اگر سامنے رکھ کر بات کریں کہ جس میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو مخاطب کرکے تمام مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر محرم سے بات کرتے ہوئے نرم اور لچک دار اور فطری نسوانی آواز میں بات نہ کریں بلکہ ذرا سخت لہجے میں بات کریں تاکہ کسی بیمار دل اور بدقماش شخص کے دل میں بھی کوئی غلط خیال نہ گزرے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کسی ایسی عورت کو زیب نہیں دیتا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی ہو اور دل میں پرہیز گاری کا جذبہ رکھتی ہو۔

اب غور کریں ! اگر کوئی شخص دل کو لاحق ہونے والی بیماریوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہے اور اپنی اصلاح کرنے کا خواہشمند ہے تو اُس کو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ جب ایک طرف عورت کو غیر محرم سے بالکل عام ، سادہ اور ضرورت کی بات کرتے وقت اس کا اپنا فطری انداز گفتگو اپنانے سے منع کیا گیا ہے تاکہ کسی مرد کے جذبات میں انگیخت پیدا نہ ہو۔تو کیا سمجھتے ہیں کہ عورت کا ناچ گانا اور وہ بھی پوری آب وتاب کے ساتھ، آدمی کے جذبات کو برانگیختہ نہ کرتا ہوگا، اس کے جذبات میں ہیجان پیدا نہ کرتا ہوگا اور کیا وہ عمل جائز اور حلال ہوگا ، کیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑانا نہیں ہوگا۔کیا وہ بے حیائی اور فحاشی کے ضمن میں نہ آتا ہوگا، کیا اس کو بے غیرتی اور دعوتِ گناہ نہیں گردانا جائے گا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر اس کا جواب ہاں میں ہے جو کہ یقیناً ہاں میں ہے، تو پھر ایک ایسا شخص جو اُن ناچنے گانے والیوں کو پسند کرتا ہو، اور ناچ گانا کروانے والوں کو پسند کرتا ہو اور انہیں سپورٹ کرتا ہو، اُس کے بارے میں کیا حکم لگائیں گے؟

قرآن جب کہتا ہے کہ:

﴿إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء:۱۴۰)

''جہاں تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو وہاں نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو تم انہی کی طرح ہو۔''

اندازہ کریں کتنی شدید تنبیہ اور تہدید ہے، کہ برائی پھیلانے والوں کو سپورٹ کرنا تو درکنار صرف ان کی محفل میں بیٹھنے سے ہی آدمی ان جیسا شمار کیا جانے لگتا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی ایسے بدکردار اور ملک میں بے حیائی اور فحاشی پھیلانے والوں کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد کرتا ہو اور اسے مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتا ہو!

اور ایسے لوگوں کو مزید سخت لہجے میں خبردار کرتے ہوئے اور انھیں اُن کے برے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النور:۱۹)

''جو لوگ مسلمانوں میں فحاشی پھیلانا چاہتے ہیں، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اب کیا ناچ گانا فحاشی نہیں ہے؟ یقیناً فحاشی ہے، اس لیے کہ یہ فحاشی کے مقدمات ہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن پاک میں بدکاری سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو انداز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾

(بنی اسرائیل:۳۲)

”اور زنا کے قریب مت جاؤ کہ وہ فحاشی ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔“

اور ہر برائی کے کچھ مقدمات ہوتے ہیں، جن کے ذریعے انسان اس برائی تک پہنچتا ہے۔ ایسے ہی بدکاری کے مقدمات مرد و زن کا اختلاط اور ناچ گانا وغیرہ ہے۔ اور جو لوگ ناچ گانے کو کسی بھی صورت میں سپورٹ کرتے ہیں یا اس کا اہتمام کرتے ہیں انھیں ڈر جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی شدید وعید سنائی ہے اور دنیا میں عذاب الیم کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، سب سے خطرناک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کے بدلے نعمتوں سے نوازتا ہے۔ وہ سٹیج پر لڑکیاں نچوائے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے دے، اس کا کاروبار پھلنا پھولنا شروع ہو جائے۔ مگر دوسری طرف رفتہ رفتہ وہ اپنے گناہوں کے انجام کی طرف دھکیلا جا رہا ہوتا ہے، وہ برے دوستوں کی صحبت میں مگن کر دیا جاتا ہے، اسے برائی اچھی لگنے لگتی ہے، دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر اس پر کسی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور یوں اس کے دل کی بیماریاں ملٹی پلائی ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اور یاد رہے کہ دلوں کا سخت ہونا، دل کی بیماریوں میں سے ایک بہت بڑی اور خطرناک بیماری ہے۔ جب کہ قلب سلیم کی صفات میں سے ایک صفت اُس کا نرم ہونا ہے، اور کتنا نرم ہونا ہے؟

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ))[1]

کچھ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں

---

[1] صحيح مسلم : ٢٨٤٠ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گے یعنی بہت نرم اور کمزوردلوں والے۔

جس طرح پرندے سب سے زیادہ ڈرپوک مخلوق ہے، محض خالی ہاتھ کے اشارے سے ہی اُڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے نرم اور کمزور دل والے ہوتے ہیں کہ صرف قبر اور جہنم کا نام سن کر ہی ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ مگر دوسری طرف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھیں عذاب الیم کی نوید بھی سنائی جائے تو ان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بدبختی سے محفوظ فرمائے، اور اُن خوش نصیبوں میں شامل فرمائے جن کے دلوں کی کیفیت یہ بیان فرمائی کہ:

﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ (الزمر:۲۳)

''جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب کا ڈر اور خوف رکھنے والے ہیں۔''

﴿ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر:۲۳)

''پھر اُن کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔''

﴿ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (الزمر:۲۳)

''یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے سمجھا دیتا ہے۔''

﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ (الزمر:۲۳)

''اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقی کامیابی (2)

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○﴾ (الشعراء: ۸۸ ـ ۸۹)

’’جس دن کوئی مال کام آئے گا اور نہ اولاد، سوائے اس کے جو قلبِ سلیم لیے حاضر ہوگا۔‘‘

انسان ایک افضل و اشرف مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے، انسان کی بہت سی صفات اور خوبیوں میں سے کہ جو اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں ایک عقل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل سے نوازا ہے۔

عقل کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، سب سے بڑھ کر تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کے اثبات کے لیے انسانی عقل کو غور وفکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ اپنے وجود کے اثبات کے دلائل ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○﴾ (البقرة: ١٦٤)

’’یقیناً، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، لیل و نہار کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے، اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلا رکھا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کر رکھے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔''

اور اس طرح کی مزید کئی آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار اور اس کی معرفت اور پہچان بنیادی طور پر انسان کی فطرت میں موجود ہے، پھر انبیاء ورسل علیہم السلام کی طرف سے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو عقل سلیم اسے فوراً قبول کر لیتی ہے۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (الروم: ۳۰)

''یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو احکام دین کا مکلّف نہیں ٹھہراتا جو عقل سے محروم ہو، بلکہ اسے مرفوع القلم قرار دیتا ہے یعنی اس سے قلم اٹھا لیا جاتا ہے اس کے اقوال وافعال لکھے نہیں جاتے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ .))

''تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔''

((عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ .))

''سوئے ہوئے شخص سے، جب تک وہ بیدار نہیں ہو جاتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ .))

''اور بچے سے جب تک وہ بالغ نہیں ہو جاتا۔''

((وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ .)) [1]

''اور پاگل سے جب تک اسے عقل وشعور حاصل نہیں ہو جاتا۔''

تو یہ وہ تین لوگ ہیں کہ جو مکلّف نہیں ہوتے، البتہ سویا ہوا شخص جب بیدار ہوگا تو نماز کی قضاء دے گا۔ اور اسی طرح اگر یہ لوگ حقوق العباد میں کوئی زیادتی اور تجاوز کریں گے تو وہ بھی ادا کرنا ہوگی۔

مثلاً: اگر کوئی پاگل شخص کسی کا کوئی مالی نقصان کرتا ہے، یا کسی کو قتل کر دیتا ہے تو وہ نقصان پورا کرنا ہوگا، اور وہ قتل قتلِ خطا کے زمرے میں آئے گا، اور اس کی دیت اس کے باپ کی طرف سے مرد رشتہ داروں پر ہوگی، جس کو شرعی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔

تو عقل کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے، مگر اس سب کچھ کے باوجود عقل کی کچھ حدود و قیود ہیں، اک دائرہ کار ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

تو انسان ایک طرف افضل واشرف مخلوق ہے، عقل وشعور رکھنے والی اور دیگر بہت سی خوبیوں کی حامل مخلوق ہے، مگر دوسری طرف وہ اک بہت کمزور مخلوق بھی ہے۔ کمزور جسمانی لحاظ سے بھی ہے، کہ اس کے مقابلے میں دیگر بہت سی مخلوقات کئی اعتبارات سے اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں، جس کی تفصیل میں اس وقت نہیں جانا چاہتے، مگر اس کی جس کمزوری کا اس وقت ذکر کرنا مقصود ہے وہ ہے اس کا اپنے جذبات واحساسات اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کے لحاظ سے کمزور ہونا عزم وارادے کے لحاظ سے کمزور ہونا، شیطانی وسوسوں کو روکنے میں کمزور ہونا، اپنے غصے پر قابو پانے میں کمزور ہونا، برداشت اور تحمل میں کمزور ہونا،

---

[1] ابوداؤد، رقم: ٤٤٠٣.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بسا اوقات انسان کسی معمولی سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے، کوئی لالچ دے، یا کوئی پرکشش چیز دیکھ لے تو پھسل جاتا ہے رالیں ٹپکنے لگتی ہیں، بہت جلد دنیا کی کشش سے متاثر ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وخلق الانسان ضعیفا، کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

تو انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ بہت سے معاملات میں، زندگی کے بہت سے شعبوں میں وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتا ہے، چنانچہ حدیث میں بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ آدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَتْرُكَهُ .))

"جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا جنت میں ڈھانچہ بنایا، تو اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا اسے یونہی ڈھانچے کی شکل میں ہی چھوڑے رکھا، یعنی اس میں روح نہ پھونکی۔"

((فَجَعَلَ اِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ، يَنْظُرُ مَاهُوَ .))

تو ابلیس اس کے گرد چکر لگاتا تا کہ معلوم کرے کہ وہ کیا ہے۔

((فَلَمَّا رَآهُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّهُ خُلِقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ .)) [1]

"جب اس نے دیکھا کہ وہ اندر سے خالی ہے، تو اسے معلوم ہوگیا کہ وہ ایک ایسی تخلیق ہے جو اپنے آپ قابو نہ رکھ سکے گی، اپنی خواہشات کے سامنے بے بس ہو جایا کرے گی۔

تو اس اعتبار سے انسان ایک نہایت ہی کمزور مخلوق ہے، رہی یہ بات کہ انسان کو اس قدر کمزور کیوں پیدا کیا گیا ہے، تو یہ ایک دوسرا موضوع ہے، تاہم خلاصہ اس کا یہ ہے کہ تا کہ انسان اپنے آپ کو بے نیاز نہ سمجھنے لگ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا محتاج بن کر رہے اسی میں اس کی خیر اور بھلائی ہے، اسی میں اس کی فلاح اور کامیابی ہے کہ اس کے اپنے خالق و مالک اور اپنے محسن و منعم کے ساتھ تعلقات استوار رہیں، مضبوط و مستحکم اور پائیدار رہیں، کیونکہ انسان

---

[1] مسلم : ٢٦١١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب اپنے آپ کو بے نیاز محسوس کرنے لگتا ہے تو سرکشی پر اتر آتا ہے۔

اور یہ حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝﴾ (العلق: ٦ ـ ٧)

''انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ وہ بے نیاز ہوگیا ہے۔''

حالانکہ اس کی یہ سوچ اور اس کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ بے نیاز ہوگیا ہے، البتہ اس کی سرکشی کی وجہ اس کا اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا ہی ہے۔

خیر اس سرکشی کا تو پھر بھی ایک باعث اور سبب ہے اگرچہ وہ بھی غلط ہی ہے، مگر ایک سرکشی اور تکبر ونخوت اس سے بھی بری ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا کوئی باعث نہ ہو، بلکہ اس کے نفس خبیثہ کا مظہر ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.))

فرمایا: ''تین قسم کے لوگ ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائیں گے، ان کو پاک نہیں کریں گے، ان کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں اور ان کے لیے عذاب الیم ہوگا۔''

(شَيْخٌ زَانٍ) ''بوڑھا بدکار۔'' (وَمَلِكٌ كَذَّابٌ) ''جھوٹا اور کذاب بادشاہ۔''

(وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ) ''اور مغرور ومتکبر فقیر۔''[1]

ایسا شخص کہ جس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر وہ تکبر وغرور کرتا ہو، مگر پھر بھی وہ اکڑتا اور تکبر کرتا ہے۔

ہاں تو کمزوریوں کی بات ہو رہی تھی کہ انسان فطری طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے، چنانچہ اس کی فطری کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بھول جاتا ہے، وہ پرکشش چیزوں کو

[1] مسلم: ١٠٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھ کراُن کی طرف لپک جاتا ہے، اور یوں اسے اپنا سبق یاد نہیں رہتا، اپنی منزل سے دور ہو جاتا ہے، اپنا مقصد زیست بھول جاتا ہے۔

اسے سمجھا بجھا کر، وعظ ونصیحت کر کے کچھ دین کی طرف راغب کیا جاتا ہے، مگر اگلے جمعہ وہ پھر وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ پھر نئے سرے سے دنیا کی بے ثباتی، اور آخرت کی حقیقت اور اس کی شدت وسنگینی سے آگاہ کیا جاتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے اثر لیتا ہے، مگر جونہی وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے تو پھر وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ إِسْتَوْقَدَ نَارًا .))

''میری مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہے، جس نے ضرورت کے لیے آگ جلائی۔''

((فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا .))

''جب اس کا اردگرد روشن ہوگیا۔''

((جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا .))

تو اس میں تتلیاں، پتنگے اور پروانے آ آ کرگرنے لگے۔''

((فَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا .))

''وہ انہیں آگ میں گرنے سے روکنے لگا، مگر وہ پورا زور لگا لگا کر اس میں گرنے کی کوشش کرتے۔''

((فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا .))[1]

''فرمایا: اور میں تمہیں کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں

[1] مسلم : ٢٢٨٤ ، ترمذی : ٢٨٧٤ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مگر تم پوری شدت سے اس میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔“

تو یہ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ اسے بڑی محنت سے اور بھر پور طریقے سے جہنم سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر وہ اس سے زیادہ طاقت اور شدت کے ساتھ اس میں گرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ دنیا کی چمک دمک، اس کی رونق اور اس کی کشش انسان کو متاثر کرتی ہے، مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اگر انسان اس پر قابو پانا چاہے بھی تو نہیں پا سکتا، بلکہ انسان اگر ایمانداری اور سنجیدگی سے کوشش کرے تو یقیناً بدل سکتا ہے، کیونکہ پھر اسے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت : ٦٩)

”جو ہمیں پانے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں“

یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور اگر دین پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق شامل حال نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کوششوں میں سنجیدہ اور مخلص نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنی جگہ سچا اور برحق ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص نماز تو پڑھتا ہے مگر اسے باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے جو کوشش اور سنجیدگی مطلوب تھی اس کی تعمیل نہیں ہوئی، چنانچہ اس آیت کریمہ میں مراد لوگوں میں اس کا شمار نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس کوشش کے نتیجے میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہے تو یہ سراسر دھوکہ ہوگا جو وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو دے رہا ہوگا، لہٰذا اسے اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہوگی۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰـكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات : ١٤)

''یہ بدو آ کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں۔''

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات : ١٤)

''ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

نماز کے لیے آدمی کو قربانی دینا پڑتی ہے، جان کی، مال کی، نیند کی، آرام کی اور تعلقات کی۔ اور تعجب ہے! مہینے بھر کی محنت بھی رنگ نہ لائے، آدمی کو نمازی نہ بنا سکے۔ وہ کیسی محنت، کیسی تربیت، کیسی مشق اور ایکسرسائز ہوگی۔

کیا ایسے نہیں لگتا کہ ہم نے رمضان المبارک میں بھوکا رہنے کی مشق کی ہے روزے نہیں رکھے، کیونکہ روزے رکھنے کا لازمی نتیجہ تقویٰ پیدا ہونا ہے۔ اور نماز کے وقت آدمی نیند کے مزے لیتا رہے اور پھر سمجھے کہ اس میں تقویٰ پیدا ہوا ہے، یقیناً دھوکہ ہے اپنے آپ کو دھوکہ ہے۔

نماز کی اہمیت کو سمجھیں، اگر کوئی شخص نماز کے شعبے میں فیل ہے تو وہ دین کے تمام شعبوں میں فیل ہے، اور اگر وہ نماز کے معاملے میں پاس ہے تو تمام تر خامیوں کے باوجود اس کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

حدیث میں ہے:

((اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهُ .))

''قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے جس عمل کا حساب ہوگا وہ ہے اس کی نماز۔''

((فَاِنْ صَلُحَتْ ، فَقَدْ اَفْلَحَ وَأَنْجَحَ .))

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

’’تو اگر وہ درست ہوگئی تو وہ یقیناً کامیاب وکامران ہوگیا۔‘‘

((وَإِنْ فَسَدَتْ ، فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ .)) ❶

’’اور اگر وہ خراب رہی تو وہ ناکام ونامراد ہوگیا۔‘‘

نماز کے صحیح ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، مگر اس کا پہلا اور بنیادی نقطہ ہے نماز کو قربانی دے کر پڑھنا، وقت کی قربانی، کاروبار کی قربانی، نیند کی قربانی، گھر میں اگر کوئی بے نماز رشتہ دار یا دوست واحباب آئے بیٹھے ہوں تو ان کے تعلقات کی قربانی دے کر نماز کے لیے جانا۔

فرض نماز باجماعت ادا کرنا مرد کے لیے تو کم از کم مطلوب ہے، ہمیں اپنی آخرت کے لیے اس سے کہیں زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے مگر ہم کم از کم بھی ادا نہ کر پائیں تو معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ عام حالات میں نماز سے بڑھ کر اعمال صالحہ بجالانے کی ترغیب ہے اور فتنوں کے دور میں بلکہ اس سے پہلے پہلے نیک اعمال کرنے کی تاکید ہے۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، قرب قیامت کی بہت سی علامات ظاہر ہوچکی ہیں، اوران میں سے چند ایک: فتنہ وفساد اور قتل وخونریزی ناچنے گانے والیوں کی کثرت، بے حیائی اور فحاشی کا رواج، شرک و بدعت کی کثرت اور اولاد کی نافرمانی وغیرہ ہیں۔

چنانچہ حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ .)) ❷

’’اعمال صالحہ میں جلدی کرلو فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے، جو کہ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے۔‘‘

رات تو ویسے بھی اندھیری اور تاریک ہی ہوتی ہے، مگر راتوں میں کچھ راتیں زیادہ

---

❶ ترمذی : ٤١٣ . ❷ مسلم : ١١٨ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تاریک ہوتی ہیں اور کچھ روشن راتیں بھی ہوتی ہیں جیسا کہ ایام البیض کی راتیں۔ اور وہ ہیں تیرہ، چودہ اور پندرہ، ان راتوں میں چونکہ روشنی ہوتی ہے، اس لیے انہیں سفید اور روشن راتیں کہا گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف جب رات تاریک ہو تو آدمی کو راستہ دکھائی نہیں دیتا، کدھر سے نکلنا ہے مخرج معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی اس قدر شدید اور تاریک فتنے ہوں گے کہ آدمی کو صحیح اور غلط کی پہچان کرنا مشکل ہو جائے گا، ہر طرف دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا۔

کسی کی چرب زبانی سے متاثر ہونا تو ایک عام سی بات ہے پر کشش اور خوبصورت الفاظ آدمی کے دل پر اثر کرتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کے نزدیک صحیح اور غلط کا معیار یہی ہے کہ اس کی باتیں بڑی زبردست ہوتی ہیں، مگر صحیح اور غلط کی پہچان کا معیار صرف اور صرف قرآن وحدیث ہے۔

خیر فتنوں کے دور کے آنے سے پہلے پہلے اعمال صالحہ بجالانے کی بات ہو رہی تھی، اور فتنوں کے دور میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اجر وثواب بتلایا گیا ہے، کیونکہ فتنوں میں الجھ کر نیکی کی طرف راغب ہونا مشکل ہو جائے گا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعِبَادَةُ فِی الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ .))[1]

"قتل وخونریزی کے دور میں عبادت کرنا ایسے ہی ہے جیسا میری طرف ہجرت کر کے آنا ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے، فرمایا:

((اِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ اَيَّامَ الصَّبْرِ .))

"تمہارے بعد صبر کرنے کے دن آئیں گے۔"

((اَلصَّبْرُ فِيهِنَّ كَقَبْضٍ على الْجَمْرِ .))

[1] مسلم: ٢٩٤٨.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ان میں صبر کرنا ایسا مشکل ہوگا جیسے آگ کا انگارہ مٹھی میں لینا۔''

لِلْعَامِلِ فِيهَا اَجْرُ خَمْسِيْنَ . [1]

''ان ایام میں عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے اجروثواب جتنا اجر ملے گا۔''

[1] مسند البزار، ج٥، ص ١٧٨، رقم: ١٧٧٦ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جسمانی صحت وطاقت کی اہمیت (حصہ اوّل)

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(الاسراء: ۸۲)

”اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارتے ہیں جو سراسر شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے رحمت۔“

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اوراس کا موضوع انسان ہے، یعنی انسان کی ہدایت و رہنمائی سے متعلق ہے اور انسان چونکہ مرکب ہے جسم اور روح سے، لہٰذا اسلام ان دونوں اجزاء کے لیے یکساں طور پر ایک مکمل نظام ہے۔

انسان کو زندگی میں بے شمار مسائل پیش آتے ہیں۔ کچھ روح سے متعلق ہوتے ہیں اور کچھ جسم سے، جیسے عقیدہ و ایمان کا تعلق روح سے ہے، خوشی اور غمی کا تعلق روح سے ہے، اسی طرح نزلہ، زکام، کھانسی اوران جیسی سینکڑوں بیماریوں کا تعلق جسم سے ہے۔

اس حقیقت سے کسی بھی باشعور انسان کو انکارنہیں ہوسکتا کہ جس طرح جسم بیمار ہوتے ہیں، اسی طرح روح بھی بیمار ہوتی ہے۔ جسموں کے بیمار ہونے کوتو سبھی جانتے اور سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ جسمانی بیماریوں کا کسی طرح بھی دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں سمجھتے۔ البتہ روحانی بیماریوں کے متعلق اتنا تو جانتے ہیں کہ روحانی بیماریاں اپنا ایک وجود رکھتی ہیں، مگر وہ کیا ہیں، ان سے کس طرح بچا جا سکتا ہے، اور کسی کو لاحق ہو جائیں تو پھر ان کا علاج کیا ہے، ان چیزوں کے بارے میں اکثر لوگ کچھ جانتے ہیں، نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

روحانی بیماریوں سے متعلق فی الحال اتنی بات ذہن میں رکھیں کہ تمام تر گناہوں کا ارتکاب روحانی بیماریوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور خطبات جمعہ میں روحانی بیماریوں اور ان کے علاج کا ذکر ہی ہوتا ہے۔

مگر آج ہم جسمانی بیماریوں کے حوالے سے بات کریں گے۔ ان شاء اللہ! کیونکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ اسلام جسم اور روح دونوں کے لیے رہنمائی اور ہدایات دیتا ہے، اور روح سے متعلق تو خطبات جمعہ میں ہمیشہ بات ہوتی ہے، اس لیے جسم سے متعلق بات کرنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ اس کی اہمیت کے حوالے سے امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک مقولہ عوام میں گردش کر رہا ہے کہ:

((صَلَاحُ الْاَبْدَانِ مُقَدَّمٌ عَلٰی صَلَاحِ الْاَدْیَانِ .))

''جسموں کی اصلاح و درستی اور صحت و سلامتی مقدم ہے دین کی صحت و سلامتی پر۔''

یہ مقولہ جسموں کی صحت وسلامتی کی اہمیت ظاہر کرنے کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر جسموں کی صحت وسلامتی کا دین کی صحت وسلامتی پر مقدم ہونا محل نظر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمسک بالدین کو تکلیفوں، مصیبتوں، پریشانیوں اور آزمائشوں پر مقدم رکھا ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث میں بجا طور پر اس کا ذکر ملتا ہے۔

تو گویا کہ اسلام میں جسموں کی صحت وسلامتی اور دیکھ بھال، اور حفظان صحت کا معاملہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پیشے ہیں ان میں سے سب سے شریف ولطیف اور معزز ومحترم پیشہ، حکمت وطبابت اور ڈاکٹری کا پیشہ ہے۔ اگرچہ انسانی معاشرے میں دیگر پیشے بھی معاشرے کی تعمیر وترقی اور تہذیب وتمدن کے لیے ضروری اور ناگزیر ہیں اور اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں اور قابل احترام ہیں، مگر جو مقام ومرتبہ اور جو احترام اس پیشے کو حاصل ہے کہ جس سے جسمانی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے کسی اور پیشے کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے اسلام نے اس کو اہمیت دی ہے اور ویسے بھی مقولہ مشہور ہے کہ (اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ) ''علوم اصل میں دو ہی ہیں'': ((عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَعِلْمُ الْاَدْیَانِ)) ''ایک جسموں اور بدنوں کا علم، اور دوسرا دین کا علم۔''

یعنی باقی علوم ان کے تابع یا معاون ہیں، ان کا نمبر ان کے بعد آتا ہے، سب سے افضل واشرف علم یقیناً دین کا علم ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں، اس سے بہتر یا اس کے برابر کوئی اور علم نہیں ہے۔ علی الاطلاق

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (حم السجدة: ٣٣)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

چنانچہ اس سب سے اچھی بات کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو سونپی۔ اور پھر جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے اس مشن کو آگے لے کر چلے انہیں ((ورثة الانبیاء)) ''قرار دیا کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔''

تاہم حکمت وطبابت کا علم اور پیشہ دین کے علم کے بعد تمام علوم سے افضل واشرف ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تو اس بات پر حسرت وافسوس کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان اس علم میں بہت پیچھے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

((ضَیَّعُوْا ثُلُثَ الْعِلْمِ))

''مسلمانوں نے ایک تہائی علم ضائع کر دیا۔''

((وَوَکَّلُوْهُ اِلَی الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی)) [1]

[1] مناقب الشافعی للبیهقی، ج ٢، ص ١١٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’اورانہوں نے اس کو یہود ونصاریٰ کے سپرد کر دیا۔‘‘

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

((لَا اَعْلَمُ عِلْمًا بَعْدَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ أَنْبَلُ مِنَ الطِّبِّ ، اِلَّا اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ غَلَبُوْنَا عَلَيْهِ .)) [1]

’’مجھے معلوم نہیں کہ حلال وحرام کے علم کے بعد۔یعنی شرعی علم کے بعد علم طب سے زیادہ کوئی شریف وکریم علم ہے،مگر اہل کتاب اس میں ہم پر بازی لے گئے ہیں۔‘‘

تو اسلام میں علم طب کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے،قرآن پاک روحانی اور جسمانی امراض کے لیے سراسر شفا ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (بنی اسرائیل : ۸۲)

’’یہ قرآن جو ہم نازل کرتے ہیں،مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔‘‘

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس : ۵۷)

لوگو!تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ کے مخاطب تمام بنی آدم ہیں،جس میں مسلم اور کافر بھی شامل ہیں،

[1] سیر اعلام النبلاء للذهبی ، ج ۱۰ ، ص ۵۷ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ قرآن پاک میں تمام دلوں کی تمام امراض کے لیے شفا ہے۔ چاہے وہ امراض جو بھی ہوں: جہالت ہو، کفر اور شرک ہو، نفاق ہو، گھٹیا اخلاق و صفات ہوں جیسے حسد، بغض، کینہ وغیرہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ ایسے ہی قرآن پاک جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قَالَ: نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَأَتَتْنَا إِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ سُلَيْمٌ لُدِغَ ، فَهَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ؟))

''فرماتے ہیں: ایک بار دوران سفر ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، تو ہمارے پاس ایک عورت آئی، اور کہنے لگی کہ اس قبیلے کے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا ہے، تم میں کوئی منتر اور دم کرنا جانتا ہے؟''

((فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مِنَّا ، مَا كُنَّا نَظُنُّهُ يُحْسِنُ رُقْيَةً .))

''تو ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا، جس کے بارے ہم نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کوئی اچھی طرح رقیہ اور دم کرنا جانتا ہے۔''

((فَرَقَاهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَأَ .))

''اس نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، اور وہ ٹھیک ہو گیا۔''

((فَأَعْطَوْهُ غَنَمًا .))

''ان لوگوں نے اس کو کچھ بکریاں دیں۔''

((وَسَقَوْنَا لَبَنًا .))

''اور ہم کو دودھ پلایا۔''

((فَقُلْنَا: أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً؟))

''ہم نے اس سے پوچھا کیا تم دم کرنا جانتے تھے؟''

((فَقَالَ: مَا رَقَيْتُهُ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو اس نے کہا کہ میں نے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔''

((قَالَ: فَقُلْتُ: لَا تُحَرِّكُوهَا حَتّٰى نَأْتِيَ النَّبِيَّ ﷺ .))

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ان بکریوں کو یہاں سے مت ہلانا جب تک ہم نبی ﷺ کے پاس نہ جالیں۔''

((فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ .))

ہم آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔

((فَقَالَ: مَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ .))

''تو فرمایا: اس کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ رقیہ اور دم ہے۔''

((إِقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ بِسَهْمٍ مَعَكُمْ .)) ❶

''پھر فرمایا: ان بکریوں کو بانٹ لو اور اپنے ساتھ میرا بھی ایک حصہ لگاؤ۔''

تو قرآن پاک دلوں کے امراض کے لیے بھی شفا ہے اور جسمانی بیماریوں کے لیے بھی۔ یوں تو پورا قرآن پاک ہی شفا ہے، مگر کچھ سورتوں کے ساتھ خصوصی طور پر دم کرنا ثابت ہے جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفلق اور الناس وغیرہ۔

اور آپ ﷺ نے ایک فرمان میں خصوصی طور پر دو چیزوں سے شفاء حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالشِّفَاءَيْنِ الْقُرْآنِ وَالْعَسَلِ .)) ❷

''قرآن پاک اور شہد ان دونوں کو بیماریوں سے شفا کے لیے اختیار کرو۔''

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے عمومی طور پر دواؤں کے ذریعے علاج کروانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ دَوَاءً .))

❶ بخاري: ٥٠٠٧، مسلم: ٢٢٠١.
❷ ابن ماجه: ٣٤٥٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''فرمایا: کوئی بیماری ایسی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے دواء اور شفا مقرر نہ فرمائی ہو۔''

((إِلَّا دَاءً وَاحِدًا .))

''صرف ایک بیماری ایسی ہے جس کی کوئی دواء نہیں رکھی۔''

((فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا هُوَ؟))

''لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون سی بیماری ہے؟''

((قَالَ: أَلْهَرَمُ .)) 1

''فرمایا: بڑھاپا۔''

یعنی بڑھاپے کی کوئی دوا، کوئی شفا اور کوئی علاج نہیں رکھا۔''

اور اس میں بھی یقیناً بہت سی حکمتیں ہوں گی، جیسا یہ کہ ایک لمبا عرصہ بے راہ روی کی زندگی گزارنے اور بالخصوص جوانی میں رنگا رنگ کے گل کھلانے کے بعد بڑھاپے کی عمر میں ہی تو کچھ اس کی بے اعتدالیوں میں ٹھہراؤ آتا ہے، اور دنیا کی حقیقت اس پر منکشف ہونا شروع ہوتی ہے اور اسے احساس خطا اور احساس زیاں ہونا شروع ہوتا ہے، اور یوں وہ بڑھاپا اس کے لیے گویا رحمت بن کر آتا ہے کہ اس کی تلون مزاجی اور آوارگی کی راہ میں بند باندھ کر اسے توبہ و استغفار کا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اگر پھر سے جوانی لوٹ آئے تو اس کی بے پروائی اور لا ابالی پن کے وہ ایام پھر سے لوٹ آئیں گے۔ یہ تو دنیا ہے، وہ اگر آخرت کے مناظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ جائے تو پھر بھی وہی کچھ کرے گا جو ماضی میں اس کا وتیرہ رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ جب وہ کہے گا:

﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ﴾

''اے میرے رب مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجیے جسے میں چھوڑ آیا ہوں،

1 ترمذی: ۲۰۳۸.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔‘‘

تو جواب ملے گا:

﴿كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ (المومنون: ۹۹ ـ ۱۰۰)

’’ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے۔‘‘

تو اس لیے بڑھاپا جو کہ اس کے لیے گویا اک نصیحت کا ساماں بن کر آتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں رکھا۔

جسمانی صحت وتندرستی کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے اور یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ:

((صَلَاحُ الْاَبْدَانِ مُقَدَّمٌ عَلَى صَلَاحِ الْاَدْيَانِ .))

’’جسموں کی صحت وسلامتی مقدم ہے دین کی صحت وسلامتی پر۔‘‘

تو ایک پہلو سے نسبتاً بات صحیح ہے کیونکہ وہ جو کہا جاتا ہے کہ جان ہے تو جہان ہے تو کچھ اس پیرائے میں یہ مقولہ درست معلوم ہوتا ہے، یعنی اگر جان سلامت ہوگی تو دنیا کے باقی معاملات کی بات ہو سکے گی ورنہ نہیں، اگر آدمی دماغی مریض ہے، اسے جنون اور پاگل پن کا مرض لاحق ہے تو اس پر دین کے احکام لاگو ہی نہیں ہوتے۔ اور اگر اسے کوئی اور بیماری ہے یا ایسی بیماری ہے جس میں اس کے ہوش وحواس قائم نہیں ہیں تو بھی اس وقت تک وہ معذور ہے اور اس پر احکام لاگو نہیں ہوتے جب تک ہوش میں نہیں آجاتا، اسی طرح دیگر بیماریاں ہیں۔

تو جسمانی صحت اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام واحسان ہے بہت بڑی نعمت ہے۔

صحت وتندرستی کتنی بڑی نعمت ہے، اندازہ کیجیے، حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِيْ جَسَدِهِ، آمِنًا فِيْ سِرْبِهِ عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا .)) [1]

’’تم میں سے جس کسی کو جسمانی صحت وتندرستی میسر ہو، گھر میں امن وامان ہو،

[1] ابن ماجة: ٤١٤١.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور ایک دن کا راشن موجود ہو تو اس کے لیے گویا پوری دنیا سمیٹ کے رکھ دی گئی ہے۔''

اور غالب نے گویا اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

تنگ دستی اگرچہ ہو غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے

اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے ایک اور حدیث سے اس کا اندازہ لگایئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اِنَّ اَوَّلَ مَا يُسْاَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَعْنِي الْعَبْدَ مِنَ النَّعِيْمِ، اَنْ يُقَالَ لَهٗ: اَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ، وَ نُرْوِيَكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.)) [1]

آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن بندے سے نعمتوں کے بارے میں جو سب سے پہلا سوال ہوگا وہ یہ کہ کیا ہم نے تجھے جسمانی صحت عطا نہیں کی تھی؟ اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کروایا تھا؟''

ملاحظہ کیا آپ نے کہ جسمانی صحت وتندرستی کتنی بڑی نعمت ہے آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں انسان کو کتنی بڑی بڑی نعمتیں حاصل ہیں۔ دنیا میں انسان کو جتنی بھی نعمتیں حاصل ہیں، کیا جسمانی صحت اور ٹھنڈے پانی کو نعمت کے طور پر کبھی کسی نے ذکر کیا۔

یعنی ان چیزوں کو تو نعمتوں میں کبھی شمار ہوتے نہیں دیکھا۔ ہاں جسمانی صحت اس وقت آدمی کو نعمت نظر آتی ہے جب وہ بیمار ہوتا ہے، جیسا کہ مقولہ مشہور ہے: ((اَلصِّحَّةُ تَاجٌ عَلٰى رُؤُوسِ الْأَصِحَّاءِ لَا يَرَاهَا اِلَّا الْمَرْضٰى.)) ''صحت وتندرستی صحت مند لوگوں کے سر کا تاج ہے، مگر اسے صرف بیمار لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں۔''

[1] ترمذی: ۳۳۵۸.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس لیے اپنی صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے، اس کے جہاں بہت سارے دنیوی فوائد ہیں، وہاں سب سے بڑا اور اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی عبادات بجالانے کے قابل ہوتا ہے۔

جسمانی صحت و عافیت کی اہمیت کو ایک اور حدیث کے ذریعے جاننے کی کوشش کرتے ہیں، حدیث میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((جَاءَ رَجُلٌ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: ((تَسْأَلُ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ .))

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کون سی دعاء سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے رب سے دنیا و آخرت میں عفو و درگزر اور عافیت کا سوال کرے۔"

((ثُمَّ اَتَاهُ مِنَ الْغَدِ .))

اگلے روز پھر حاضر ہوا:

فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ؟

پھر وہی سوال کیا کہ کون سی دعا افضل ہے؟

قَالَ: تَسْأَلُ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ .

فرمایا: "سب سے افضل دعا یہ ہے کہ تم اپنے رب سے دنیا و آخرت میں عفو و درگزر اور صحت و عافیت کی دعا کرو۔"

((ثُمَّ اَتَاهُ الْیَوْمَ الثَّالِثَ .))

تیسرے روز پھر حاضر ہوا۔

فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ؟

کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کون سی دعا افضل ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالَ: ((تَسْأَلُ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .))

فرمایا: سب سے افضل دعا یہ ہے کہ تم اپنے رب سے دنیا و آخرت میں عفو و درگزر کی دعا کرو۔

((فَإِنَّكَ إِذَا أُعْطِيْتَهُمَا فِي الدُّنْيَا ، ثُمَّ أُعْطِيْتَهُمَا فِي الْآخِرَةِ فَقَدْ أَفْلَحْتَ .)) ❶

''پس اگر یہ دونوں چیزیں تمھیں دنیا میں مل جائیں اور پھر آخرت میں بھی حاصل ہو جائیں تو تم کامیاب ہو گئے۔''

اسلام میں صحت وتندرستی کی اہمیت تو ہم نے جان لی، مگر یہ جاننا ابھی باقی ہے کہ ہم اس نعمت کی کتنی قدردانی کرتے ہیں۔ تو آیئے یہ بھی سنتے چلیں:

حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ .))❷

''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان میں بہت سے لوگ دھوکے، گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔''

اور وہ ہیں: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ .

''صحت وتندرستی اور فارغ البالی۔''

ہم نے جانا کہ جب نعمتوں کا سوال ہوگا تو سب سے پہلا سوال جسمانی صحت کے بارے میں ہوگا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ایامِ صحت کو کس قدر نظر انداز کرتے ہیں۔

حالانکہ انسان کی زندگی کا سب سے بہترین سرمایہ یہی صحت ہی ہے اور اس میں سے بھی بالخصوص جوانی کے دور کی صحت، اس لیے جب عمر کے بارے میں سوال ہوگا تو اس کے ساتھ ایامِ جوانی کا بالخصوص سوال ہوگا کہ جوانی کیسے گزاری؟ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم صحت کو غنیمت جانیں اور اسے اپنی آخرت کے لیے استعمال میں لائیں۔

❶ مسند احمد، ج٣، ص ١٢٧ ، رقم : ١٢٣١٣ . ❷ بخاری : ٦٤١٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جسمانی صحت کی اہمیت وضرورت (حصہ دوم)

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(بنی اسرائیل : ۸۲)

''اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا اتارتے ہیں وہ جو سراسر شفا اور رحمت ہے ایمان والون کے لیے۔''

گزشتہ خطبہ جمعہ میں جسمانی صحت کی اہمیت کی بات ہو رہی تھی کہ صحت انسان کا سب سے بنیادی اور سب سے اہم مسئلہ ہے، چنانچہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم نے اس کی اہمیت کو جانا۔

انسانی جسمانی صحت کا موضوع یقیناً ایک طویل موضوع ہے، جس کا دو ایک نشستوں میں احاطہ نہیں ہوسکتا، اس لیے صحت کی اہمیت کے حوالے سے چند مزید مگر چیدہ چیدہ باتوں پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

جسمانی بیماریوں کے علاج کے حوالے سے سائنس نے اس دور میں اگرچہ بہت ترقی کی ہے، مگر اس کی بنیاد اصل میں انبیاء و رسل علیہم السلام کے ہاتھوں ہی رکھی گئی تھی۔ انبیاء و رسل علیہم السلام روحانی طبیب بھی تھے اور جسمانی طبیب بھی، دنیا میں طب وحکمت کی تمام مبادیات انہی کے ذریعے متعارف ہوئیں۔

انبیاء علیہم السلام نے بیماریوں کے علاج کے لیے جو جو دوائیں اور جو جو طریقہ علاج تجویز فرمایا اور جو جو ہدایات دیں وہ عین حق اور سچ ہیں، وہ کسی اندازے، تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ وحی الٰہی کی روشنی میں ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابو سعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اَخِي إِسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ .))

"ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے بھائی کے پیٹ کو دست لگ گئے ہیں۔"

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِسْقِهِ عَسَلًا .))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے شہد پلاؤ۔"

((ثُمَّ جَاءَ هُ فَقَالَ اِنِّی سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا .))

پھر وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں نے اسے شہد پلایا ہے مگر اس کے دست مزید تیز ہو گئے ہیں۔

((فَقَالَ لَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

اور یوں وہ تین بار حاضر ہوا، تینوں بار اس نے یہی کہا اور تینوں بار آپ ﷺ نے یہی جواب میں فرمایا

((ثُمَّ جَاءَ هُ الرَّابِعَةَ ، فَقَالَ: إِسْقِهِ عَسَلًا))

پھر چوتھی مرتبہ حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ اسے شہد پلا۔"

((فَقَالَ لَقَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا))

اس نے کہا: میں نے اسے پلایا ہے مگر اس کے دست تیز ہی ہوئے ہیں۔

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ .))[1]

"تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفا فرمایا ہے:

﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (النحل : ٦٩)

---

[1] صحیح مسلم: ٢٢١٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

یعنی یقیناً اس میں شفا ہے، تمہارے بھائی کا پیٹ اگر ٹھیک نہیں ہو رہا تو اس کی اور وجوہات ہوسکتی ہیں۔

((اسْقِهِ عَسَلًا .))

”اس کو اور شہد پلاؤ۔“

((فَسَقَاهُ فَبَرَأَ .)) ❶

”اس نے پھر شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہوگیا۔“

تو گویا کہ دواء کا صحیح ہونا اپنی جگہ مگر بیماری کی نسبت سے دواء کی مقدار کا تناسب بھی ضروری ہے۔ اس حدیث میں پیٹ کی طرف جھوٹ کی نسبت مجازی ہے، جس کا مطلب ہے کہ پیٹ یہ کہہ کر جھوٹ بول رہا ہے کہ اسے شفاء نہیں ہوئی۔ اصل میں شفاء موجود ہے۔ بس پیٹ بیماری کے حساب سے دواء کی مناسب مقدار پوری کرے۔

تو خیر جسمانی صحت کا موضوع ایک طویل موضوع ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا، اس کی تفصیلات اور جزئیات میں جانے سے پہلے اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔

جسمانی صحت دنیاوی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت ضروری ہے یہ تو سبھی جانتے ہیں، مگر دین کے لیے کتنی ضروری ہے، شاید اکثر لوگ نہیں جانتے بلکہ اس جانب شاید انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہو، جبکہ جسمانی صحت دنیا کی نسبت دین کے لیے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہر مسلمان اس بات سے خوب آگاہ ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے، کہ انسان کا مقصدِ تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاريات : ٥٦)

”میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“

❶ مسلم : ٢٢١٧ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور عبادت یقیناً صحت مند روح اور تندرست جسم کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے، لہٰذا روح کی صحت و سلامتی کے ساتھ ساتھ جسم کی صحت و تندرستی بھی ضروری ٹھہرتی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جسم اگر تندرست و سلامت نہ ہو، چاق و چوبند نہ ہو، اس میں نشاط اور چستی نہ ہو تو دین اور دنیا کا کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا، اس کی ہمت نہیں ہوتی، یا کم از کم شوق اور جذبے سے ادا نہیں کر پاتا۔

جسم کی تندرستی دین اور دنیا دونوں کے لیے ضروری ہے، مگر ان دونوں میں سے زیادہ ضروری کس کے لیے ہے، اندازہ کیجیے، حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی کسی بیمار کی تیمارداری کے لیے آئے تو ان الفاظ میں دعا کرے:

((اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ ، يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا ، اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلَى صَلَاةٍ .)) [1]

''اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے، تاکہ تیرے لیے دشمن کا مقابلہ کرے یا تیری رضا کی خاطر نماز کے لیے جائے۔''

آپ نے اندازہ کیا! کہ اس دعا میں دنیا کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تندرست ہونے کے بعد وہ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا بلکہ بتلانا مقصود یہ ہے کہ جسمانی صحت و تندرستی کا بنیادی مقصد اور مصرف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے سب سے پہلے اپنے مقصد حیات کے حصول کے لیے استعمال میں لایا جائے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ .))

---

[1] ابوداؤد: ۳۱۰۷.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مضبوط اور قوی مسلمان، اللہ تعالیٰ کو کمزور اور ناتواں مسلمان سے زیادہ پسند ہے۔''

((وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ .)) ❶

''تاہم خیر ہر ایک میں ہے۔''

یعنی مسلمان طاقتور ہو یا کمزور، مسلمان ہونے کے ناطے خیر اور بھلائی بہرحال ہر ایک میں موجود ہے، مگر صحت مند، تندرست و توانا جسم کے لحاظ سے ہو، عقل و دانشمندی کے لحاظ سے ہو، علم و آگہی کے لحاظ سے ہو، وہ یقیناً اک کمزور مسلمان سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ یعنی جو اسلام کے لیے، مسلمانوں کے لیے، انسانیت کے لیے زیادہ مفید و نفع بخش ہے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پسند ہے۔

اس حدیث میں قوت سے مراد اگرچہ ہر قسم کی قوت وصلاحیت ہے مگر ہر وہ قوت جو دین سے متعلق ہو، ورنہ وہ قوت جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق و واسطہ نہ ہو، وہ محمود نہیں بلکہ مذموم ہے، جیسا کہ منافقین کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾ (المنافقون : ٤)

''جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما نظر آئیں، وہ بات کریں تو آپ سنتے ہی رہ جائیں۔ مگر ان کی اصلیت یہ ہے کہ

﴿كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾

گویا کہ وہ لکڑی کے کُندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیے گئے ہوں۔''

یعنی حسن و جمال اور رونق و شادابی میں بڑے خوشنما دکھائی دیں، وہ جسم کی صحت و سلامتی اور خوبصورتی پر خوب توجہ دیتے ہیں، سینا تنا ہوا، بازوؤں کے مسلز پھولے ہوئے،

❶ مسلم : ٢٦٦٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبان کی فصاحت و بلاغت اور چرب زبانی سحر آمیز۔مگران کی حیثیت صرف اک ڈیکوریشن پیس کی سی ہے جیسے لکڑی کی خوبصورت مولڈنگ دیوار پر لگا رکھی ہو۔کیونکہ وہ کسی فائدے کے نہیں، اور فائدہ وہ ہے جو دین کے حوالے سے ہو، ورنہ تو ان کو اپنی اس جسمانی صحت کا کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہوتا ہوگا۔

دوسری طرف اگر کوئی شخص اطاعت و فرمانبرداری میں، عزم و ارادے میں، کیفیت ایمانی میں مضبوط اور طاقت ور ہو مگر جسمانی طور پر کمزور و ناتواں تو اس کی وہ کمزوری اور غفلت اس کے لیے ہرگز نقصان دہ نہیں ہوتی اور اس کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں کرتی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنْتُ أَجْتَنِي لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سِوَاكًا مِنَ الْاَرَاكِ .))

"میں آپ ﷺ کے لیے (درخت پر چڑھ کر) پیلو کی مسواک کاٹ رہا تھا۔"

((فَكَانَتِ الرِّيْحُ تَكْفَؤُهُ، وَكَانَ فِيْ سَاقِهِ دِقَّةٌ .))

تیز ہوا چل رہی تھی، جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کپڑوں کو دائیں بائیں اڑا رہی تھی، اور ان کی پنڈلیوں میں پتلا پن تھا۔

((فَضَحِكَ الْقَوْمُ مِنْ دِقَّةِ سَاقَيَّ .))

فرماتے ہیں لوگ میری پتلی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسنے لگے۔

((فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يُضْحِكُكُمْ؟))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کس بات پر ہنس رہے ہو؟"

((قَالُوْا مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ .))

"عرض کیا: اس کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسی نکل آئی۔"

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔''

((لَهُمَا اَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ اُحُدٍ .)) ❶

''اس کی وہ پنڈلیاں ترازو میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔''

تو جسمانی صحت و تندرستی اور قوت و طاقت کے ساتھ اگر دین کا تعلق نہیں ہے تو ایسی صحت و تندرستی کسی کام کی نہیں اور محبوب و پسندیدہ نہیں ہے۔ جسمانی صحت و تندرستی کی اہمیت کو ایک اور پہلو سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ جملہ تو آپ نے سنا ہوگا:

((الْعَقْلُ السَّلِيْمُ فِي الْجِسْمِ السَّلِيْمِ .))

''عقل سلیم جسم سلیم میں ہوتی ہے۔''

یوں تو یہ ایک مقولہ ہی ہے بلکہ یونانی اقوال زریں میں سے ہے، مگر ایک حد تک درست ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہے کہ اگر آدمی جسمانی طور پر تندرست اور صحت مند ہوگا تو عقلی طور پر بھی صحت مند ہوگا، اس کی عقل صحیح کام کر رہی ہوگی۔

یہ مقولہ اس حد تک تو صحیح ہے کہ اگر آدمی جسمانی طور پر بیمار ہو، اور تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کی سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ دماغ سطحی طور پر تو کام کر رہا ہوتا ہے، لیکن اگر کسی کام میں گہری سوچ اور غور وفکر مطلوب ہو، تو دماغ میں وہ ہمت و طاقت نہیں ہوتی کہ کوئی ایسا کام انجام دے سکے جس میں غور وفکر مطلوب ہو۔ مگر یہ مقولہ ان معنوں میں ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ہاتھ، پاؤں یا آنکھ اور کان وغیرہ سے معذور ہو تو اس میں عقل سلیم نہیں ہوسکتی۔ تاریخ میں ایسے یقیناً بیسیوں نام موجود ہیں کہ جو لوگ بینائی اور سماعت سے محروم تھے، چلنے پھرنے سے قاصر تھے ہاتھوں کی نعمت سے محروم تھے وہ عام انسانوں کی نسبت زیادہ عقل مند اور زیادہ کامیاب بن کر سامنے آئے۔

---

❶ حلية الأولياء، ج ١، ص ١٢٧، المعجم الكبير للطبراني، ج ٩، ص ٧٨، رقم: ٨٤٥٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یہ جملہ ان معنوں میں ہرگز درست قرار نہیں پاتا اگر عقل سلیم کی تعریف اسلامی نقطہ نظر سے کی جائے جو کہ اصلی اور حقیقی تعریف ہے۔

دنیاوی لحاظ سے عقلمند اس کو سمجھا جاتا ہے جو اپنے نفع ونقصان کو خوب سمجھتا ہو، اور اپنے فائدے اور نفع پر کوئی کمپرومائز نہ کرتا ہو، چرب زبان ہو، حاضر جواب ہو، اور عقل و دانش مندی میں مشہور ہو، تو ایسے شخص کو صرف عقلمند ہی نہیں بلکہ صاحب عقل سلیم سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے عقل سلیم کی یہ ناقص اور ادھوری تعریف ہے، کیونکہ فائدے اور نفع کا معیار اس کا خود ساختہ ہے حقیقی نہیں ہے۔ حقیقی فائدہ تو وہ ہے جو سب سے بہتر بھی ہو اور سدا بھی رہے۔ فائدے کی اس تعریف کی روشنی میں، دنیا کی کوئی ایک نعمت تو کیا پوری کی پوری دنیا بھی اگر کسی کو مل جائے مگر آخرت کے معاملے میں وہ ناکام و نامراد ہو تو وہ ناکام و نامراد ہی کہلائے گا۔

لہٰذا جو شخص اس دنیا کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے وہ ہرگز ہرگز عقلمند نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ اس کی عقل کو عقلِ سلیم کہا جائے۔

اور جب قرآن کہے کہ

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَاo وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىo﴾

(الاعلی : ١٦ ـ ١٧)

”تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔“

تو اس کا کیا ترجمہ کریں گے کیا قرآن پاک کہہ رہا ہے کہ تم بڑے عقلمند ہو؟ اس کا سیدھا سیدھا مفہوم یہ ہے کہ تم کتنے بے وقوف ہو چند دن کی عارضی اور ادھوری دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہو۔

دنیا کے لحاظ سے عقلمند اس کو بھی سمجھا جاتا ہے، جو دنیاوی علوم کے کسی شعبے میں ماہر اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تعلیم یافتہ ہو۔ اگرچہ قرآن پاک ان کی Expertise کا انکار نہیں کرتا، مگر ان کی کسی مہارت کا حقیقی عقلمندی سے کیا تعلق؟

قرآن کہتا ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَo﴾

(الروم: ۷)

''لوگ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو جانتے ہیں مگر آخرت سے تو وہ خود ہی غافل ہیں۔''

حقیقی عقلمندی اور حقیقی کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے اور اس کے متعلق نہ کوئی معلومات ہی رکھتے ہیں، نہ جاننا چاہتے ہیں اور نہ کوشش کرتے ہیں، پھر ان کی تعلیم اور ان کی مہارت کس کام کی؟

بلکہ قرآن پاک تو ایسے لوگوں سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَاo ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (النجم: ۲۹ ـ ۳۰)

''آپ اس شخص سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے ہوئے ہو، اور دنیا کی زندگی کے سوا وہ کسی چیز کا خواہشمند نہ ہو، یہی ان کے علم کی انتہاء ہے۔''

تو ''العقل السليم فی الجسم السليم'' والا مقولہ تو آپ نے سنا ہوگا، مگر ایک مقولہ اس کے برعکس بھی ہے، اور وہ ''الجسم السليم فی العقل السليم'' ''جسم سلیم عقل سلیم میں''

یہ مقولہ شاید اکثر لوگوں نے نہ سنا ہو۔ مگر اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر عقل سلیم ہو تو جسم سلیم رہتا ہے۔

اس موضوع پر اک تفصیلی گفتگو ہوسکتی ہے، مگر اس وقت صرف چند باتیں اشارۃً

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح جسم اگر بیمار ہو تو آدمی کی سوچ سمجھ اور افکار پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح آدمی اگر عقلی طور پر، سوچ اور فکر کے لحاظ سے بیمار ہو تو اس کا اثر انسان کے جسم پر ہوتا ہے۔

اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

﴿وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ (یوسف : ۸۴)

''یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر یعقوب (علیہ السلام) کی آنکھیں رنج وغم کی وجہ سے سفید ہو گئیں۔''

یعنی آنکھوں کی سیاہی مارے غم کے سفیدی میں بدل گئی، جس کا مطلب ہے کہ غم وحزن کا اثر جسم کی صحت پر واضح طور پر ظاہر ہوا۔

تو گویا کہ جسم عقل پر، اور عقل جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نفسیاتی بیماریاں سوچنے سے ہوتی ہیں، جس طرح کے خیالات انسان اپنے اوپر مسلط کرے گا اسی طرح کی بیماری ظاہر ہونے لگے گی۔

جدید تحقیقات بتلاتی ہیں کہ ۷۵% نفسیاتی بیماریاں سوچنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

اور ۹۰ % جسمانی بیماریوں کی وجہ اور سبب بھی سوچ اور فکر ہی ہوتی ہے۔ اور ان کا علاج بھی قرآن وحدیث میں موجود ہے، مگر ان کا تعلق چونکہ عقیدہ و ایمان سے ہے۔ لہٰذا لوگ اتنی توجہ نہیں دیتے۔

جسمانی بیماریوں کے حوالے سے ابھی تک اس کی اہمیت بھی پوری طرح بیان نہیں ہو سکی، اصل موضوع تو مزید وقت کا متقاضی ہے، جسمانی صحت کے لیے بہت سی ضروری باتوں اور بنیادی اصولوں میں سے اس وقت صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ شعبدہ بازوں اور عطائیوں سے بچیں، یہاں تو خیر ایسا معاملہ نہیں ہے۔ مگر ہمارے ملکوں میں یہ ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام سی بات ہے وہاں عطائی ڈاکٹرز پائے جاتے ہیں اور یہ خطرناک بات ہے جو کہ اخلاقی لحاظ سے، قانونی لحاظ سے، اورشرعی لحاظ سے بھی غیر ذمہ دارانہ فعل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَن تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ . ❶

جس کسی نے طبابت یعنی علاج معالجے کا کام شروع کیا، اور اس سے قبل اسے طبابت کا کام کرتے دیکھا سنا نہ گیا ہو تو وہ ذمہ دار ہے۔

یعنی جو شخص بغیر علم اور بغیر مہارت کے علاج معالجہ کرتا ہے تو مریض کو پہنچنے والی ہر قسم کی تکلیف اور نقصان کا وہ ذمہ دار ہوگا۔ لہٰذا اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ کام سے بچیں، اور اس قسم کے غیر ذمہ داروں سے علاج کروانے سے بھی پرہیز کریں۔

❶ سنن دارقطني، ج٤، ص ٢٦٥، رقم: ٣٤٣٨.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موسم حج کو غنیمت جانو

﴿وَالْفَجْرِ o وَلَيَالٍ عَشْرٍ o﴾ (الفجر: ۱ ـ ۲)

"قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔"

موسم حج قریب آ پہنچا ہے، سعادت مند اور خوش بخت و خوش نصیب لوگ حج کی تیاریوں میں مصروف، حج کی سعادت حاصل کرنے جا رہے ہیں اور کچھ جا چکے ہیں۔

فریضہ حج ایک بہت بڑی نیکی، بہت بڑی سعادت اور بخشش و مغفرت حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا موقع اور ذریعہ ہے۔

نیکی کے مواقع انسان کی زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں، کچھ ان میں سے تصادفی اور اتفاقیہ ہوتے ہیں یعنی بغیر کسی تعین و ترتیب کے آتے ہیں، اور کچھ منظّم و مُنَسَّق اور مُعَیَّن و مرتب ہوتے ہیں یعنی ہر سال معین تاریخوں، معین مہینوں، اور معین ایام میں آتے ہیں۔ کچھ فرائض کی صورت میں ہوتے ہیں اور کچھ نوافل کی شکل میں۔

تاہم وہ سب عبادات کے مواقع ہی ہوتے ہیں۔ عبادات میں خلوص نیت کے بعد جو سب سے اہم، لازمی، ضروری اور حتمی بات ہے وہ یہ کہ عبادات میں کسی انسان کو ردو بدل اور ترمیم و اضافے کا اختیار نہیں ہے، اپنی مرضی اور پسند سے اور اپنے من پسند طریقے سے ادا کرنے کا اختیار نہیں ہے، حتیٰ کہ ایک لفظ بھی آگے پیچھے اور تبدیل و تحویل نہیں کر سکتے، چاہے وہ لفظ اپنی دانست میں کتنا ہی برمحل، موزوں مناسب اور خوشنما کیوں نہ نظر آتا ہو۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((اِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلْ:))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''رات کو جب سونے کا ارادہ ہو، تو پہلے نماز والا وضو کرو اور پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا پڑھو:''

((أَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ .))

''اے اللہ! میں نے اپنا نفس تیرے تابع کر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا، اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اور اپنی پشت تیری طرف جھکائی -ثواب کی رغبت کرتے ہوئے اور- تیرے عذاب- سے ڈرتے ہوئے، تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ ہے نہ جائے نجات، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جسے تو نے نازل فرمایا اور اس نبی پر جسے تو نے ہماری طرف بھیجا۔''

یہ دعا سکھلانے کے بعد فرمایا:

((فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ ، فَاَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ ، اَصَبْتَ خَيْرًا ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ .))

''پھر اگر تو اسی رات فوت ہوگیا تو تیری موت فطرت پر ہوگی، یعنی دین پر ہوگی اور اگر صبح بیدار ہوگیا تو تو نے خیر پائی اور یہ کلمات سوتے وقت تری زبان پر آخری کلمات ہونے چاہئیں۔''

((قَالَ: فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .))

''حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ الفاظ آپ ﷺ کے سامنے دہرائے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((فَلَمَّا بَلَغْتُ: اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ ، قُلْتُ: وَ رَسُوْلِكَ .))

پس جب میں ان الفاظ پر پہنچا:

((اللهم آمنت بكتابك الذي نزلت ونبيك الذي ارسلت))

تو میں نے کہا:

((ورسولك))

یعنی: لفظ نبیك کی جگہ رسولك کہا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا .))

''ایسے نہیں۔''

((وَنَبِيِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ .))

''بلکہ کہو: وَنَبِيِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ .''[1]

آپ ﷺ نے جو دعا سکھلائی اس میں ونبیك کا لفظ تھا، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کی جگہ ورسولك کا لفظ بول دیا، تو آپ ﷺ نے اصلاح فرمائی کہ نہیں بلکہ ونبیك کا لفظ ہی کہو۔

آپ سب کو معلوم ہے کہ اس دعا میں نبی اور رسول سے مراد آپ ﷺ ہی ہیں اور آپ ﷺ نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ اور پھر (ورسولک الذی ارسلت) زبان پر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے پھر اس میں ردم (Rhythm) بھی ہے اور ہم آہنگی بھی اور ترنم بھی اور اس سے مجموعی طور پر معنی و مفہوم میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔

لیکن پھر بھی وہی، بعینہ وہی لفظ ادا کرنے کا حکم فرمایا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

---

[1] بخاری : ٢٤٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادات میں سنت کی متابعت ضروری ہے، جو کہ قبولیت عمل کی دو بنیادی اور لازمی شرطوں میں سے ایک ہے۔

رہی یہ بات کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ ﷺ نے ونبیک کا لفظ ہی ادا کرنے کی تاکید فرمائی؟ اس کی علماء کرام رحمہم اللہ نے متعدد حکمتیں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول سے مراد کوئی فرشتہ، بالخصوص جبریل علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ٥ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ٥﴾

(التکویر: ۱۹ ۔ ۲۰)

''یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کلام ہے، جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک ذی عزت اور بلند مرتبہ ہے۔''

﴿مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ٥﴾ (التکویر: ۲۱)

''جس کی وہاں آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے، وہ امین ہے۔''

تو یہاں ''رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، اور اگر ونبیک کا لفظ استعمال کیا جائے تو نبی صرف انسانوں میں ہی ہوتے ہیں، چنانچہ اس سے خاص آپ ﷺ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

یہاں سوتے وقت کی دعا کا جو ذکر ہوا تو چلتے چلتے اس حوالے سے اس کے بعض فوائد کا ذکر بھی کرتے چلیں۔ اس دعا میں سونے سے پہلے وضو کرنے کا حکم ہے، اور وضو کا فائدہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((لَا تَنَامَنَّ اِلَّا عَلٰى وُضُوْءٍ.))

''وضو کے بغیر رات کو نہ سو۔''

((فَإِنَّ الْاَرْوَاحَ تُبْعَثُ عَلٰى مَا قُبِضَتْ عَلَيْهِ.)) [1]

[1] مصنف عبد الرزاق، ج ۱۱، ص ۳۹، رقم: ۱۹۸۴۴.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کہ روحیں جس حالت میں قبض ہوتی ہیں، اسی حالت میں اٹھائی جائیں گی۔''

اور پاکیزگی کی حالت میں فوت ہونا تَفاؤلِ خیر یعنی نیک فال اور اچھا شگون ہے۔ جیسا کہ حاجی اگر حالت احرام میں فوت ہو جائے تو اسے اس کے احرام کی چادروں میں ہی دفنانے کا حکم ہے اور یہ کہ اس کا سر نہ ڈھانپا جائے اور فرمایا کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ پکارتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

رات کو وضو کر کے سونے کے علماء کرام نے متعدد دیگر فوائد بھی اخذ کیے ہیں ایک یہ کہ برے شیطانی خوابوں کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور سچے خوابوں کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

تو خیر نیکی کے اضافی مواقع کا ذکر ہو رہا تھا کہ نیکی کے اضافی مواقع انسان کی زندگی میں وقفے وقفے سے اور بدل بدل کر آتے رہتے ہیں۔

تو سؤال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے، نیکی کے مواقع اس پیٹرن، اور اس ترتیب سے ہی کیوں آتے ہیں، کسی ایک مستقل طرز پر کیوں نہیں آتے؟

تو اس کے یوں تو متعدد اسباب و وجوہات ہیں، مگر ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ کسی ایک پیٹرن، کسی ایک طرز، اور کسی ایک حالت سے اکتا جانا، یعنی یکسانیت سے اکتا جانا انسان کی فطری کمزوری ہے، اور انسان جب کسی چیز سے اکتا جاتا ہے تو کچھ دیر کے لیے وہ اس سے فاصلہ پیدا کر لیتا ہے، دوری اختیار کر لیتا ہے، یا کم از کم وہ کام بے دلی سے کرنے لگتا ہے، وہ کام محض اک عادت کے طور پر کر رہا ہوتا ہے، وہ کام اگر عبادت ہو تو اس کی روح مفقود ہو جاتی ہے، وہ صرف اک عادت سی رہ جاتی ہے، نماز کی حرکات وسکنات، قیام اور رکوع و سجود تو کر رہا ہوتا ہے مگر اس میں خشوع و خضوع نہیں ہوتا، وہ پوری نماز پڑھ لیتا ہے مگر اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اس نے کیا پڑھا ہے۔

تو ایسے میں اسے تذکیر و موعظت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے دل میں پھر سے وہ ذوق اور شوق اور جوش و جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے، وہ چاہت اور لگن پیدا کرنی ہوتی ہے، حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اس عمل کو تجدیدِ ایمان کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَخْلَقُ فِیْ جَوْفِ اَحَدِکُمْ کَمَا یَخْلَقُ الثَّوْبُ ، فَاسْئَلُوا اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْ یُجَدِّدَ الْاِیْمَانَ فِیْ قُلُوْبِکُمْ .)) [1]

''ایمان تمہارے سینوں میں یوں بوسیدہ ہوتا ہے جیسے کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید فرما دے۔''

مطلب یہ کہ ایمان ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا، بلکہ (یزید و ینقص) بڑھتا اور گھٹتا ہے، لہٰذا ہمیشہ اس کی تجدید کی ضرورت رہتی ہے۔

اور تجدیدِ ایمان کے لیے سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تجدید ایمان کی التجا کی جائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاسْئَلُوا اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْ یُجَدِّدَ الْاِیْمَانَ فِیْ قُلُوْبِکُمْ .))

''اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید کر دے۔''

گویا کہ یہ سنجیدگی کی علامت ہے، اور پھر تجدید ایمان کی دعا کے بعد عملی میدان میں کرنے کے کام یہ ہیں کہ نیکی کے موقعوں سے مستفید ہوں، اور خوب مستفید ہوں۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ آدمی کا ایمان ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا، کبھی جوش و جذبہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا ہے اور کبھی جذبات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، ذوق اور شوق ماند پڑ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ فرائض کو مضبوطی سے تھام لیں۔ کیونکہ آدمی کی ایمانی حالت جب گرتی ہے تو پھر معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں جا کے رکے گی۔

آپ جانتے ہیں کہ ابلیس پہلے ایک انتہا پر تھا، پھر جب وہاں سے گرا تو ایک دوسری انتہا پر جا پہنچا، اس لیے دین پر چلتے ہوئے جوش و جذبے میں اگر کچھ کمی اور کمزوری آ جائے تو

[1] مستدرك الحاكم، ج ١، ص ٤٥، رقم: ٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کم از کم انسان سے مطلوب ہے اس سے چپک جائیں، یعنی فرائض کے اہتمام میں کمی نہ آنے پائے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((النَّفْسُ لَهَا إِقْبَالٌ وَإِدْبَارٌ .))

''انسان کے نفس، اس کے مزاج اور اس کی طبیعت میں عروج و بلندی بھی ہوتی ہے اور تنزلی اور زوال بھی ہوتا ہے۔''

((فَإِذَا أَقْبَلَتْ فَخُذْهَا بِالْعَزِيْمَةِ وَالْعِبَادَةِ .))

''تو جب اقبالی کیفیت ہو تو عزیمت اختیار کرو اور عبادت میں مگن و مستغرق ہو جاؤ۔''

عزیمت کیا ہے اس کی تفصیل تو وقت کی متقاضی ہے، مگر مختصر یہ ہے کہ یہاں عزیمت رخصت کے مقابلے میں مراد ہے۔

دین کے تقاضے اور مطالبات دو طرح سے ہیں: یا تو ان میں عزیمت کا مطالبہ ہوتا ہے، یا انسان کی فطری کمزوری، ضعف ایمان اور مخصوص حالات کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ نرمی، لچک اور رخصت دی گئی ہوتی ہے۔

اصحاب عزیمت لوگ، یعنی وہ لوگ جو راستے کی سختی اور نشیب و فراز کی پرواہ کیے بغیر اس پر عمل کرنے کا عزم مصمم اور پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔ عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور دوسرے لوگ دین میں دی گئی لچک اور رخصت کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

احکام دین میں اصل چیز عزیمت ہے اور رخصت ایک استثنائی حالت ہے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ایمانی کیفیت خوب جوش و جذبے سے معمور ہو تو اسے غنیمت جانتے ہوئے عزیمت والے کام کرو اور عبادات میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔

((وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاقْصِرْهَا عَلَى الْفَرَائِضِ وَالْوَاجِبَاتِ .))[1]

---

[1] الفتور للشيخ ناصر بن سليمان العمر ، ص : ١٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اور اگر ذوق وشوق اور جوش وجذبے میں کمی واقع ہو جائے تو پھر تم بھی کمی کر لو مگر فرائض واجبات پر رک جاؤ۔“

یعنی انسان یکسانیت سے جتنا بھی اکتا جائے، اس کے ذوق وشوق میں جتنی بھی کمی ہو جائے، وہ بے رغبتی، بے دلی اور بے توجہی کا جتنا بھی شکار ہو جائے فرائض و واجبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا، انہیں ہر حال میں ادا کرنا ہوگا، ان میں ہرگز ہرگز کوئی کوتاہی قبول نہیں ہوگی، ہاں اگر کبھی سنت ونوافل چھوٹ جائیں تو اور بات ہے اور وہ بھی اک مختصر سی مدت کے لیے ورنہ اگر یہ کیفیت دیر تک برقرار رہے اور اس پر اک عرصہ بیت جائے تو وہ ایمان کو اور کمزور کر دیتا ہے، دل سخت ہو جاتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس کیفیت سے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحديد: ١٦)

”کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔“

یعنی دین میں سستی اور کوتاہی، غفلت اکتاہٹ اور بے دلی کی کیفیت پر اگر ایک لمبا عرصہ گزر جائے تو دل سخت ہو جاتے ہیں، اور نتیجتاً لوگ فاسق بن جاتے ہیں۔ دلوں کی سختی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سخت ترین سزاؤں میں سے ایک ہے۔ اور دین سے بے رغبتی، غفلت اور بے توجہی ایک انتہائی خطرناک کیفیت ہے۔ اندازہ کریں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جو اس آیت کریمہ کے ذریعے اس خطرناک کیفیت سے متنبہ اور خبردار کیا ہے تو اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((مَا كَانَ بَيْنَ إِسْلَامِنَا وَبَيْنَ أَنْ عَاتَبَنَا اللّٰهُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾)) إِلَّا أَرْبَعُ سِنِينَ . [1]

''ہمارے اسلام لانے اور اللہ تعالیٰ کے ہمیں اس آیت کریمہ کے ذریعے سرزنش کرنے کے درمیان صرف چار سال کا عرصہ ہے۔''

حالانکہ یہ جو تنبیہ ہے اس کیفیت پر نہیں تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں میں سستی کرتے ہوں، یا قرآن پاک کے کسی اور حکم کو عملاً نہ مانتے ہوں۔ یا کسی سنت پر عمل کرنے میں کوتاہی سے کام لیتے ہوں، ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ تو اسلام کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا سمجھتے تھے اور اسلام کی سربلندی کے لیے ہمہ وقت اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے، بلکہ یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کے حوالے سے دلوں میں مزید خشوع وخضوع پیدا کریں اور کتاب اللہ میں موجود احکام الٰہی پر خوب غور وخوض کریں، اور اپنا احتساب کرتے رہیں۔

تو خیر خلاصہ اس ساری گفتگو کا یہ ہے، کہ نیکی کے اضافی مواقع انسان کی زندگی میں وقفے وقفے سے آتے رہتے ہیں جن کا مقصد تجدید ایمان ہوتا ہے، ڈھلتے ہوئے جوش و جذبے کو اک ولولہ تازہ بخشنا ہوتا ہے۔

موسم حج کے حوالے سے غیر حاجی کے لیے جو نیکی کا موقع میسر آیا ہے اس میں ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، جن کی فضیلت حدیث میں یوں بیان ہوئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ .))

''جتنا کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں میں پسند ہے، اتنا کسی دن میں پسند نہیں۔''

---

[1] مسلم : ٣٠٢٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .))

''لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔''

((اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ .))❶

''مگر وہ شخص جو جان و مال دونوں ہی اللہ کی راہ میں قربان کر دے۔''

تو عشرہ ذوالحجہ کی اس قدر فضیلت وعظمت ہے۔

لہٰذا ان بابرکت ایام میں جس قدر بھی کسی نیکی کی توفیق ہو پورے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ کرنی چاہیے، تاکہ ایمان کے گرتے ہوئے گراف کو اور مضمحل ہوتی ہوئی کیفیت کو پھر سے قوت ونشاط ملے، اور گرم جوشی، تازگی اور حرارت پیدا ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ ان دنوں میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے، چنانچہ فرمایا:

((فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ .))❷

''ان دنوں میں کثرت سے، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھا کرو۔''

اور اسی طرح ان دنوں میں ایک اور بہت عظمت والا عمل بتلایا گیا ہے اور وہ ہے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا، چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّيْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهُ .))❸

''عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ گزشتہ اور

❶ ترمذی: ۷۵۷.

❷ مسند احمد، ج۲، ص ۷۵، رقم: ۵٤٤٦.

❸ ترمذي: ۷٤۹.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئندہ (دو سالوں) کے گناہ معاف کر دے گا۔‘‘

اسی طرح اس پورے عشرے میں کثرت سے تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔ بالخصوص ۹ ذوالحجہ کی فجر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک۔

عشرہ ذوالحجہ کے احکام ومسائل کے حوالے سے ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد اپنے بال اور ناخن وغیرہ نہ بنوائے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهٖ وَاَظْفَارِهٖ .)) [1]

’’جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔‘‘

تاہم ان مسائل واحکام کو ذہن میں رکھتے ہوئے، ان مبارک ایام کو، نیکی کے ان مواقع کو غنیمت جاننا چاہیے۔

جو وقت گزر جاتا ہے وہ دوبارہ نہیں آتا، اور جو آنے والا ہے اس میں نیکی کی توفیق ہوتی ہے یا نہیں۔ مہلت عمر نصیب ہوتی ہے یا نہیں کچھ پتا نہیں۔ اس لیے سنجیدگی، دور اندیشی، عقلمندی اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور سراب کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے۔

بہت سے لوگوں کو یہ شیطانی وسوسہ دین سے دور کیے رکھتا ہے کہ یہ تھوڑی سی ذمہ داریوں سے فارغ ہولوں، بس پھر بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کروں گا۔

گویا کہ ایک تو وہ دین کے تقاضوں کو ذمہ داری نہیں سمجھتا بلکہ فارغ لوگوں کا کام سمجھتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس نے اپنے آپ کو کتنے بڑے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے کہ جب تک وہ دنیاوی ذمہ داریوں سے فارغ نہیں ہو جاتا، ملک الموت اس کا انتظار کرے گا، اس کو نیکی کی مہلت دے گا اور پھر اس کی روح قبض کرے گا، یہ صرف دھوکہ ہی نہیں بلکہ اپنے آپ

[1] مسلم: ۹۷۷.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کو بے وقوف بنانا ہے۔

اور سب سے خطرناک پہلو اس کا یہ ہے کہ نیکی کے مواقع کی قدر نہ کرنا، ان سے مستفید نہ ہونا، برے خاتمے کی علامات میں سے ایک واضح علامت ہے، کیونکہ موت تو اکثر اچانک آتی ہے، اور اگر علامات کے ساتھ آئے جیسا کہ موت سے پہلے آدمی کچھ عرصہ بیمار ہو جائے تو پھر بیماری کی حالت میں نیکی کی توفیق نہیں ہوتی، ہمت نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ خواہش ہوتی ہے جو حسرت بن کے رہ جاتی ہے۔

جبکہ دوسری طرف حسنِ خاتمہ، یا خاتمہ بالخیر کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو موت سے پہلے نیکی کی توفیق مل جائے جیسا کہ حدیث میں ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهٗ .))

''اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے کام لیتے ہیں۔''

((فَقِيْلَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ .))

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیسے کام لیتے ہیں؟

((قَالَ يُوَفِّقُهٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ .))[1]

تو فرمایا: ''اسے موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے نیکی کا یہ جو موقع مہیا کیا ہے اسے غنیمت جانیں جنہیں نیکی کے مواقع کی قدر ہوتی ہے وہ کبھی بھی انہیں ضائع نہیں جانے دیتے۔ بلکہ وہ ایسے مواقع کی تلاش میں اور انتظار میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله العظیم لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب انه هو الغفور الرحیم .

[1] ترمذی: ٢١٤٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کا حقیقی معنی و مفہوم

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾

(الحج: ٣٤)

''ہر ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کے طریقے مقرر فرمائے تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں، سمجھ لو کہ تم سب کا معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے۔ تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ، اے نبی عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔''

یہ بات تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی سے معمولی چیز بھی بے کار اور عبث نہیں ہے، حتیٰ کہ کوئی ایک ذرہ بھی جو کہ خوردبین کے بغیر دیکھا بھی نہیں جا سکتا بے کار اور بے مقصد نہیں ہے، اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور متعین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾

(الدخان: ٣٨)

''اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔''

تو جب کائنات کا کوئی ایک ذرہ بھی بے کار اور عبث نہیں بنایا گیا تو انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے یقیناً بے مقصد نہیں ہو سکتا، انسان کی تخلیق کا ایک مقصد ہے اور وہ مقصد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۝﴾ (الذاريات : ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

تو انسان نہ صرف یہ کہ ایک متعین مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کا مقصد تخلیق سب سے اعلیٰ و ارفع بھی ہے۔

انسان کا مقصد تخلیق اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے جب اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی تمام کی تمام مخلوقات ہی کرتی ہیں مگر عبادت مقصد تخلیق صرف انسان کا ہی ٹھہرایا گیا ہے کسی اور مخلوق کا نہیں۔

عبادت کیا ہے؟ اس کا معنی ومفہوم کیا ہے اور اس کی اقسام کیا ہیں؟ ان کی تفصیل میں جانا ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے۔ عبادت کے حوالے سے صرف اتنی سی بات عرض کرنا مقصود ہے کہ عبادت زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، عبادت مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ عبادت یہ ہے کہ آدمی کی جان، مال، اولاد، کاروبار، رشتہ داریاں، دوستیاں، تعلقات، خواہشات، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا اور جینا مرنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ (الانعام: ١٦٢)

''اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجیے، میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔''

تو عبادت کا مفہوم تو بہت وسیع ہے، اس میں انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شامل ہے، مگر مشاہدہ اور ملاحظہ یہ ہے کہ عبادت کو نماز، روزے اور دیگر چند عبادات تک محدود کر دیا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، حالانکہ عبادت میں انسان کی زندگی کا ہر معاملہ شامل ہے۔

عبادت کے بہت سے شعبوں میں سے ایک بہت بڑا اور نہایت ہی اہم شعبہ ہے قربانی کا، اور قربانی کے مفہوم کو بھی عبادت کے مفہوم کی طرح بہت محدود کر دیا گیا ہے اور وہ ہے جانور کی قربانی۔ حالانکہ قربانی سے مراد اگرچہ حج اور عید کے موقعوں پر جانور کی قربانی کرنا ہی ہے، مگر قربانی حقیقت میں اپنے وسیع معنوں میں بھی مطلوب میں و مراد ہے۔

تو آج کچھ قربانی کے حوالے سے ہی بات کرنا چاہیں گے: قربانی ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے بغیر نہ انسان کی دنیا بنتی ہے اور نہ آخرت۔

قربانی ایک قدیم عمل ہے اور ہر قوم میں رہا ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (الحج : ٣٤)

''ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں، جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔''

اور قربانی اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان قدیم ہے، یعنی جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل نے دی، جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ﴾ (المائدة : ٢٧)

''اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔''

قرآن پاک میں ہابیل اور قابیل کے قربانی کرنے کا سبب تو ذکر نہیں کیا گیا البتہ حدیث میں اس کا تھوڑا سا ذکر ضرور ملتا ہے، لیکن قرآن پاک میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی کرنے کا سبب جو بھی ہو اس میں اصل بات ہے قربانی کے قبول ہونے کی اور قربانی قبول کس کی ہوتی ہے؟ فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۝﴾

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔''

جس کی نیت خالص ہو، دل میں تقویٰ ہو تو اس کی قربانی اور اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتا ہے، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝﴾ (الکھف : ١١٠)

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔''

اور عمل صالح وہ عمل ہوتا ہے جو خالص اللہ کے لیے ہو اور سنت کے مطابق ہو اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو عمل قبول نہ ہوگا۔

قربانی انسان کی زندگی میں ایک اہم عمل ہے، قربانی حکم شرعی بھی ہے، اسلامی شعار بھی ہے، سنت ابراہیمی بھی ہے، قربانی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ قربانی اپنے مقصد کے ساتھ عقیدت و محبت، خلوص اور سنجیدگی کی علامت ہے، قربانی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے بھی دی جاتی ہے، اور شکرانے کے طور پر بھی دی جاتی ہے۔

قربانی اصل میں تو انسان کی اپنی جان کی قربانی ہے، یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی قربان کر دے، یا کم از کم اس کے لیے پختہ عزم و ارادہ رکھتا ہو، کیونکہ جان ہی انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، لہٰذا جان قربان کر دینا سب سے بڑی قربانی سمجھی جاتی ہے، اور یقیناً یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے، اور پھر اس سے بھی بڑی قربانی اپنی اولاد کی قربانی ہے۔ کیونکہ اولاد انسان کو اپنی جان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اپنی جان پر آنے والی آزمائش اور تکلیف تو آدمی سہہ لیتا ہے مگر اولاد کی تکلیف نہیں سہی جاتی۔

اب اس واقعہ میں دیکھئے کہ قربان تو ہو رہے ہیں اسماعیل علیہ السلام مگر ایک بہت بڑی اور کھلی آزمائش قرار دیا جا رہا ہے ابراہیم علیہ السلام کے لیے۔

﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ﴾ (الصافات : ۱۰۶)

''یہ یقیناً ایک کھلی آزمائش تھی۔''

اور اسی طرح قربان تو ہو رہے ہیں اسماعیل علیہ السلام مگر امام الناس بنایا جا رہا ہے ابراہیم علیہ السلام کو

﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ (البقرة : ۱۲۴)

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا، اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا کہ میں تجھے امام الناس بنانے والا ہوں۔''

اولاد انسان کو کتنی عزیز ہوتی ہے، اور اس کے لیے کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے، یہ جاننے کے لیے تو عقلی اور نقلی بہت سے دلائل موجود ہیں۔ مگر اس ضمن میں صرف ایک اور حدیث سنتے ہیں، حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ .))

''جب کسی آدمی کا کوئی بچہ کوئی بیٹی یا بیٹا فوت ہوتا ہے، تو

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهِ .))

''اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں''

((قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟))

''تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی ہے؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ))

''تو وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔''

((فَيَقُوْلُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ؟))

''تو اللہ فرماتے ہیں: پھر میرے بندے نے کیا کہا؟''

((فَيَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ .))

''تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیرے بندے نے اس پر الحمد للہ کہا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔''

((فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِبْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ .))[1]

''تو اللہ فرماتے ہیں: میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔''

تو اولاد انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے اور اس کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے، لہٰذا اولاد کی قربانی سب سے بڑی قربانی سمجھی جاتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا تو شاید صرف امتحان مقصود تھا کہ کہیں بڑھاپے میں ملنے والی اولاد کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب تو نہیں آ گئی اور اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ ایسا نہیں ہے مگر ایک بہت بڑے مرتبے اور مقام اور اعزاز سے نوازنے سے پہلے آزمانا، اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور سنت رہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آزمایا اور پھر کامیابی پر انہیں امام الناس بنا دیا۔

مگر مشرکین مکہ کو شیطان نے ایسا ورغلایا کہ وہ اپنے معبودان باطلہ کی محبت اور خوشنودی کے لیے بالفعل اپنی اولادوں کو ان کے لیے ذبح کر دیتے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

[1] ترمذی: ۱۰۲۱.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾ (الانعام: ۱۳۷)

”اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے، تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔“

مشرکین مکہ کا دعویٰ تو تھا کہ وہ دین ابراہیمی پر قائم ہیں مگر ان کے پاس اس دین کی کوئی مستند اور محفوظ دستاویز نہ تھی، چنانچہ شیطان نے اولادوں کی قربانی کو اور وہ بھی اپنے جھوٹے معبودوں کے لیے ایک بہت بڑا کارنامہ بنا کر پیش کیا۔

قتلِ اولاد کی عرب میں تین صورتیں رائج تھیں:

(۱)...... ایک تو وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، تاکہ ان کا کوئی داماد نہ بنے اور انہیں یہ عار نہ اٹھانی پڑے، اور کچھ اس لیے بھی کہ قبائلی لڑائیوں میں وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔

(۲)...... اور دوسری صورت یہ تھی کہ وہ اولاد کو معاشی بوجھ سمجھتے ہوئے قتل کر دیتے تاکہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

(۳)...... اور تیسری شکل یہ تھی کہ وہ اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لیے انہیں قربان کر دیتے اور اس کی صورت یہ ہوتی کہ کوئی نذر مانتا کہ اگر اس کے اتنے بیٹے ہوئے تو وہ ان میں سے ایک کو فلاں معبود کے لیے قربان کر دے گا۔

مگر یہ سب شیطان کا دھوکہ تھا، دین ابراہیمی کو خلط ملط کر کے، اسے بگاڑ کر اور اپنی طرف سے اس میں ترمیم و اضافہ کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم فرمایا تو بعد میں اسے منسوخ کر کے اس کے بدلے میں ایک بہت بڑی قربانی پیش کر کے بچے کو چھڑا لیا۔

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۷)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔“

اب قیامت تک دنیا میں جانور کو ذبح کر کے وفاداری اور جان نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کی جاتی رہے گی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اگر آدمی کا خلوص، تقویٰ اور وفاداری جانچنے کا یہی معیار قائم رہتا کہ اپنی اولادوں کو ذبح کرنا پڑتا، تو یقیناً بہت کم لوگ اس پر پورا اتر سکتے تھے۔ اور اولاد کی قربانی تو بہت دور کی بات ہے اگر اپنی جان کی قربانی دینا ہی خلوص کا معیار ٹھہر گیا ہوتا تو کامیابی سے ہمکنار ہونے والوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بوجھ بھی ہم پر سے اٹھا لیا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شرک سے توبہ کی شرط کے طور پر حکم دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرة: ٥٤)

”جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: لوگو! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے، لہٰذا تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، اور اپنے آپ کو قتل کرو۔“

اور انہیں عملاً یہ کچھ کرنا پڑا، انہوں نے اپنے آپ کو قتل کیا اور تفاسیر میں قتل کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا، اور دوسری یہ کہ شرک کے مرتکب ہونے والوں کو کھڑا کر دیا گیا، اور جو اس سے محفوظ رہے تھے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، اور قتل ہونے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے، ان کی تعداد ستر ہزار بیان کی جاتی ہے۔

اپنے آپ کو قتل کرنا یا قتل ہونے کے لیے پیش کرنا، نہایت ہی مشکل کام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین یسر عطا کرتے ہوئے اس سے محفوظ فرمایا اور مزید احسان یہ فرمایا کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس سے بچنے کے لیے ہمیں دعاء بھی سکھلا دی۔

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾

(البقرة: ٢٨٦)

''اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔''

اور ہم سے پہلی قوموں پر احکام دین زیادہ سخت تھے، مثلاً حدیث میں ہے کہ

((كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَطَعُوْا مَا اَصَابَهُ الْبَوْلُ مِنْهُمْ .)) [1]

''کہ بنی اسرائیل میں اگر ان کے کپڑوں کو پیشاب کا کوئی قطرہ لگ جاتا تو انہیں اتنا کپڑا کاٹنا پڑتا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی فرمائی ہے صرف دھو لینا ہی کافی قرار دیا۔''

اسی طرح اور بہت سے احکام تھے۔

تو جو لوگ اس دینِ یسر پر عمل نہیں کر سکتے اگر انہیں وہ والے احکام دیے جاتے جو پہلی قوموں پر تھے تو کیسے عمل کر سکتے تھے۔

چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (النسآء: ٦٦)

''اگر ہم نے حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی لوگ اس پر عمل کرتے۔''

تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں دین یسر، اور دین فطرت عطا فرمایا، اور اس پر عمل کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

[1] ابو داؤد: ٢٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قربانی جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیکی کا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ مہیا فرمایا ہے، ہمیں دل کے تقویٰ اور خلوص سے، اور جذبہ اطاعت وفرمانبرداری سے سرشار ہو کر کرنی چاہیے۔

مگر افسوس کہ قربانی آج عبادت نہیں بلکہ محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے، وہ جذبہ، وہ عقیدت اور محبت اور اس میں وہ خلوص مفقود نظر آتا ہے جو ہونا چاہیے تھا۔ اس کے برعکس فخر ومباحات ہے، ہلا گلا ہے، ڈانس اور بھنگڑے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ قربانی کے جانوروں کے نام ناچنے گانے والیوں کے نام پر رکھ کر انہیں منڈی میں فروخت کیا جاتا ہے اور پھر لوگ انہیں شوق سے خریدتے ہیں۔ اور جب کوئی جانور کسی لحاظ سے اول نمبر پر آجاتا ہے تو پھر لوگ ڈانس کرتے اور بھنگڑے ڈالتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے جانور ہرگز نہیں خریدنے چاہئیں جن کے نام ناچنے گانے والیوں کے نام پر رکھے گئے ہوں، یہ دین کے ساتھ سراسر مذاق ہے، اس سے بہتر ہے کہ سرے سے قربانی ہی نہ کی جائے۔ مگر سنت ابراہیمی کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید الاضحیٰ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ . . . . . .

﴿وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَo﴾

(الحج : ٣٤)

یہ عید الاضحیٰ کا دن ہے، خوشی اور مسرت کا دن ہے، خوشی اور مسرت انسان کی فطری ضرورت و احتیاج ہے، اور زندگی کا لازمہ ہے۔ خوشی انسان کو اگر زندگی میں میسر نہ آئے تو اس کے دسیوں نقصانات ہیں خوشی انسان کے دل میں گزرنے والے ایک نفسیاتی اور طبعی شعور کا نام ہے، جو کہ ہر شخص کے دل میں مختلف حالات و واقعات کے تحت پیدا ہوتا ہے، اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، اس کی مختلف قوت اور شدت ہوتی ہے، اس کے اظہار کے مختلف طریقے اور مختلف اصول وضوابط ہوتے ہیں۔

دین اسلام دین فطرت ہے، دین اخلاق و آداب ہے، اور دین غیرت وحیا ہے، لہٰذا اسلام کے ہاں خوشی کے اسباب، اس کے اظہار کے طریقے اور اس کے منانے کے اصول و ضوابط دیگر تمام ادیان و مذاہب سے مختلف ہیں۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ جسم کی کچھ فطری ضرورتیں اور خواہشیں ہیں جیسے جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اور بہت ساری فطری ضرورتیں ہوتی ہیں، اور جب تک انسان کی وہ فطری ضرورت پوری نہ ہو انسان بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت ہے کہ انسان کی روح کی بھی کچھ فطری ضرورتیں اور خواہشیں ہیں، اور ان میں سے ایک یہی ہے کہ اسے بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر اسے اس کی غذا میسر نہ آئے تو وہ بے چین و بے قرار رہتی ہے۔

تو جس طرح جسم کو غذا کی ضرورت ہے، اسی طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے، اور اگر انہیں ان کی غذا میسر نہ آئے تو خوشی حاصل نہیں ہوسکتی یعنی خوش نہیں رہا جا سکتا۔ جسم کی غذا میسر نہ آنے پر انسان کی بے چینی و بے قراری، اور افسردگی و پژمردگی تو سب کو معلوم ہے، مگر روح کی غذا میسر نہ آنے پر روح پر کیا گزرتی ہے، اس کا شاید اکثر لوگوں کو ادراک نہیں ہے۔ وہ اس کمی اور نفس کی اس پژمردگی کو محسوس کریں یا نہ کریں مگر نہاں خانۂ دل میں اس کمی کا احساس موجود رہتا ہے اور شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔

اس کی بیسیوں مثالیں ہیں کہ انسان کی ظاہری شکل وصورت اور شان وشوکت سے لگتا ہے کہ وہ بہت خوش، مطمئن اور پرسکون ہے، مگر حقیقت میں اندر سے وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے، رنجیدہ، مایوس اور دل شکستہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو جھوٹی تسلیوں اور مصنوعی اور خود ساختہ حکمتوں اور فلسفوں کے ذریعے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جو کہ انتہائی سطحی اور لاعلمی اور نادانی پرمبنی خیالات اور وسوسے ہوتے ہیں حقیقت میں اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے:

﴿بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝﴾

(القيامة: ١٤ ـ ١٥)

"انسان خود اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنے ہی حیلے بہانے بنائے اور معذرتیں پیش کرے۔"

بالآخر اس کی اس مصنوعی شان وشوکت اور سکون و اطمینان کی ہنڈیا بیچ چوراہے کے پھوٹتی ہے، جب وہ خودکشی کر کے اپنی مصنوعی خوشیوں کا پول کھول دیتا ہے۔ اور ایسے بیسیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقعات ہیں کہ لوگ جنہیں ان کی ظاہری شان وشوکت دیکھ کر دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتے تھے، مگر جب ان کی ذاتی زندگیوں کا مطالعہ کیا گیا تو حقیقت منکشف ہوئی کہ وہ اندر سے کھوکھلے اور شدید رنجیدگی اور مایوسی کا شکار تھے، اور یوں وہ بدقسمت ترین انسان ظاہر ہوئے۔

غیر مسلم اقوام کے خوشی کے تہواروں میں روح کی غذا کا اہتمام نہیں ہوتا، اور نہ ہی اخلاق وآداب کی پابندی ہوتی ہے، اور نہ غیرت وحیا کا کہیں نام ونشان ہوتا ہے۔

مگر اسلام میں مسلمانوں کے لیے خوشی کے جو دو تہوار مقرر فرمائے گئے ہیں ان کی تو بنیاد ہی دین ہے جو کہ روح کی غذا کا ساماں ہے، جبکہ اس کے علاوہ روزمرہ کے معاملات میں بھی روح کی غذا کا ایسا اہتمام کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو خوب متنبہ کر دیا گیا ہے کہ جان لو! کوئی ایسی محفل اور کوئی ایسی مجلس کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو آدمی کے لیے قیامت کے دن حسرت وافسوس بن جائے گی۔

چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيهِ ، وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلَى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً ، فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ .)) [1]

”جو لوگ کسی محفل میں بیٹھتے ہیں، اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور اپنے نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھتے تو انہیں قیامت کے دن اس پر حسرت و ندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو سزا دیں گے اور چاہیں گے تو معاف کر دیں گے۔“

تو اسلام میں جب معمول کے کاموں میں، روزمرہ کے معمولات میں کوئی غفلت قبول نہیں ہے، تو اتنے بڑے تہوار میں کوئی کوتاہی کیسے قبول ہوسکتی ہے۔ اور ویسے بھی خوشی کا موقع

[1] ترمذی : ۳۳۸۰ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو ایسا موقع ہے کہ جس میں خصوصی طور پر ذکر کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اکثر و بیشتر لوگ ایسے موقعوں پر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ اس کے جذبات بہت جلد بے قابو ہو جاتے ہیں، اس سے پابندی برداشت نہیں ہوتی، وہ اس سے گھٹن اور انقباض محسوس کرتا ہے، رسیاں تڑواتا ہے اور چھوٹ جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ ، وَأَنْتُمْ تَفَلَّتُوْنَ مِنْ يَدِيْ .))

''میں تمہیں کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں، مگر تم میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتے ہو۔''

تو خوشی کے موقع پر آپے سے باہر ہو جانا، اخلاق وآداب سے بے نیاز ہو جانا، اصول و ضوابط کو پس پشت ڈال دینا اور جو جی میں آئے کر گزرنا، اور ہر ناجائز اور منع کردہ کام کو یہ کہہ کر جائز قرار دے لینا کہ کوئی بات نہیں، خوشی کا موقع ہے، یہ آدمی کی کمزور شخصیت کو بے نقاب کرتا ہے اور اس کے ہلکا پن کو آشکار کرتا ہے۔

جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا
ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خوشی کے موقعوں پر اپنے آپ کو اصول وضوابط کا پابند نہ سمجھنا، احکام واوامر کی پابندی سے آزاد ہو جانا، اور اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جانا آدمی کی شخصیت کو مجروح اور داغ دار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر دیتا ہے۔

احکام الٰہی کو نظر انداز کرنے کو فسق کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات و فرامین کی حکم عدولی کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں، جیسا کہ شیطان ابلیس کے بارے میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے حکم عدولی کی، اس پر اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ (الکھف : ٥٠)

''پس وہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا، فاسق ہوگیا۔''

آج ہم مجموعی طور پر امت مسلمہ کی حالت پر نظر ڈالیں تو اس صورت حال سے چنداں مختلف نظر نہیں آتی آج ہم حد سے گزری ہوئی پستی کا شکار ہیں اور ہماری آج کی حالت بقول مولانا حالی کچھ یوں ہے کہ:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اب اس سے زیادہ پستی کیا ہوگی کہ قربانی کے جانور کو نقلی دانت لگا کر بیچا جا رہا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی قدر ہی نہیں جانی، ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ اسلام کتنی بڑی نعمت ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو کبھی غور سے پڑھا ہی نہیں ہے کہ

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المآئدة : ٣)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے، اور اسلام کو بطور دین تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ اعلان اہل ایمان کے لیے کتنی بڑی خوش خبری، کتنی بڑی سعادت اور کس قدر عزت و افتخار کا ساماں ہے، ہم نے اس پر کبھی توجہ ہی نہیں دی، جبکہ اغیار ہم سے اس بات پر حسد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حدیث میں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

((يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُونَهَا، لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا.))

''اے امیر المومنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے، جس کو تم پڑھتے ہو، اگر ہم یہودیوں پر وہ نازل ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید بنا لیتے۔''

انہوں نے دریافت کیا: ((أَيُّ آيَةٍ؟)) ''کونسی آیت؟''

اس نے کہا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ٣)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.)) [1]

''ہمیں معلوم ہے وہ دن بھی اور وہ جگہ بھی جہاں آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، وہ جمعہ کا دن تھا اور آپ عرفات میں کھڑے تھے۔''

یعنی اس آیت کا یوم نزول تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہمارے لیے عید کا دن بنا دیا ہے۔ وہ جمعہ کا دن تھا، جو کہ عید ہی کہلاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بخاري: ٤٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اِنَّ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ .))

''یہ عید کا دن ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے عید بنایا ہے۔''

((فَمَنْ جَاءَ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ .))

''پس جو جمعے کے لیے آئے وہ غسل کر کے آئے۔''

((وَاِنْ كَانَ طِيْبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ .))

''اگر خوشبو دستیاب ہو تو خوشبو لگائے۔''

((وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ .)) ❶

''اور مسواک بھی کرو۔''

اسی طرح عرفہ کا دن بھی حجاج کرام کے لیے عید کا دن ہے۔ اور اس سے اگلے چار روز پھر عید کے دن ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَوْمُ عَرَفَةَ وَ يَوْمُ النَّحْرِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُ نَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ ، وَهِيَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ .)) ❷

''عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کے دن ہم اہل اسلام کے عید کے دن ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔''

تو اسلام ایک بہت بڑی نعمت، بہت بڑا اعزاز اور اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، افسوس کہ ہم نے اس کی قدر نہیں جانی، ہم نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے، ہم نے اپنے اسلاف کی بھی لاج نہیں رکھی، ہم ان کے ناخلف اور کپوت ثابت ہوئے ہیں، ہم میں وہ اوصاف، وہ خوبیاں، وہ گن اور وہ جوہر نہیں ہیں جو ہمارے اسلاف میں پائے جاتے تھے، کہ جن کے اغیار بھی معترف تھے۔

آج ہم ایسی پستی اور انحطاط کا شکار ہیں کہ الامان والحفیظ، وہ خوبیاں اور صفات جو ایک

❶ ابن ماجه : ١٠٩٨ . ❷ ابو داؤد : ٢٤١٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان کی شان ہوا کرتی تھیں جو کہ ایمان کا حصہ ہیں، آج وہ اغیار میں نظر آتی ہیں اور مسلمان ان سے محروم ہیں۔

اور یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے، حدیث میں ہے، حضرت المستورد رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کررہے تھے کہ

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَالرُّوْمُ اَكْثَرُ النَّاسِ .))

''فرمایا: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت قائم ہوگی اور رومیوں کی کثرت ہوگی یعنی عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔''

فَقَالَ لَهٗ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ اَبْصِرْ مَا تَقُوْلُ .

یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ذرا دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو۔ یعنی اپنی بات پر ذرا غور کرلو، کیا تم واقعی یہی کچھ کہنا چاہتے ہو جو کہہ رہے ہو!

قَالَ اَقُوْلُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

''حضرت مستورد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔''

قَالَ: لَئِنْ قُلْتَ ذٰلِكَ ، اِنَّ فِيْهِمْ لَخِصَالًا اَرْبَعًا .

''تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تمہارا یہی کہنا ہے تو پھر حقیقت یہ ہے کہ ان میں چار خوبیاں ہیں۔''

((اِنَّهُمْ لَاَحْلَمُ النَّاسِ عِنْدَ فِتْنَةٍ .))

''فتنے اور آزمائش کے وقت وہ نہایت بردبار ہوتے ہیں۔''

یعنی وہ جزع فزع، رونا پیٹنا، سینہ کوبی اور مار دھاڑ نہیں کرتے اور مشتعل نہیں ہوتے، توڑ پھوڑ نہیں کرتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَاَسْرَعُهُمْ اِفَاقَةً بَعْدَ مُصِيبَةٍ .))

”مصیبت کے بعد سب سے جلدی سنبھلنے والے ہوتے ہیں۔“

یعنی یہ نہیں کہ کسی مصیبت کے آ جانے کے بعد سر پکڑ کر، مایوس و بددل ہو کر بیٹھے رہیں اور اٹھنے کا نام ہی نہ لیں۔

((وَاَوْشَكُهُمْ كَرَّةً بَعْدَ فَرَّةٍ .))

”میدان جنگ سے بھاگ نکلنے کے بعد بہت جلد جوابی حملہ کرنے والے ہوتے ہیں۔“

یعنی یہ نہیں کہ ایک بار شکست ہوگئی تو بس اب ہمت ہار بیٹھے، بلکہ فوراً جوابی کارروائی کرتے ہیں۔

((وَخَيْرُهُمْ لِمِسْكِينٍ وَيَتِيمٍ وَضَعِيفٍ .))

”وہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں مسکینوں، یتیموں اور کمزوروں کے لیے۔“

یعنی وہ انسانیت کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں، وہ ان کمزور طبقات کا بہت خیال رکھتے ہیں، انہیں سہولتیں اور آسانیاں پہنچانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

((وَخَامِسَةٌ حَسَنَةٌ جَمِيلَةٌ: وَاَمْنَعُهُمْ مِنْ ظُلْمِ الْمُلُوكِ .)) [1]

”اور ایک پانچویں خصلت بھی ہے جو کہ بہت اچھی اور خوبصورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر بادشاہوں اور حکمرانوں کے ظلم کو روکنے والے ہیں۔“

یعنی وہ انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار ہیں، حکمرانوں کے ظلم کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔

ان کی ان خوبیوں کی تفصیل میں اس وقت نہیں جانا چاہتا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تجزیہ ان کے بارے میں بالکل بجا ہے، حالات و واقعات کے لحاظ سے ان میں کمی بیشی

[1] مسلم: ۲۸۹۸.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوتی رہتی ہے، مگر مجموعی طور پر یہ خوبیاں ان میں موجود رہتی ہیں۔

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ خوبیاں صرف انہی میں ہوتی ہیں کسی اور میں، بالخصوص مسلمانوں میں ہوتی ہی نہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ان خوبیوں پر اکثر و بیشتر قائم رہتے ہیں۔ جبکہ مسلمان ان کے ایمان میں کمی آئے، تو یہ خوبیاں بھی متاثر ہوتی ہیں۔

آج امت مسلمہ کی مجموعی حالت کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ خوبیاں کہیں نظر نہیں آتیں، ہاں انفرادی طور پر بہت سے لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں۔

ان صفات کی اسلام میں بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے، بہت تاکید کی گئی ہے اور یہ صفات ایمان کا جزو لا ینفک ہیں۔ مگر عمومی طور پر آج کے مسلمان عوام اور حکمران ان صفات کے حوالے سے بے مائیگی کا شکار ہیں، مفلس و کنگال ہیں۔

اسلام میں غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے یہ تو ایک بہت طویل موضوع ہے، مگر اس جانب ایک ہلکا سا اشارہ کرتا چلوں، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ﴾

(الفجر: ١٦)

”اللہ تعالیٰ جب بندے کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے، تو بندہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔“

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا﴾ ”ہرگز نہیں۔“

یعنی عزت و ذلت کا معیار دولت و ثروت اور رزق کی فراوانی یا تنگی نہیں بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ:

﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝﴾

(الفجر: ١٧ ـ ١٨)

”بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکینوں کو کھانا کھلانے پر ایک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے، اکساتے نہیں ہو۔''

تو مسکینوں، یتیموں اور کمزوروں کا خیال کرنا اسلام کی اک نمایاں بلکہ منفرد خصوصیت اور امتیاز ہے، اس وقت اس کی تفصیل اور تشریح میں نہیں جا سکتے۔

تاہم مسلمانوں نے چونکہ آج ان صفات اور اخلاق کو پس پشت ڈال دیا ہے، نظر انداز کر رکھا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ذلت ورسوائی کا سامنا ہے، اور زوال وانحطاط کا شکار ہیں۔

اور یہ ایک مسلمہ قاعدہ اور قانون ہے کہ

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً﴾ (الرعد : ۱۷)

''جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے۔''

﴿وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ (الرعد : ۱۷)

''اور جو لوگوں کے فائدے کی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔''

اسی قاعدے کی تائید میں ایک واقعہ ذکر کر کے بات ختم کرتا ہوں۔

آپ ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا تو آپ ﷺ غار حراء میں تشریف فرما تھے۔ اگرچہ اس سے پہلے سچے خوابوں کی شکل میں وحی کا آغاز ہو چکا تھا۔ تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے، انہوں نے کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَا اَنَا بِقَارِئٍ)) ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

انہوں نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، پھر چھوڑ کر کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ پڑھئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَا اَنَا بِقَارِئٍ)) ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

اس طرح تین بار کیا، اور پھر یہ آیات پڑھیں:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق : ۱۔ ۵)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پھر اس کے بعد آپ ﷺ کانپتے ہوئے گھر تشریف لے گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ، پھر چادر اڑھا دی گئی، پھر جب خوف کی کیفیت دور ہوگئی تو فرمایا: مجھے کیا ہوگیا ہے مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے اور سارا قصہ سنایا۔

تو اس پر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے جو کلمات کہے، وہ ہماری اس گفتگو سے متعلق ہیں۔ فرماتی ہیں: (كَلَّا) ہرگز نہیں! (أَبْشِرْ) خوش ہو جائیے۔

((فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا .))

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔''

((اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ .))

''آپ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں۔''

((وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ .))

''آپ سچ بولتے ہیں:

((وَتَحْمِلُ الْكَلَّ .))

''بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔''

((وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ .))

تہی دستوں اور نادار لوگوں کا بندوبست کرتے ہیں۔''

((وَتَقْرِی الضَّيْفَ .))

''مہمان نوازی کرتے ہیں۔''

((وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ .)) [1]

''اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔''

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دور اندیش، مخلص و وفادار، اور سلیقہ شعار خاتون نے

---

[1] بخاری: ٦٩٨٢، مسلم: ١٦٠ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ایسے الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی، جو آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتے تھے۔ جسے بعد میں قرآن پاک نے ایک قانون فطرت کے طور پر بھی بیان کر دیا:

﴿وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ﴾ (الرعد: ١٧)

جو لوگوں کے فائدے کی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے، وہ ضائع نہیں ہوتی۔"

تو یہ قانون قدرت ہے، مسلمان کہ جنہیں لوگوں کی خیر خواہی کے لیے بھیجا گیا اور اس اعزاز سے نوازا گیا کہ:

﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ١١٠)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے میدان میں لایا گیا۔"

تو جب مسلمانوں نے اپنے اس منصب اور مشن کو چھوڑ دیا، اس ذمہ داری سے کنارہ کشی اختیار کر لی، بلکہ اس کے برعکس لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تو پھر اس پر مسلمان جس سلوک اور برتاؤ کے حق دار ٹھہرتے تھے آج ہم اس سے گزر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے اور توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر لیں۔ آمین

اقول قولی هذا واستغفر الله العظيم لی ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدایت کا معنی ومفہوم اور اسباب وذرائع

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاؕ﴾ (الفتح : ۲۸)

''وہی ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔''

اس دنیا میں انسان کی بے شمار ضرورتوں میں سے انتہائی اہم اور سب سے اہم ضرورت ہدایت ورہنمائی کی ہے۔ ہدایت ورہنمائی انسان کی ایسی ضرورت ہے کہ اسے زندگی کے ہر شعبے میں، ہر کام میں اور ہر لمحے میں ضروری ہوتی ہے، ان کاموں کا تعلق دنیا سے ہو، چاہے آخرت سے۔

دنیا کے لحاظ سے ہدایت ورہنمائی اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کی فطرت میں ودیعت کررکھی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:

﴿فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى﴾ (طٰہٰ: ۴۹)

''تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟''

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طٰہٰ: ۵۰)

''تو فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو ہدایت بخشی۔''

یعنی ہر چیز کو اس کی ضرورت کے مطابق، جس کام اور جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کے مطابق اس کو رہنمائی دی۔

اس کی سب سے بہترین مثال: بچے کی خوراک کے حوالے سے ہے، بچہ جب پیدا ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے تو یقیناً کچھ نہیں جانتا ہوتا، ایک لفظ بھی پڑھنا لکھنا، بولنا اور سمجھنا نہیں جانتا۔

﴿وَ اللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـــًٔا﴾

(النحل : ۷۸)

''اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماوں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔''

لیکن اپنی خوراک کے ذرائع تک وہ یوں پہنچتا ہے اور یوں منہ مارتا ہے جیسے ابھی ابھی کسی نے اچھی طرح سمجھا کر بھیجا ہو۔ یعنی کوئی مخلوق جس مقصد کے لیے بھی پیدا کی گئی ہو، سب سے پہلے تو اس کی اپنی زندگی کا مسئلہ ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی بھی رہنمائی دے کر بھیجا ہے۔ اب اس ہدایت کا تعلق تو دنیا کی زندگی سے ہے، اور یہ کتنی ضروری ہے، آپ جانتے ہی ہیں۔

لیکن ایک دوسری ہدایت بھی ہے، جس کا تعلق آخرت سے ہے اور وہ ہدایت اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے، اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا احسان کے طور پر ذکر کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿يَمُنُّوۡنَ عَلَيۡكَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَىَّ اِسۡلَامَكُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ هَدٰٮكُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○﴾

(الحجرات : ۱۷)

''اے پیغمبر یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا، ان سے کہو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ہدایت کے سب سے بڑے سبب آپ ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے بھی اسے اپنا احسان بتایا، فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (اٰل عمران : ١٦٤)

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر بھیجا، جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

اور اس ہدایت کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت طلب کرنا نماز جیسی اہم عبادت میں فرض قرار دے دیا کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں لازماً اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگو۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

کہ اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت نصیب فرما۔''

ہدایت کا لغوی معنی تو آپ کو معلوم ہے کہ رہنمائی کرنا ہے، وہ رہنمائی دنیا کے معاملے میں ہو یا آخرت کے معاملے میں۔ جیسا کہ آپ ﷺ جب مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور آپ کے ردیف تھے، یعنی آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے سوار ہوتے تھے، لوگ چونکہ زیادہ تر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتے تھے، لہٰذا ان سے پوچھتے کہ:

((مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ .))

''یہ آپ کے آگے کون صاحب ہیں؟''

تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ذومعنی لفظ استعمال فرماتے، یعنی ایسا لفظ کہ جس کے دو یا دو سے زیادہ معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ یہ لفظ اصل میں ذو معنیین ہے، یعنی دو معنوں والا لفظ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر کثرت استعمال سے ذو معنی کے لفظ پر ہی اکتفا کرلیا گیا۔

تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ذو معنی لفظ بول کر فرماتے:

((هَذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ)) [1]

''یہ ہادی ہیں مجھے راستے کی رہنمائی کرتے ہیں، سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔''

تو اس سے پوچھنے والے عموماً قریب کا معنی مراد لیتے اور یوں وہ خطرہ ٹل جاتا کہ وہ کسی پیچھا کرنے والے کو اطلاع کریں گے۔ تو اخروی کامیابی کے لحاظ سے جو ہدایت ہے وہ سب سے ضروری اور سب سے اہم ہے، کہ اسی میں حقیقتاً دنیا کی کامیابی بھی مضمر ہے۔

تاہم دونوں قسم کی بنیادی رہنمائی اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ہی رکھ دی ہے، اس کے بعد جو کوشش کرے گا وہ حقیقی رہنمائی پائے گا، ورنہ اس کی فطرت میں تو صحیح اور غلط میں فرق و تمیز کرنے کا مادہ موجود ہی ہے، جب چاہے اس کو استعمال کر کے حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الانسان : ٣)

''ہم نے راستے کی رہنمائی دے دی ہے، اب وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کے نام سے، جسے قرآن پاک میں ''نفس لوامہ'' کہا گیا ہے، یعنی ملامت کرنے والا نفس، ایک چیز رکھ دی ہے، جو اسے ہر غلط کام پر ٹوکتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنے اُس ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرے اور برائی کی دلدل میں پھنستا ہی چلا جائے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

---

[1] بخاري : ٣٩١١.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاo﴾ (الشمس : ۷)

’’اور قسم ہے نفس انسانی کی اور اسے درست بنانے کی۔‘‘

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاo﴾ (الشمس : ۸)

’’پھر اس کی بدی اور اس کی نیکی اس کے دل میں الہام کر دی۔‘‘

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاo﴾ (الشمس : ۹ ۔ ۱۰)

’’یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔‘‘

یعنی کامیابی اور ناکامی کا ذمہ دار خود انسان کو ٹھہرایا ہے، کیونکہ نیکی کی بنیادی تمام ہدایات نہ صرف یہ کہ اس کو بتلائی گئی ہیں بلکہ اس کی فطرت میں رکھ دی ہیں اور وہ ہدایت کا پکا اور ٹھوس انتظام ہے۔ گویا بتلائی ہوئی بات، سکھائی ہوئی بات آدمی بھول بھی سکتا ہے، لیکن جو بات انسان کی فطرت میں رکھ دی جائے وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہے، اسے یاد رہتی ہے، اس معنے میں کہ ضرورت پڑنے پر وہ اس کی صحیح صحیح رہنمائی کرتی ہے، وہ خوبی خود بخود اکٹیو (Active) ہو جاتی ہے، اسے یاد رکھنی نہیں پڑتی کہ کون سی چیز صحیح ہے اور کون سی غلط، اور اسی طرح ہر برائی کی تمیز بھی اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔

یعنی یہ نہیں کہ صرف نیکی کی رہنمائی دے رکھی ہے بلکہ برائی کی پہچان بھی اس میں رکھ دی ہے، اور ایک حد تک برائی سے نفرت بھی انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور نیکی کی محبت بھی۔ تو اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ہدایت نہیں پا سکتا، یا برائی سے باز نہیں آ سکتا تو وہ یقیناً خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔ نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت اگرچہ ایک حد تک تو ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے مگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خصوصی امتیاز اور اعزاز ہے کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات : ۷)

’’اللہ تعالیٰ نے ایمان تمہارے نزدیک پسندیدہ اور محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا، اور کفر وفسق اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ اور قابل نفرت بنا دیا ہے۔‘‘

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خصوصی امتیاز ہے۔

تو نیکی اور بدی کی پہچان اور اس میں فرق وتمیز کرنے کی بنیادی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ .))

’’ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔‘‘

((فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ .))

’’پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بناتے ہیں، عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی۔‘‘

((كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ .))

’’جیسا کہ جانور پورے کا پورا پیدا ہوتا ہے۔‘‘

((فَهَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ .)) ❶

’’کیا تم اس میں کوئی کان کٹا دیکھتے ہو؟‘‘

یعنی پورے کے پورے اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، پھر بعد میں لوگ ان کے کان یا ناک ضرورت کے لیے کاٹتے ہیں، پیدائشی طور پر تو کوئی جانور کان کٹا پیدا نہیں ہوتا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ اگر محض اس بات پر کسی کو عذاب دینا چاہیں کہ ہدایت اس کی فطرت میں رکھ دی گئی تھی، اس نے پھر بھی ہدایت کی راہ اختیار نہیں کی تو یہ یقیناً ظلم و ناانصافی نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنا فضل و رحمت کرتے ہوئے انبیاء و

❶ بخاري : ۱۳۵۸ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رسل علیہم السلام بھی بھیجے جو لوگوں کو خبر دار کرتے، انہیں ڈراتے اور خوشخبریاں سناتے رہے۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

''اور ہم کسی کو عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے آپ پر اس بات کو لازم کرلیا۔

تو ہدایت کی اقسام میں سے ایک قسم یہی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، جسے ہدایتِ عَامَّة کہتے ہیں۔

پھر ہدایت کی ایک قسم ہدایتِ توفیق ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہے، ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں، حتیٰ کہ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں بھی نہیں رکھی، چنانچہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی ہدایت کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص: ۲۸)

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے کچھ اصول اور اسباب مقرر فرما رکھے ہیں، ان میں سے ایک ہے توحید، اللہ تعالیٰ پر ایمان خالص، اس کی توحید کا اقرار، فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ (التغابن: ۱۱)

جو اللہ پر ایمان لاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔''

اور ایک سبب ہے، اللہ تعالیٰ کو ہی قولاً وعملاً اپنا مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا، اسی سے امیدیں وابستہ کرنا، اور اسی کو ہر چھوٹی سے چھوٹی مشکل کے لیے پکارنا۔

چنانچہ فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o﴾

(آل عمران : ١٠١)

''جو اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرمائے گا۔''

اسی طرح ہدایت کے اسباب میں سے ایک اور بہت اہم سبب نمازوں کی پابندی کرنا اورانہیں ان کے اوقات میں باجماعت ادا کرنا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ .))

''جو چاہے کہ کل کو اللہ کے حضور ایک مسلم کی حیثیت سے پیش ہو، وہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جہاں ان کے لیے پکارا جائے۔''

((فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدٰى .))

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کے راستے واضح کر دیئے ہیں۔''

((وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى .))

''اور یہ نمازیں ہدایت کے راستوں میں سے ہیں۔''

((وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ .))

''اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگ جاؤ، جس طرح یہ متخلف، مسجد سے دور دور رہنے والا گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم نبی ﷺ کے راستے کو ترک کر دو گے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ .))

''اور اگر تم نے نبی ﷺ کے طریقے اور سنت کو ترک کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔''

((وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ .))

''اور ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے صرف وہ شخص رہتا تھا جو منافق تھا اور جس کا منافق ہونا سب پر واضح تھا۔''

((وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ .)) ❶

''اور ہم نے دیکھا کہ آدمی کو مسجد میں لایا جاتا، یعنی بیمار اور معذور شخص بھی نمازِ باجماعت سے پیچھے نہ رہتا، وہ مسجد میں ضرور آتا حتیٰ کہ دو آدمیوں کے سہارے کے ساتھ اسے صف میں لا کر کھڑا کیا جاتا۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى .))

''آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے اور راستے سکھائے ہیں اور نشاندہی فرمائی ہے۔''

((وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ .)) ❷

''اور ہدایت کے راستوں میں سے ایک بات یہ سکھائی کہ مسجد میں نماز ادا کرنا جس میں اذان ہوتی ہو۔''

ہدایت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے: اچھی صحبت۔ اچھی صحبت اختیار کرنے

❶ مسلم: ٦٥٤. ❷ مسلم: ٦٥٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے کو ہدایت ملتی ہے ورنہ وہ اس سے محروم رہتا ہے، کیونکہ آدمی پر اچھی یا بری صحبت کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت احادیث میں مثالوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے، آپ ضرور اس سے آگاہ ہوں گے۔

اور اچھی مجلس اور بری مجلس کے اثر کے حوالے سے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کہتے ہیں کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے
آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

یعنی آدمی کی صحبت کا انسان تو انسان رہا در و دیوار پر بھی اثر ہو جاتا ہے۔ اور وہ یوں کہ آدمی جس گھر میں اور جس کمرے میں رہتا ہے، اپنی پسند کی چیزیں اس کمرے میں آویزاں کرتا ہے، اپنی پسند کی سیٹنگ اور ڈیکوریشن کرتا ہے۔ تو گویا کہ آدمی کی پسند اور اس کی سوچ اور اس کے خیالات کا دیوار پر بھی اثر ہو گیا۔

تو جو لوگ برے اور بے نماز لوگوں کی مجلس اختیار کریں گے ان کا اٹھنا بیٹھنا بے نماز لوگوں کے ساتھ ہوگا تو وہ بے نماز ہی بنیں گے۔ اور قیامت کے دن حسرت کے ساتھ کہیں گے۔

﴿يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝﴾ (الفرقان : ۲۷)

''اے کاش میں نے رسول والا راستہ اختیار کیا ہوتا، رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔''

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝﴾ (الفرقان : ۲۷)

''ظالم انسان اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔''

﴿يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۝﴾ (الفرقان : ۲۸)

''ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

﴿لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جو نصیحت میرے پاس آئی تھی اس نے اس نصیحت سے مجھے بہکا دیا۔''

﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا﴾ (الفرقان : ٢٩)

''اور شیطان انسان کو بڑا ہی رسوا کرنے والا ہے، بڑا ہی دغا دینے والا ہے۔''

تو اسی طرح کچھ اور بھی ہدایت کے اسباب ہیں، پھر کسی وقت ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله العظیم لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب انه هو الغفور الرحیم .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیامت سے غفلت کے اسباب

﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾

(الحجر : ۳)

''چھوڑ دیجئے انہیں کہ کھائیں، پئیں، مزے کریں، اور جھوٹی امیدیں انہیں بہلاوے میں ڈالے رکھیں، عن قریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

انسان اس دنیا میں کس قدر مصروف و مشغول اور الجھا ہوا ہے، مسائل میں گھرا ہوا ہے، کھیل کود اور خوش گپیوں میں مگن ہے، دنیا کی رونق اور اس کی بھول بھلیوں میں گم ہے دنیا کے اس کیچڑ اور دلدل میں پھنسا ہوا ہے کہ ایک پاؤں کھینچتا ہے تو دوسرا دھنس جاتا ہے، اپنی منزل سے بے خبر چلا جا رہا ہے گویا کہ میدانِ تیہ میں بھٹک رہا ہے، کسی رہبر کی پرواہ کیے بغیر، کسی مصلح کی آواز پر کان دھرے بنا بھولا بھٹکا چلا جا رہا ہے۔

اور اس سب پر مستزاد یہ کہ اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ وہ بھولا بھٹکا اور گم گشتہ راہ ہے اور اسے واپس بھی جانا ہے، اسے اپنی منزل پر پہنچنا ہے، اور اسے رہنمائی کی ضرورت ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی اس حالت پہ خوش اور مطمئن اور شاداں وفرحاں ہے۔

انسان اس دنیا کی رونق، اس کی چہل پہل اور چمک دمک میں مکمل طور پر کھویا ہوا ہے اور خوب مگن ہے۔ اسے اس غفلت اور غنودگی کی کیفیت سے نکلنے کی خواہش اور تمنا تو کیا ہوگی، اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ وہ کسی غفلت کا شکار ہے۔ مگر حقیقت تو یہی ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت راہ راست سے بھٹکی ہوئی اور اپنے مقصد اور منزل سے غافل دنیا کی لذتوں میں کھوئی ہوئی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سؤال یہ ہے کہ اس غفلت و بے خبری، بے پروائی اور بے نیازی کا آخر سبب کیا ہے، وہ ایسی کون سی شدید پُرکشش چیز ہے جو ہر انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اور اس بے خبری اور غفلت کی کیفیت سے انسان کو کس طرح نکالا جا سکتا ہے؟

یوں تو انسان کی اس بے راہ روی، اس غفلت و بے پروائی، اس بے توجہی اور لا ابالی پن کے متعدد اسباب و وجوہات ہیں، جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ٥﴾ (التکاثر: ١)

''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔''

﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ٥﴾ (التکاثر: ٢)

''یہاں تک کہ اسی سوچ اور فکر میں، اور اسی سعی و جہد میں تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔''

تو مال و دولت کی ہوس، اور حصول دنیا کا خبط اور جنون، نہ صرف انسان کو حقیقتِ آخرت سے غافل کرتا ہے، بلکہ قبر تک اسے ہوش نہیں آنے دیتا۔ اس آیت کریمہ میں انسان کی بے راہ روی، اور غفلت و بے پروائی کا ایک ایسا سبب بیان کیا گیا ہے جو کہ گویا خلاصہ اور نچوڑ ہے تمام اسباب و وجوہات کا۔ تاہم اگر تفصیل میں جائیں تو اس کے دیگر کئی ایسے اہم ذیلی اسباب بھی نظر آتے ہیں جو کہ بظاہر مستقل بالذات معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے ایک ہے لمبی لمبی امیدیں باندھنا۔ لمبی لمبی امیدیں باندھنا آخرت سے غفلت کا ایک مستقل سبب بتلایا گیا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ٥﴾ (الحجر: ٣)

''انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، کھائیں پئیں، مزے کریں اور امیدیں انہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

غافل کیے رکھیں، عن قریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

تو آخرت سے غفلت کا ایک سبب امیدیں باندھنا قرار دیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ امیدیں تو ہر شخص باندھتا ہے، امید کے بغیر تو کوئی زندگی نہیں، اگر امید نہ ہو تو انسان کا جینا دشوار ہو جائے۔ اور پھر اس آیت کریمہ میں صرف امیدوں کو ہی غفلت کا سبب نہیں بتلایا بلکہ کھانے پینے اور عیش کرنے اور لطف اندوز ہونے کو بھی غفلت کا سبب بتلایا ہے۔ حالانکہ کھانا پینا تو زندہ رہنے کے لیے انسان کی بنیادی ضرورت ہے، لہٰذا ہر آدمی کھاتا پیتا ہے۔ لیکن ایک کھانا ہوتا ہے ضرورت کے لیے، زندہ رہنے کے لیے اور ایک کھانا ہوتا ہے محض لطف اندوز ہونے کے لیے۔ جانور کھاتے ہیں ضرورت کے لیے، جسم کی قوت و طاقت کے لیے، زندہ رہنے کے لیے۔ اور جب وہ شکم سیر ہو جاتے ہیں تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں، اور جب وہ کھانا چھوڑ دیتے ہیں تو پھر آپ گھاس کا ایک تنکا بھی انہیں کھلانے پر مجبور نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ مزے کے لیے نہیں کھاتے بلکہ بھوک مٹانے کے لیے کھاتے ہیں۔

اس کے برعکس انسان چاہے کتنا ہی پیٹ بھر کر کھانا کیوں نہ کھالے خوب سیر ہو جانے کے بعد اگر کوئی نئی ڈش آجائے تو کہتا ہے کہ پیٹ میں جگہ تو نہیں ہے لیکن چلو تھوڑا چکھ لیتا ہوں، یعنی صرف مزہ لینے کے لیے، لطف اندوز ہونے کے لیے۔

تو انسان اگرچہ کھاتا ہے، بھوک مٹانے کے لیے، جسم کو طاقت پہنچانے کے لیے، لیکن اس کے ساتھ اگر اس کی لذت سے لطف اندوز بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن سیر ہونے کے بعد، ضرورت پوری ہونے کے بعد اگر صرف مزہ لینے کے لیے کھائے، بعد میں اس کو کھانا ہضم کرنے کے لیے چاہے پھکی چورن اور ہاجمولہ ہی کھانا پڑے تو یہ اپنے آپ کے ساتھ زیادتی بھی ہے، اسراف بھی ہے اور اس کے دینی لحاظ سے بھی نقصانات ہیں کہ جو زیادہ کھائے گا، زیادہ سوئے گا اور فرائض و واجبات کی ادائیگی میں سستی کا شکار ہوگا۔

لہٰذا اسلام ترغیب دیتا ہے کہ ضرورت کے مطابق کھایا جائے بلکہ اس سے بھی کم کھایا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ اُكُلاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ .)) [1]

"کمر سیدھی کرنے کے لیے آدمی کو چند نوالے ہی کافی ہیں۔"

اس کے برعکس اگر کسی کی زندگی کے اولین مقاصد میں سے کھانا پینا اور عیش کرنا ہو، تو یقیناً اس کی زندگی کی باقی کی ترجیحات بھی اس کے مطابق ڈھل جاتی ہیں، اور ان کا رجحان اور میلان آخرت کی طرف نہیں ہوتا بلکہ ان کی سوچ کا مرکز اور محور صرف دنیا ہی ہوتا ہے۔

تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا﴾

انہیں کھانے پینے دیجیے اور عیش کرنے دیجیے، مزے کرنے اور لطف اندوز ہونے دیجیے۔

یہاں وہ کھانا پینا اور لطف اندوز ہونا مراد ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔

اسی طرح ﴿وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ انہیں امیدوں میں کھوئے رہنے دیجیے سے مراد بھی ایسی امیدیں ہیں جو انسان کو آخرت سے غافل کر دیں، جن کے حصول میں انسان ایسا مگن ہو جائے کہ دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر دے اور آخرت کو بھول ہی جائے۔ لمبی امیدیں انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہیں، آخرت سے غافل کرتی ہیں، اور عمل میں سستی پیدا کرتی ہیں، راہ راست سے بھٹکاتی ہیں اور آخرت بھلاتی ہیں۔

اور کسی بھی انسان کی ساری کی ساری امیدیں آج تک نہ کبھی بر آئی ہیں اور نہ بر آ سکتی ہیں، کیونکہ انسان کے پاس وقت محدود ہے اور اس کی امیدیں اس سے متجاوز ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا ، وَقَالَ: هٰذَا الْاِنْسَانُ .))

"آپ ﷺ نے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ انسان ہے۔"

((وَخَطَّ اِلٰى جَنْبِهٖ خَطًّا وَقَالَ: هٰذَا اَجَلُهٗ .))

---

[1] ترمذی : ۲۳۸۰ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور اس کے ایک طرف ایک اور لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اس کی عمر ہے۔''

((وَخَطَّ خَطًّا آخَرُ بَعِيْدًا مِنْهُ .))

''اور اس سے کچھ دور ایک اور لکیر کھینچی۔''

((فَقَالَ: وَهَذَا الْأَمَلُ .))

''اور فرمایا: یہ اس کی امید ہے۔''

((فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ جَاءَ هُ الْاَقْرَبُ .)) ❶

وہ اپنی امیدوں کے حصول کی سعی و جہد میں ہی مشغول اور فکر مند ہوتا ہے کہ اس سے پہلے والی چیز اسے آلیتی ہے، یعنی موت آجاتی ہے اور اس کی امیدیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ .))

''آپ ﷺ نے ایک چورس اور مربع شکل کی لکیر کھینچی، ایک خانہ بنایا اور اس کے اندر درمیان میں ایک اور لکیر کھینچی جو اس چوکھٹے سے باہر نکلی جا رہی تھی۔''

((وَخَطَّ خُطُوْطًا صِغَارًا اِلٰى هَذَا الَّذِىْ فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِىْ فِي الْوَسَطِ .))

''وہ چوکھٹے کے اندر جو لکیر تھی اس کے اطراف میں کچھ اور چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں۔''

((فَقَالَ: هَذَا الْاِنْسَانُ ، وَهَذَا اَجَلُهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ .))

''اور فرمایا یہ انسان ہے اور یہ چوکھٹا اس کی عمر ہے جو اسے تمام اطراف سے

❶ بخاري: ٦٤١٨ مختصرا، جامع الأصول، ج١، ص ٣٩١، رقم: ١٨٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھیرے ہوئے ہے۔''

((وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ .))

''اور یہ لکیر جو چوکھٹے سے باہر جارہی ہے اس کی امید ہے۔''

((وَهَذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ .))

''اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں پریشانیاں، مصیبتیں اور آزمائشیں ہیں۔''

((فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا .))[1]

''ان میں سے کوئی ایک اگر چوک جاتی ہے تو دوسری اسے نوچ لیتی ہے، کاٹ کھاتی ہے۔''

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اثْنَتَانَ .))

''سب سے زیادہ مجھے تم لوگوں پر جس چیز کا ڈر ہے وہ دو باتیں ہیں۔''

((اِتِّبَاعُ الْهَوَى وَطُوْلُ الْاَمَلِ .))

''خواہشات کی پیروی اور لمبی امیدیں۔''

((فَاَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ .))

''جہاں تک خواہشات کی پیروی کا تعلق ہے تو وہ حق کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔''

((وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِى الْآخِرَةَ .))[2]

''اور جو لمبی امیدیں ہیں وہ آخرت بھلا دیتی ہیں۔''

تو لمبی امیدیں بہت سی خطرناک اور سنگین قباحتوں کو جنم دیتی ہیں، اس سے دنیا پائیدار

---

[1] بخاری: ٦٤١٧ .

[2] فضائل الصحابة للامام أحمد، ج١، ص ٥٣٠، رقم: ٨٨١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگنے لگتی ہے اور آخرت سراب اور خواب۔

پھر ان امیدوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر آدمی اپنے آپ کو ہلکان کر لیتا ہے، اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا، اور اگر کچھ ہاتھ لگتا بھی ہے تو اس سے لطف اندوز ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اور یوں وہ مصیبتیں اور تکلیفیں سہتا ہوا، دکھوں اور پریشانیوں سے چور اور نڈھال بے بسی اور بے کسی کے عالم میں اس دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جاتا ہے، اور وہاں اس ساری محنت ومشقت، سعی وجہد اور تگ ودو کا حساب دینے کے لیے حاضر کر لیا جاتا ہے۔

ایسے شخص کی حالت تو کچھ ایسے ہی ہے جیسے ایک چینی حکمت آموز حکایت بیان کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک بادشاہ نے اپنے ایک شہری کو انعام واکرام سے نوازنا چاہا، تو اس سے کہا کہ جاؤ جتنی زمین تم اپنے قدموں سے ناپ سکو وہ تمہاری ملکیت ہوئی۔

آدمی کو بہت خوشی ہوئی، وہ بھاگا بھاگا گیا، خوشی اور جنوں کے عالم میں، اس نے چل چل کر ایک لمبی مسافت طے کر لی، پھر تھک گیا، تو سوچا کہ بس اتنی زمین ہی کافی ہے، اب میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں کہ اتنی زمین میرے نام کر دیں۔

پھر خیال آیا کہ کیوں نہ کچھ مزید زمین حاصل کر لوں، چنانچہ اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔

اس طرح اسے تین بار خیال آیا اور تینوں بار اس نے اپنا سفر جاری رکھنے کا ہی فیصلہ کیا۔

وہ چلتا چلتا تھک ہار چکا تھا، نڈھال اور بے بس ہو چکا تھا۔ بالآخر وہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔

تو حقیقت ہے کہ جو شخص اس دنیا میں ہر چیز پا لینا چاہتا ہے، وہ اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے۔

دل میں امیدیں رکھنا یوں تو انسان کی اک فطری خواہش ہے، اور یہ خواہش اگر تو اپنی حدود میں رہے تو جائز اور مباح ہے لیکن اگر حدیں تجاوز کر جائے اور ایک محض خیالی حیثیت اختیار کر لے تو مذموم ہے اور اس کے انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور اس سے بڑا خطرناک نتیجہ کیا ہوگا کہ انسان آخرت سے منہ موڑ لیتا ہے، دین کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر کسی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اور اللہ کے دین سے اعراض کا انجام کیا ہوتا ہے، وہ آپ کو معلوم ہی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طٰهٰ: ١٢٤)

”اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی، اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

یعنی دنیا میں سب کچھ ہونے کے باوجود بھی بے قرار و بے چین اور مضطرب رہے گا، اور آخرت میں معاملہ تو اس سے کہیں سخت ہوگا، اس کا تو دنیا کے ساتھ کچھ موازنہ ہے ہی نہیں۔

تاہم لمبی لمبی امیدیں باندھنے کے کچھ اسباب ہیں، اگر ان کا کچھ تدارک کر لیا جائے تو لمبی امیدوں سے بچا جا سکتا ہے، اور وہ ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

((اِعْلَمْ اَنَّ طُوْلَ الْاَمَلِ لَهٗ سَبَبَانِ .))

”جان لو! کہ لمبی امیدوں کے دو اسباب ہیں:“

((اَحَدُهُمَا: الْجَهْلُ ، وَالآخَرُ حُبُّ الدُّنْيَا .)) [1]

”ان میں سے ایک ہے جہالت اور دوسرا ہے حب الدنیا۔“

جہالت اور حب دنیا کا اک سرسری مفہوم تو آپ جانتے ہی ہوں گے اور تفصیل کا وقت نہیں ہے لہٰذا دنیا کی محبت کے حوالے سے مختصر بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت کے کئی پہلو، کئی انداز اور کئی اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اکثر اوقات لوگ دوسروں کی شان و شوکت، ٹھاٹھ باٹھ، اور چہل پہل دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں، منہ سے رالیں ٹپکنے لگتی ہیں، دل

[1] احیاء علوم الدین، ج ٤، ص ٤٥٦.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں ان جیسا بننے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگتی ہیں، زبان پر دعائیں جاری ہو جاتی ہیں اور آدمی ان جیسا بننے کی ٹھان لیتا ہے اور پھر چل سو چل، وہ حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر اپنی منزل اور مقصد کے لیے گھوڑے دوڑا دیتا ہے۔ جبکہ وہ اس حقیقت حال سے واقف نہیں ہوتا کہ اس کی وہ شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ تو شاید اس کے لیے وبال جان ہو اس کی آزمائش کے لیے ہو، یا سزا کے طور پر ہو، جی ہاں، دنیا کی یہ نعمتیں بسا اوقات سزا کے طور پر بھی ہوتی ہیں، جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن اس وقت ہم یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کسی کے ہاں دولت کی ریل پیل، چمک دمک اور فراوانی کس طرح دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

قارون کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے، وہ بہت مال دار تھا اتنا مالدار تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت بڑی مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ﴾

''ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا۔''

﴿قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ (القصص: ۷۹)

''جو لوگ حیات دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے: کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾

''یہ تو بڑا ہی نصیبے والا ہے۔''

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَ لَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ (القصص: ۸۰)

''مگر جو لوگ علم رکھنے والے تھے، وہ کہنے لگے: افسوس تمہارے حال پر! اللہ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثواب بہتر ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور یہ دولت صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملتی ہے۔‘‘

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے جو بخاری اور مسلم میں مذکور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ اِلَّا ثَلَاثَةٌ .))

’’فرمایا: گود میں تین بچوں کے سوا کسی نے بات نہیں کی۔‘‘

((عِيْسٰى .))

ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اوران کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔

((وَكَانَ فِي بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ جُرَيْجٌ .))

اور ایک بنی اسرائیل کا آدمی تھا جسے جریج کہا جاتا تھا۔

((كَانَ يُصَلِّيْ .))

وہ نماز پڑھ رہا تھا۔

((جَاءَ تْهُ اُمُّهٗ فَدَعَتْهُ .))

اس کی والدہ آئی اوراس نے اسے بلایا۔

((فَقَالَ: أُجِيْبُهَا اَوْ اُصَلِّيْ .))

اس نے کہا: میں اپنی والدہ کا جواب دوں یا نماز جاری رکھوں؟

چنانچہ نماز جاری رکھی۔

((فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتَّى تُرِيَهٗ وُجُوْهَ الْمُوْمِسَاتِ .))

’’اس کی والدہ نے یہ بددعا کی: اے اللہ! اس وقت تک اسے موت نہ آئے جب تک یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔‘‘

یعنی بدکار عورتوں سے اس کا واسطہ پڑے۔

((وَكَانَ جُرَيْجٌ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ فَتَعَرَّضَتْ لَهٗ امْرَاَةٌ .))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’ایک روز جریج اپنے عبادت خانے میں ہی تھا کہ ایک فاحشہ عورت اس کے پاس آئی۔‘‘

((وَكَلَّمَتْهُ فَاَبٰى .))

اس نے اسے بدکاری کے لیے ورغلانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔

((فَاَتَتْ رَاعِيًا فَاَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا .))

’’تو وہ ایک چرواہے کے پاس آئی، اور اسے اپنے آپ پر تمکّن دے دیا، چنانچہ اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔‘‘

((فَقَالَتْ مِنْ جُرَيْجٍ .))

’’اس نے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔‘‘

((فَاَتَوْهُ فَكَسَرُوْا صَوْمَعَتَهٗ وَاَنْزَلُوْهُ وَسَبُّوْهُ .))

’’لوگ آئے، انہوں نے اس کا عبادت خانہ توڑ دیا، اسے نیچے اتارا، اور برا بھلا کہا۔‘‘

((فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَتَى الْغُلَامَ .))

’’اس نے وضو کیا، نماز پڑھی اور اس بچے کے پاس آیا۔‘‘

((فَقَالَ مَنْ اَبُوْكَ يَا غُلَامُ؟))

’’اس نے کہا: اے بچے تیرا باپ کون ہے؟‘‘

((قَالَ: الرَّاعِيْ))

’’اس نے کہا: چرواہا۔‘‘

((قَالُوْا نَبْنِىْ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ .))

’’لوگوں نے کہا: ہم تمہارا عبادت خانہ سونے کا بنا دیتے ہیں۔‘‘

((قَالَ لَا ، اِلَّا مِنْ طِيْنٍ .))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”کہا نہیں بلکہ مٹی کا ہی رہنے دیں۔“

یہ دو بچے تھے جنہوں نے گود میں بات کی۔ اور تیسرا بچہ جس کا ذکر ہمارے اس موضوع سے متعلق ہے، وہ یہ ہے:

فرمایا:

((وَكَانَتْ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ .))

”بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔“

((فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُوْ شَارَةٍ .))

”اس کے پاس سے ایک سوار نہایت خوش پوش اور شان وشوکت والا گزرا۔“

((فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ابْنِي مِثْلَهٗ .))

”تو اس عورت نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو بھی اسی جیسا بنا دے۔“

((فَتَرَكَ ثَدْيَهَا وَاَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهٗ .))

”بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر اس سوار کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا۔“

((ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهَا يَمُصُّهُ .))

”یہ کہہ کر اس نے پھر دودھ پینا شروع کر دیا۔“

((ثُمَّ مَرَّ بِاَمَةٍ .))

”پھر اس بچے کا ایک باندی کے پاس سے گزر ہوا۔“

((فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هٰذِهٖ .))

”تو اس کی ماں نے دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا۔“

((فَتَرَكَ ثَدْيَهَا .))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اس نے دودھ پینا چھوڑا۔''

((فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا .))

''اور کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا بنا دے۔''

((فَقَالَتْ لِمَ ذَاكَ؟ .))

''اس عورت نے پوچھا تو ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟

((فَقَالَ: الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ .))

''تو کہا: وہ جو سوار تھا وہ ظالموں میں سے ایک جابر اور ظالم شخص تھا۔''

((وَ هٰذِهِ الْاَمَةُ يَقُوْلُوْنَ سَرَقْتِ وَزَنَيْتِ وَلَمْ تَفْعَلْ .)) [1]

''اور اس باندی سے لوگ کہہ رہے تھے تو نے چوری کی ہے، تو نے بدکاری کی ہے، حالانکہ اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔''

اس حدیث میں متعدد احکام و مسائل اور حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پھر کبھی ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

اقول قولی هذا واستغفر الله العظیم لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب انه هو الغفور الرحیم .

[1] بخاری: ٣٤٣٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مردانگی صفات کے حاملین کون؟ اور ان صفات کے مفقود ہونے کے اسباب

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب: ۲۳)

''مومنوں میں سے کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے، اُن میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے، اور انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور پھر خلیفہ بنا کر زمین پر بھیج دیا۔ خلیفہ کا مطلب نائب اور جانشین ہے، انسان زمین پر کس کا خلیفہ اور نائب ہے؟ اللہ تعالیٰ کا، یا اپنے سے پہلے کسی اور مخلوق کا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مراد ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات کو اسی کی ہدایات کے مطابق اور اسی کی مرضی و منشاء کے مطابق استعمال کر کے دنیا میں زندگی بسر کرے اور اپنا اجتماعی نظام چلائے۔

اور یہ کہہ کر وہ قانون اور ہدایات بھیجنے کا وعدہ بھی فرمایا، جس کے مطابق چل کر انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنا ہے۔ فرمایا:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۳۸)

جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے، تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی خوف وغم نہیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں خوش اسلوبی سے زندگی گزارنے اور گھر کا اور ملک و سلطنت کا نظام چلانے کے لیے بنیادی اور ضروری خوبیوں اور صلاحیتوں اور اوصاف و خصال سے بھی نوازا کہ انہیں اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا، اور ساتھ ہی بری صفات کی پہچان بھی کرا دی، پھر وہ ایک خاص معاشرے اور خاص ماحول میں رہ کر یا تو اپنی ان خوبیوں میں مزید نکھار پیدا کر لیتا ہے، یا اس کی ان خوبیوں میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے۔

تاہم انسان کو کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان اخلاق وصفات کی ضرورت ہے جو پختگی اور کمال میں اپنی بلند ترین سطح پر ہوں، اور ایسی صفات کو صفات الرُّجولۃ کہا جاتا ہے، یعنی مردانگی کی صفات۔

مردانگی کی صفات کا مطلب مردانہ صفات نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ اخلاق حسنہ ہیں جو اپنے کمال اور نقطہ عروج کو پہنچے ہوئے ہوں۔ ایسی صفات کے حاملین کو ہی مرد کہا جاتا ہے، مرد کے لیے عربی میں رجل کا لفظ بولا جاتا ہے اس کی جمع ہے رجال۔ اور رجل یعنی مرد جنس کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی۔

اگر صفات کے لحاظ سے مرد مراد ہو تو اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

جنس کے اعتبار سے تو مرد دنیا میں بہت ہیں مگر صفات کے لحاظ سے خال خال ہی نظر آئیں گے اور حقیقی معنوں میں تو شاید اس وقت پوری مسلم دنیا میں ایسے جوانمرد انگلیوں پر گنے جا سکتے ہوں۔

آج امت مسلمہ کو رجال کی ضرورت ہے، مگر قحط الرجال ہے، رجال صفات کے اعتبار سے تو کیا نظر آئیں گے، شکل وصورت کے لحاظ سے بھی بہت کم نظر آتے ہیں۔

صفات کے اعتبار سے مردوں اور جنس کے اعتبار سے مردوں میں فرق کا تناسب کچھ ایسے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اِنَّمَا النَّاسُ كَابِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلَ فِيْهَا رَاحِلَةً .)) [1]

"لوگ ایسے ہیں جیسے سو اونٹ، آدمی ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہیں پاتا۔"

تو جیسے سو اونٹوں میں کوئی ایک بھی سواری کے قابل نہیں ملتا ایسے ہی جنس کے اعتبار سے سو مردوں میں کوئی ایک بھی صفات کے اعتبار سے مرد نظر نہیں آتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم امت مسلمہ ایک ایسی امت ہیں کہ جو ایک ایسی صنعت کاری اور ہنر مندی میں یکتا اور منفرد ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، اس میں کوئی قوم ہماری ہم چشم اور ہم سر نہیں ہے، اور وہ ہے صنعتِ رجال، حرفتِ مردم خیزی۔ انسان کو مرد بنانا، اس میں مردانگی کی صفات پیدا کرنا اس کی ایسی تربیت کرنا کہ جس سے اس پر لفظ رجل کا اطلاق ہو سکتا ہو، یہ صرف امت مسلمہ کا ہی خاصہ ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اس کی تفصیل میں جائیں کہ اسلام میں مردم خیزی کس طرح ہوتی ہے اور صنعت رجال کے اصول وضوابط کیا ہیں، یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام میں لفظ رجل کا اطلاق کس پر ہوتا ہے، اور معاشرے میں مرد کس کو سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث میں لفظ رجل جہاں کہیں استعمال ہوا ہے، اس میں سے اکثر و بیشتر ایسی شخصیت کے لیے استعمال ہوا ہے جو صفات حسنہ کی حامل ہو، جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور محبوب ہیں۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ٥﴾ (التوبة: ١٠٨)

"جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی، وہ اس کے لیے زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں عبادت کے لیے کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو

[1] مسلم: ٢٥٤٧، ترمذی: ٢٨٧٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے محبوب ہیں۔“

یعنی طہارت بدنی کا اہتمام کرنے والوں کے لیے رجال کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِo﴾ (النور: ٣٦)

”ان گھروں میں کہ جن کے ادب و احترام کا، اور اللہ تعالیٰ کا نام وہاں لیے جانے کا حکم ہے، وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔“

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُo﴾

(النور: ٣٧)

”وہاں ایسے لوگ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گی۔“

یہاں اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کو رجال اور مرد کہا گیا ہے جنہیں تجارت اور کاروبار دنیا نماز، زکاۃ اور ذکر واذکار سے نہیں روکتی، اس میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

اور ایک جگہ مردوں کی صفات یوں بیان فرمائیں، فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًاo﴾ (الاحزاب: ٢٣)

”مومنوں میں وہ جواں مرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیے تھے انہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقع کے منتظر ہیں، اور انہوں اپنے عزم وارادے اور عہد و میثاق میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے صدق دل سے جہاد میں شریک ہونے کا عہد اور عزم مصمم کر رکھا تھا، پھر وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کر اپنا کیا ہوا عہد پورا کر گئے، اور جنہیں شہادت نصیب نہ ہوئی وہ بھی منتظر ہیں اور اپنے اسی عہد پر قائم ہیں۔

ان آیات کا شان نزول وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکنے پر بہت افسوس ہوا، اور انہوں نے عہد کیا کہ اگر اب کوئی موقع ملا تو وہ اپنی جانیں پیش کریں گے۔ بالخصوص حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے، تو فرمانے لگے:

((لَـئِـنْ أَرَانِي اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَشْهَدًا فِيْمَا بَعْدُ، لَيَرَيَنَّ اللّٰهُ مَا اَصْنَعُ .))

''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کے ساتھ کسی اور معرکے میں شریک ہونے کا موقع عطا فرمایا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔''

((فَاَرَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ أُحُدٍ، فَاَوْفَى اللّٰهَ مَا وَعَدَهٗ .))[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے احد کے معرکے میں انہیں موقع عطا فرمایا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا اور شہید ہو گئے، ان کے جسموں پر تیروں تلواروں اور نیزوں کے ۸۰ سے زیادہ زخم لگے، شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پورے سے پہچانا۔

تو یہاں شجاعت اور بہادری اور عہد و میثاق کی پابندی اور وفاداری مردانگی کی صفات بتلائیں۔

اسی طرح احادیث میں بھی جوانمردی اور مردانگی کی صفات کا ذکر ہے، جیسا کہ وہ قصہ

[1] مسند احمد، ج۳، ص ۱۹٤، رقم: ۱۳۰۳۸.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا:

((تَمَنَّوْا .))

''کوئی خواہش کرو۔''

((فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَتَمَنّٰى لَوْ اَنَّ هَذِهِ الدَّارَ مَمْلُوْءَةٌ ذَهَبًا أَنْفِقُهُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .))

ان میں سے ایک نے کہا: میری تمنا ہے کہ یہ گھر سونے سے بھرا ہوتو میں وہ سارا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردوں۔

((ثُمَّ قَالَ تَمَنَّوْا .))

پھر فرمایا: اور تمنا کرو۔

((فَقَالَ رَجُلٌ: أَتَمَنَّى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوْءَةٌ لُؤْلُؤًا وَزَبَرْجَدًا وَجَوْهَرًا أَنْفِقُهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَتَصَدَّقُ .))

ایک آدمی نے کہا: میری خواہش ہے اگر یہ گھر ہیرے، موتی جواہرات سے بھرا ہوتو میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردوں اور صدقہ کردوں۔

((ثُمَّ قَالَ تَمَنَّوْا .))

پھر فرمایا: اور تمنا کرو۔

((فَقَالُوْا: مَا نَدْرِي مَا نَقُوْلُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ .))

انھوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہم نہیں جانتے (کہ اب ہم کیا تمنا کریں)

((فَقَالَ عُمَرُ: أَتَمَنَّى لَوْ أَنَّ هٰذِهِ الدَّارَ مَمْلُوْءَةٌ رِجَالًا مِثْلَ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِیْ حُذَيْفَةَ فَأَسْتَعِيْنَ بِهِمْ عَلٰى إِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ .)) [1]

[1] مستدرك حاكم، ج٣، ص ٢٥٢، رقم: ٥٠٠٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تمنا ہے کہ یہ گھر ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور سالم مولی ابی حذیفہ جیسے لوگوں سے بھرا ہو تو میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کی مدد لوں۔

تو اس واقع میں جہاں ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر کی بلندی، ان کے شوق اور جذبے اور مردانگی کی صفات کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب اس دور میں رجال کی اس قدر ضرورت تھی تو آج اس دور میں کہ جہاں کوئی ایک بھی ایسا مرد نظر نہیں آتا کتنی اشد ضرورت ہوسکتی ہے۔

یہ تو تھیں قرآن و حدیث کی روشنی میں مردانگی کی چند صفات، جبکہ اس کے برعکس مردانگی سے مراد جنس مرد سمجھا جاتا ہے، اور بالخصوص وہ لوگ جنہوں نے جسموں کو خوب بنا سنوار رکھا ہوتا ہے۔ سینہ تنا ہوا اور مسلز پھولے ہوئے ہوتے ہیں، ہر قسم کی دینی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں، جو روشن خیال اور وسیع الظرف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

غور کریں تو حقیقت یہ ہے کہ آج قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے جواں مرد کہیں نظر نہیں آتے۔

سوال یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ آج امت مسلمہ نے مردم خیزی کا کام بند کر دیا ہے، مسلمان مائیں ایماندار، بہادر، باوفا، باکردار غیرت مند، سرفروش، اور جاں نثار، دین کی محبت سے سرشار اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے جوانمرد پیدا کرنے میں بانجھ ہوچکی ہیں۔

جی ہاں مردم خیزی کا کام صرف اور صرف عورت کی ذمہ داری ہے اور صرف اور صرف وہی یہ کام کرسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس کام کے لیے خصوصی خوبیاں اور صلاحیتیں بخشی ہیں۔

اس کی ایک چھوٹی سی مثال ملاحظہ کیجیے، بچے کی تربیت کے لیے جس صبر وتحمل اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برداشت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مرد میں موجود ہی نہیں ہے۔

مثلاً: بچوں کی شور شرابہ کرنے، ہلا گلا، ، اچھل کود، رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے کی جو فطری عادت ہوتی ہے، اسے برداشت کرنے کی صلاحیت صرف عورت میں ہوتی ہے، مرد میں وہ خوبی اور صلاحیت نہیں ہوتی۔

مرد بچے کی پرورش نہیں کرسکتا، کیونکہ اس میں وہ قوتِ برداشت نہیں ہے۔ مثلاً آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے، دیکھتا ہے کہ بچہ رو رہا ہے، تنگ کر رہا ہے، ضد کر رہا اور محض ضد کر رہا ہے، اسے کھانے کو دیں چپ نہیں ہوتا، پینے کو دیں چپ نہیں ہوتا، اسے گود میں اٹھائیں چپ نہیں ہوتا، آدمی کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا، بالآخر تنگ آکر باہر چلا جاتا ہے یا اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے، اور الٹا حکم کرتا ہے کہ خبردار جو اس کی آواز میرے کانوں تک آئی۔

مگر عورت یہ ساری تکلیف بڑے تحمل سے برداشت کرتی ہے اور بچہ تو بسا اوقات سارا سارا دن اسی طرح تنگ کرتا رہتا ہے۔ اس لیے عورت کے بغیر کوئی شخص یہ ذمہ داری نبھا ہی نہیں سکتا۔ اور عورت اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکی ہے۔ عورت اپنی اس ذمہ داری کو جو کہ مرد کی ذمہ داریوں سے کہیں بڑی ذمہ داری ہے چھوڑ چھاڑ کر مرد کے شانہ بشانہ چلنے کے شوق میں باہر نکل آئی ہے، کاروبار اور سیاست میں آگئی ہے، سٹیجوں پر ناچنے گانے اور نعرے لگانے میں مصروف ہوگئی ہے، مظاہرے کرنے اور ٹاک شوز کرنے سے اسے فرصت نہیں ہے، تو بتلایئے بچوں کی تربیت کون کرے گا اور قرآن وحدیث کے مطلوب رجال کہاں سے آئیں گے۔

تربیت اولاد اسلام کے سب سے اہم اور مضبوط ترین مورچوں میں سے ایک مورچہ ہے، جب وہ مورچہ خالی ہوگا، تو کیا دشمن وہاں سے حملہ آور نہ ہوگا؟ بلکہ دشمن نے پہلے وہ مورچہ خالی کروایا، آزادی نسواں کا جھانسہ دے کر، مردوں سے برابری کا نعرہ دے کر، اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے جھوٹے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر اسے گھر سے نکالا، سیاسی سٹیجوں، نائٹ کلبوں اور اشتہارات کی زینت بنا دیا۔ نتیجتاً آج ہماری نوجوان نسل ناچنے گانے کی رسیا اور فلموں اور کھیلوں کی دیوانہ بن گئی ہے۔ اور کسی ایک طبقے کی بات نہیں مسلم معاشرے کے تمام طبقات میں تباہی مچا دی ہے اور ستیاناس کر دیا ہے۔

آپ اندازہ کریں جو لوگ معاشرے کا پڑھا لکھا، اور ہمدرد اور خیر خواہ طبقہ سمجھا جاتا ہے، اس قدر خود غرض اور بے حس ہو گیا ہے کہ اپنے مطالبات منوانے کے لیے وہ ایسے مظاہرے اور ہڑتالیں کرتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے مریض تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

اور یہی حال دوسرے طبقات کا بھی ہے، ہمارے سیاسی لیڈران کو ہی دیکھ لیجیے، جو قوم کے رہبر و رہنما کہلاتے ہیں، آج پوری مسلم دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا لیڈر نہیں ہے جسے صلاح الدین ایوبی سے کوئی ادنی سی نسبت بھی ہو، وہ جہاں بہادر اور جرأت مند تھے وہ وہاں ولی اللہ بھی تھے۔ مگر آج ہمارے لیڈران کا یہ حال ہے کہ ان پر بیسیوں بدعنوانیوں کے مقدمات قائم ہیں۔ بلکہ بداخلاقیوں اور بدکرداریوں کے نہ صرف مقدمات ہیں بلکہ ان کی بدکاریاں عدالتوں میں ثابت بھی ہو چکی ہیں مگر ہماری قوم اتنی بے حس اور دین بے زار ہو چکی ہے کہ انہیں اصرار ہے کہ ہمیں ایسے ہی لوگ چاہئیں۔ اندازہ کریں، آج مسلمان قوم کی ذہنی، اخلاقی اور دینی پستی کا یہ عالم ہے۔

بچوں کی تربیت انسان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، بالخصوص مسلمان قوم کا، کیونکہ اسلام میں اس تربیت پر ہی سارے دین کی بنیاد ہے، اسے سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

پوری کائنات میں، تمام مخلوقات میں، صرف انسان کا بچپن سب سے لمبا بچپن ہے۔

مرغی کا بچہ ۴۵ دن کے بعد کھانے کے قابل ہو جاتا ہے، جبکہ انسان کا بچپن کم و بیش پندرہ سال پر محیط ہے۔ یعنی تقریباً آدمی کی اوسط عمر کا ایک چوتھائی حصہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور آپ جانتے ہیں کہ عمارت جتنی اونچی بنانی ہو اسی قدر اس کی بنیادیں گہری اور مضبوط بنائی جاتی ہیں۔ اور انسان کو چونکہ دین کی تبلیغ کے لیے تیار کیا جانا ہوتا ہے، جو کہ سب سے بڑا اور سب سے مشکل کام ہے، اس کی مثالوں کی اس وقت گنجائش نہیں۔

یہ تربیت کس قدر اہم ہے، اس واقعے سے اندازہ لگائیں۔ کہتے ہیں کہ فرانسیسی استعماری لشکر جب الجزائر میں داخل ہوئے، تو انہیں وہاں سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا وہ بہت حیران ہوئے، سوچنے لگے کہ کس طرح اس قوم پر قابو پایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک سوشیالوجسٹ، سماجی علوم کے ماہر استاد سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ کیا کریں۔ تو وہ کچھ عرصہ کے لیے غائب ہوگیا، اور اس نے لوگوں میں گھل مل کر جزائری معاشرے کے بارے میں معلومات لیں اور واپس آ کر کہا: کہ آپ کے مسئلے کا سبب عورت ہے جزائری عورت۔ انہوں نے کہا، ہم نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کا سبب عورت ہے یا مرد، بلکہ حل پوچھا ہے۔ تو اس نے کہا: تمہارے مشن کی راہ میں رکاوٹ عورت ہے اس لیے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے دور سے اسلام کی محبت اور اس پر جان نچھاور کر دینا سکھاتی ہے۔ لہٰذا اگر تم غالب آنا چاہتے ہو تو عورت کی سوچ بدل دو اسے گھر سے نکال کر بازاروں اور سٹیجوں پر لے آؤ۔ اسے آزادی نسواں جیسے خوبصورت نعروں سے بیوقوف بناؤ۔ اسے مرد کی برابری کا جھوٹا شعور دلاؤ۔ غرضیکہ عورت کو اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دو اور مرد و عورت میں اختلاف پیدا کر دو۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ دشمنان اسلام اپنے مقاصد میں کافی حد تک کامیاب ہوگئے ہیں۔

ہمیں اگر اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال کرنا ہے، اور ذلت و رسوائی سے نکلنا ہے تو وہی طریقہ اپنانا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پستی اور ذلت و رسوائی سے نکالنے کے لیے تجویز فرمایا، اور وہ یہ تھا کہ بالکل ابتدا سے اس کے لیے کام شروع کیا جائے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَ جَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَ هُمْ وَ يَسْتَحْيِ نِسَآءَ هُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَo وَ نُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَo وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَo وَأَوْحَيْنَآ إِلَى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِo﴾ (القصص: ٤ ـ ٧)

''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ ان میں سے ایک گروہ کو نہایت کمزور کر رہا تھا ان کے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں نہایت کمزور کر دیے گئے ہیں اور ہم انھیں پیشوا بنائیں اور ہم انھیں وارث بنائیں۔ اور زمین میں انھیں اقتدار دیں اور فرعون اور ہامان کو اور ان دونوں کے لشکروں کو ان میں سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلا۔''

معنی یہ کہ پستی اور ذلت ورسوائی کی حالت سے نکلنے کے لیے ہمیں بالکل ابتدا سے اور پورے منصوبے کے ساتھ کام کرنا ہوگا، اور تربیت اور تیاری کے تمام مراحل سے گزرنا ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لوگوں کے عروج وزوال اوران کا حل

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

(الرعد: ۱۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کونہیں بدلتا جب تک وہ اپنے دِلوں کی حالت کو نہ بدل لیں۔‘‘

تاریخ انسانی کی ادنی سی واقفیت رکھنے والا انسان بھی یہ جانتا ہے کہ قوموں کی زندگی میں اتار چڑھاؤ، نشیب وفراز اورعروج وزوال آتے رہتے ہیں، فتح وکامرانی سے ہمکنار اور شکست وریخت سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، خوشحالی سے بدحالی اور بدحالی سے خوشحالی میں حالات بدلتے رہتے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۴۰)

’’اور ہم یہ ایام لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اگرچہ اصل میں تو اہل ایمان کو اُحد کی صورت حال پر تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر آپ کو جنگ احد میں کچھ نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے تو کوئی بات نہیں، جنگ بدر میں تمہارے مخالفین کو بھی تو نقصان اٹھانا پڑا تھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ لوگوں کو زمانے کے نشیب وفراز سے گزارتا رہتا ہے، کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کردیتا ہے، اس میں یقیناً بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں۔

تو جہاں اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو تسلی دی جا رہی ہے وہاں اسے اک عالمگیر حقیقت کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے، ورنہ ایک طرف انبیاء علیہم السلام اوران پر ایمان لانے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

والے ہوں اور دوسری طرف منکرین حق ہوں تو اہل ایمان کو ہر حال میں غالب ہونا چاہیے تھا، مگر تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء علیہم السلام قتل کیے گئے، کچھ کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں سہنا پڑیں۔ اگرچہ انجام کار اہل حق ہی کامیاب قرار پاتے ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تو قوموں کی زندگی میں نشیب وفراز اور عروج وزوال آتے رہتے ہیں، مگر یہ سب کچھ بے سبب نہیں ہوتا، اس کے یقیناً اسباب ہوتے ہیں، اور وہ اسباب قوموں کا طرز عمل، ان کی کرتوتیں ان کے عقائد ونظریات اور اخلاق وکردار ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ٤١)

”خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، ان کے اپنے عملوں اور اپنی کرتوتوں کی وجہ سے۔“

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝﴾ (الشوریٰ: ٣٠)

”تم پر جو بھی مصیبت آئی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے تو وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔“

تو اس اتار چڑھاؤ اور نشیب وفراز کے یقیناً کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑا سبب قوموں کے عروج وزوال کا تقویٰ وپرہیزگاری اور عدل وانصاف یا ظلم وستم رہا ہے۔

اگر طرز عمل اچھا ہو تو عروج، خوشحالی وخوشگوار زندگی اور حیات طیبہ عطا کی جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦)

”اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل: ٩٦)

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجران کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

یہ تو تھا اچھے طرز عمل کا نتیجہ اور انعام۔

لیکن اگر ظلم و ناانصافی ہوگی تو پھر زوال وانحطاط، ذلت ورسوائی، تنگ زندگی اور نعمتوں کے چھن جانے کی صورت میں انجام ہوگا، جیسا کہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الانفال: ٥٣)

"اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔"

یعنی جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح ان نعمتوں کے لیے نا اہل اور غیر مستحق نہیں بنا دیتی، اللہ تعالیٰ ان سے وہ نعمت سلب نہیں کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ کے یہ قوانین قوموں کے عروج وزوال کے حوالے سے ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جزاء اور سزا کے قانون کی تو بہت تفصیل ہے جو کہ ساری تو اس وقت بیان نہیں ہوسکتی، البتہ مختصر یہ ہے کہ اول تو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے تمام گناہوں کی سزا نہیں دیتے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الفاطر: ٤٥)

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی کرتوں پر پکڑتا تو روئے زمین پر کوئی ایک متنفس بھی نہ چھوڑتا، لیکن وہ انہیں ایک مقررہ وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔''

اور دوسری بات کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو ان کے بعض گناہوں کی سزا دیتا ہے تو اس لیے کہ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''تاکہ شاید کہ وہ باز آ جائیں۔''

اور یوں وہ سزا بھی سراسر رحمت ہوئی، کیونکہ آدمی جب کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس پر اس کی گرفت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے برائی کے راستے کھلتے جاتے ہیں، اور آسان ہوتے جاتے ہیں تو اس کے دل میں توبہ کا خیال تک نہیں گزرتا بلکہ گناہ کے لیے اس کی ہمت اور شوق بڑھتا جاتا ہے، پھر جب تھوڑی سی گرفت ہوتی ہے تو ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ پھر وہ لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ تو اس طرح گرفت کی اور بہت سی حکمتیں ہیں۔

کسی گناہ پر فوراً گرفت ہونے اور سزا ملنے یا مہلت دیے جانے میں کیا کیا حکمتیں ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس گناہ پر فوراً گرفت کرنی ہے اور کیوں کرنی ہے، اور کس گناہ پر مہلت دینی ہے اور کیوں دینی ہے۔ کبھی انسان کے لیے گرفت بہتر ہوتی ہے اور کبھی مہلت، اور کبھی مہلت گرفت کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ ، حَتّٰى اِذَا اَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ .))[1]

''اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر اسے بھاگنے نہیں دیتا۔''

اسی طرح فوری گرفت ہے، فوری گرفت کا ایک مطلب تو ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے

[1] بخاري : ٤٦٨٦ ، مسلم : ٢٥٨٣ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوراً بعد، یا گناہ کرتے وقت پکڑے جانا، اور ایک فوری گرفت کا مطلب ہے کہ آخرت سے پہلے پہلے اس دنیا میں گرفت کرنا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا .))

''اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے اس دنیا میں ہی جلدی سزا دے دیتے ہیں۔''

((وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) ❶

''اور جب کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے (جو کہ یقیناً اس کی بداعمالیوں کے نتیجے میں ہوتا ہے) تو اس کے گناہ کو سزا سے روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز پھر پورا پورا حساب ہوتا ہے۔''

تاہم مسلمان کو پہنچنے والی تکلیفیں ہمیشہ سزائیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ کبھی کفارۂ سیئات اور رفعِ درجات کے لیے بھی ہوتی ہیں، بالخصوص کسی نیک آدمی کے لیے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الصَّالِحِيْنَ يُشَدَّدُ عَلَيْهِمْ .))

''نیک لوگوں پر زیادہ سختیاں آتی ہیں۔''

((وَاِنَّهُ لَا يُصِيْبُ مُؤْمِنًا نَكْبَةٌ مِنْ شَوْكَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ اِلَّا حُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ وَرُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ .)) ❷

''یقیناً کسی مسلمان کو کسی کانٹے کی جو تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے یا اس سے زیادہ تو اس سے اس کا ایک گناہ مٹتا ہے اور اس سے اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔''

❶ ترمذی: ۲۳۹۶. ❷ الجامع الصغير: ۲۰۳۳.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ، ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِي جَسَدِهٖ اَوْ فِي مَالِهٖ ، اَوْ فِي وَلَدِهٖ ، ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى .)) [1]

''جب بندے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی (بلند) مقام متعین ہوتا ہے اور وہ اپنے عملوں سے وہاں تک نہیں پہنچ پاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں، اس کے مال میں یا اس کی اولاد میں اس پر کوئی آزمائش اور مصیبت ڈال دیتا ہے اور پھر اس پر اسے صبر کرنے کی توفیق دیتا ہے، حتیٰ کہ اسے اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جو اس کا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہوتا ہے۔''

تو بات ہو رہی تھی فوری گرفت اور مہلت اور ڈھیل کی کہ کبھی گناہ پر فوری گرفت انسان کے لیے بہتر ہوتی ہے اور کبھی مہلت۔ مگر صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کیا کس کے لیے بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک چڑیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے نبی! بتائیں کہ اللہ تعالیٰ فوراً گرفت کرتے ہیں یا ڈھیل اور مہلت دیتے ہیں؟

تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے اللہ! اس کو کیا جواب دوں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو کہہ دو کہ میں فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہوں۔

چڑیا نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ Bar B.Q کر رہے ہیں، ان کے پاس گوشت پڑا ہوا ہے تو وہ وہاں سے ایک ٹکڑا لے اڑی، مگر اس کی نظر نہ پڑی اس چنگاری پر جو اس سے چپک گئی تھی، اس نے گوشت کا وہ ٹکڑا جا کے گھونسلے میں رکھا، جس سے گھونسلہ بھی جل گیا اور بچے بھی مر گئے۔ وہ واپس سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا کہ آپ نے تو بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ

[1] سنن ابوداود: ۳۰۹۰.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مہلت سے کام لیتے ہیں، مگر یہاں تو فوراً ہی گرفت ہوگئی، تو جواب آیا کہ فوراً گرفت نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک پرانا حساب تھا۔

تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا جزاء وسزا کا نظام بڑا ہی نرالا اور انوکھا ہے، عدل وانصاف پر مبنی ہے اور اس میں رحمت کا پہلو غالب ہے۔ لیکن جب کوئی قوم حد سے گزر جاتی ہے، ظلم وستم کی انتہاء کر دیتی ہے، بداخلاقیوں اور بدکرداریوں میں ایک مثال بن جاتی ہے، تکبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر اس کا سرے سے قلع قمع کر دیا جاتا ہے، اسے نیست ونابود کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بہت سی قوموں کے ساتھ ہوا، قرآن پاک میں اس کا جابجا ذکر ملتا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ (الاسراء: ١٧)

”اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو نوح علیہ السلام کے بعد سے ہم تباہ و برباد اور ہلاک کر چکے ہیں، تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (التوبة: ٧٠)

”کیا انہیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں، قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل مؤتفکات کی، ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں اور کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس ایک آیت کریمہ میں چھ قوموں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے، پھر ان کا ذکر دوسری آیات میں مستقل اور ذرا تفصیل سے بھی کیا گیا ہے۔

قوم نوح طوفان میں غرق کر دی گئی، قوم عاد قوت و طاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود بادِ تند سے ہلاک کر دی گئی، قوم ثمود جسے آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا، قوم ابراہیم جس کے بادشاہ نمرود کو مچھر سے مروایا گیا، اصحاب مدین، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم جنہیں چیخ، زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اہل موتفکات کہ جن سے مراد قوم لوط ہے ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے اور دوسرے ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا، جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہوگئی۔

اسی طرح سابقہ بہت سی قوموں کو ان کے تکبر وغرور اور ان کی حد سے تجاوز کر جانے والی من حیث القوم بداعمالیوں کے سبب تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا گیا۔

دنیا میں بڑی بڑی زبردست قومیں آئیں، اور بڑی بڑی طاقتور حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں، مگر آج اُن کا نام ونشان تک نہیں ہے، البتہ ان کے کھنڈرات عبرت کا نشان ضرور بنے ہوئے ہیں وہ کیسی کیسی زبردست قومیں تھیں؟ وہ ایسی ایسی زبردست قومیں تھیں کہ ان کے اپنے اپنے دور میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ o الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ o﴾

(الفجر: ۷۔۸)

’’وہ ارم کہ جن کے مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔‘‘

﴿وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِیْ o﴾ (الفجر: ۹)

’’اور ثمود کہ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔‘‘

﴿وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ o﴾ (الفجر: ۱۰)

’’اور فرعون میخوں والے۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِo فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَo﴾

(الفجر: ۱۱ ـ ۱۲)

''جنہوں نے دنیا میں بڑی سرکشی کر رکھی تھی، اور بہت فساد پھیلا رکھا تھا۔''

﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍo﴾ (الفجر: ۱۳)

''آخر کار تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔''

تو وہ ایسی ایسی زبردست اور طاقت ور قومیں کہ وہ جسمانی لحاظ سے، کوئی افرادی قوت و طاقت کے لحاظ سے اور علوم وفنون کے لحاظ سے اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

وہ کیوں تباہ و برباد ہوگئیں؟ وہ معاشی عدم استحکام اور اقتصادی کمزوریوں کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوئیں بلکہ اپنی بدکرداریوں اور بداعمالیوں کے سبب نیست و نابود ہوگئیں۔ (البتہ بعض قوموں کو قحط سالی کے عذاب سے ضرور ہلاک کیا گیا ہے)

آج ہمارے لیڈران ووٹ مانگنے کے لیے قوم کے پاس کیا ایجنڈا لے کر جاتے ہیں، ہم سڑکوں کا جال بچھا دیں گے، ہم درخت لگا دیں گے، ہم اقتصادی حالت بہتر بنا دیں گے۔

کوئی نہیں کہتا کہ ہم ملک سے بے حیائی ختم کر دیں گے، ہم میڈیا پر پھیلائی جانے والی فحاشی ختم کر دیں گے، ہم ملک کو صحیح اسلامی سلطنت بنا دیں گے۔

ہم نے سابقہ قوموں کی تباہی و بربادی سے کیا سبق سیکھا؟ کچھ بھی نہیں۔ ہم معاذ اللہ اسلام کو تو مسائل کا حل سمجھتے ہی نہیں ہم کامیابی کے لیے قرآن پاک کے مقرر کردہ اصولوں کو تو درخور اعتنا سمجھتے ہی نہیں۔ کامیاب قوم بننے کے لیے ہم نمونہ امریکا اور یورپ کو سمجھتے ہیں۔

گزشتہ قومیں جن بداعمالیوں کے سبب تباہ و برباد ہوئیں آج وہ اس دور کے لوگوں میں تقریباً ہو بہو پائی جاتی ہیں بلکہ بعض بداعمالیوں میں شاید ان سے بھی آ گے ہوں۔

لیکن اس امت پر عذاب نہیں آتا، اس لیے کہ اس امت کو، امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کو ایک استثناء حاصل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فرأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا .))

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

((وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِی مِنْھَا .))

اور جہاں تک میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی ہے وہاں تک میری امت کی حکومت پہنچے گی

((وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ .))

اور مجھے سرخ اور سفید دونوں خزانے دیے گئے ہیں۔

((وَاِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَا یُھْلِکَھَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ .))

اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ وہ اسے عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔

وَاَنْ لَا یُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَی اَنْفُسِھِمْ .))

اوران کے علاوہ ان پر کوئی دشمن مسلط نہ کرے۔

((فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ))

جو مجموعی طور پر ان سب کی جانوں کو روا کر لے۔

((وَاِنَّ رَبِّیْ قَالَ: یَا مُحَمَّدُ! اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ .))

اور یقیناً میرے رب نے فرمایا: اے محمد! بلاشبہ جب میں کسی کام کا فیصلہ کرلوں تو وہ رد نہیں ہوتا۔

((وَاِنِّیْ اَعْطَیْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَا اُھْلِکَھُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ .))

اور بے شک میں نے آپ کی امت کے لیے یہ بات آپ کو عطا کردی کہ میں انھیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((وَاَنْ لا اُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى اَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا .))

اوران پران کے علاوہ سے کسی اور دشمن کو مسلط نہ کروں گا جو ان سب کی جانوں کو جائز قرار دے لے، اگرچہ ان کے خلاف ان کے اطراف والے جمع ہوجائیں۔

((حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا .)) [1]

''یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔''

یعنی نیست و نابود نہیں ہوں گے، البتہ جزوی عذاب آتے رہیں گے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

[1] صحیح مسلم: ٢٨٨٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوقِ جنت فطرتِ انسانی ہے

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (آل عمران : ١٣٣)

گزشتہ خطبہ جمعہ میں جنت کا ذکر ہو رہا تھا، اور جنت کا ذکر، جنت کی خواہش اور جنت کا تصور اور خیال انسان کی فطرت اور سرشت، اس کے مزاج، اس کی طبیعت، اس کے خمیر اور اس کے تحت الشعور میں موجود ہے، لہٰذا اس کے ذکر کی کوئی خاص مناسبت اور سبب نہ بھی ہو تو اس کی غیر شعوری خواہش، چاہت اور طلب راکھ کے ڈھیر میں اک دبی ہوئی چنگاری کی طرح موجود ہوتی ہے، جب اسے ذرا سی ہوا اور پھونک دی جائے تو وہ بھڑک کر شعلۂ جوّالا بن جاتی ہے۔

کچھ اسی طرح جنت کا شوق ہے جو کہ انسان کے خمیر میں پوشیدہ ہے، جب اس کا ذکر چھڑتا ہے تو اس کی طلب میں تازگی اور نشاط پیدا ہو جاتی ہے۔ جنت کے ذکر سے اس کے شوق اور اس کی طلب و جستجو میں اضافے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ جنت کا وجود اور اس کی طلب اور خواہش ہر مسلمان کے عقیدہ و ایمان کا حصہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت انسان کا مسکن اول رہا ہے۔ ہم ان جسموں کے ساتھ تو اگرچہ وہاں موجود نہ تھے مگر ہماری روحیں وہاں ضرور موجود رہی ہیں۔

اور جب کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے تو اس کی روح پھر جنت میں چلی جاتی ہے، جسم اس کا دنیا میں ہی ہوتا ہے، قبر میں، سمندر میں یا جہاں کہیں بھی ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يُرْجِعَهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ .)) [1]

"فرمایا: مومن کی روح مرنے کے بعد جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے، حتیٰ کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائیں گے تو پھر ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دی جائیں گی۔"

جنت میں اہل ایمان کی روحیں درجات کے تفاوت کے حساب سے ہوں گی، کچھ اعلیٰ علیین میں ہوں گی جیسے انبیاء علیہم السلام کی روحیں ہیں، کچھ سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں، کھاتی پیتی اور جنت کے نظارے کرتی ہیں جیسے شہداء کی روحیں ہیں، اسی طرح سب اپنے اپنے درجات کے حساب سے ہوں گی۔

جنت میں اپنے جسم کے ساتھ آدم علیہ السلام رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی سیر کی ہے اور اس طرح عیسیٰ علیہ السلام ہیں مگر ان کا معاملہ ذرا دوسرا ہے، ان کی تو تخلیق بھی آدم علیہ السلام کی طرح دوسروں سے مختلف ہے۔

تو ان جسموں کے ساتھ اگرچہ ہم وہاں موجود نہ تھے مگر ہماری روحیں وہاں ضرور موجود رہی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکال کر خود ان کو ان کے اوپر گواہ بنا کر پوچھا تھا کہ:

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"

﴿قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾ (الاعراف: ۱۷۲)

"تو سب نے کہا: ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔"

آج وہ عہدِ اَلَست تو اگرچہ کسی کو یاد نہیں مگر فطرتِ سلیمہ اس کی مقر و معترف ہے، اسی طرح وہاں وہ قیام بھی اگرچہ ہمیں یاد نہیں مگر اس کا اُنس اب بھی فطرت محسوس کرتی ہے۔ اور

[1] مسند احمد: ۱۵۷۷۶۱ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بات بھی انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اپنی پہلی منزل کو ہرگز نہیں بھول پاتا، اس کی رغبت اور اس کا شوق اور اس کی چاہت ہمیشہ دل میں رہتی ہے، جیسا کہ شاعر ابوتمام کہتا ہے:

وَكَـمْ مَـنْـزِلٍ فِـي الْأَرْضِ يَأْلَفُهُ الْفَتى

وَحَـنِـيْـنُـــهُ اَبَـــدًا لِأَوَّلِ مَـــنْـــزِلِ

''انسان دنیا میں کتنی ہی مختلف جگہوں سے مانوس و مالوف ہوتا ہے مگر منزلِ اول کی طرف اس کا اشتیاق بدستور قائم رہتا ہے۔''

انسان زندگی میں ضرورت کے تحت، مجبوری کے باعث یا ازراہ شوق اپنا مسکن بدلتا رہتا ہے، مگر اپنے آبائی گھر، یا وہ گھر جہاں اس کا بچپن گزرا ہو، جہاں اس کی یادیں وابستہ ہوں اسے ہمیشہ یاد رہتا ہے، اور دل میں اس کی یاد اور اس کے انس اور الفت کی اک لذت ضرور پاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے وطن اور گھر کی محبت انسان کی شدید فطری محبت ہے اور اس میں یقیناً حکمتیں پوشیدہ ہیں، اگر اپنے علاقے اور وطن کی محبت نہ ہوتی تو صحرائی اور پہاڑی علاقے، سخت گرم اور سخت ٹھنڈے علاقے شاید آباد نہ ہوتے۔

وطن کی محبت کی گہرائی پر غور کیجیے کہ لوگ کیسے صحراؤں میں سانپوں، بھیڑیوں اور درندوں کے ساتھ رہنا گوارا کر لیتے ہیں مگر اپنا علاقہ نہیں چھوڑتے، اسی طرح پہاڑوں اور وادیوں میں رہنے والے لوگ وہاں کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کر لیتے ہیں مگر اپنا وطن چھوڑنا انہیں گوارا نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وَلَوْلَا حُبُّ الْوَطَنِ لَخَرِبَ الْبَلَدُ السُّوْءُ .'' [1]

''اور اگر وطن کی محبت نہ ہوتی تو برے شہر ویران ہو جاتے۔''

اور فرمایا:

---

[1] المحاسن والمساوئ للبیهقي، ص: ٢٨٦ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عَمَّرَ اللّٰهُ الْبُلْدَانَ بِحُبِّ الْأَوْطَانْ." ❶

"اللہ تعالیٰ نے وطنوں کی محبت سے شہروں اور علاقوں کو آباد کیا۔"

اور وطن کی محبت انسان کے دل میں کتنی گہری ہوتی ہے، قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (النسآء: ٦٦)

"اور اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کردو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی آدمی اس پر عمل کرتے۔"

﴿وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا﴾ (البقرة: ٢٤٦)

"بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں، ہمیں تو اپنے گھروں سے نکال دیا گیا، اور بچوں سے دور کردیا گیا۔"

آپ جانتے ہیں کہ اپنے آپ کو قتل کرنا کتنا مشکل کام ہے، دشمن سے لڑتے ہوئے قتل ہو جانا اک دوسری بات ہے، مگر اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا یا قتل کے لیے اپنے آپ کو پیش کردینا یقیناً ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں اپنے آپ کو قتل کرنے اور اپنے گھروں سے نکل جانے کو ایک جیسا شدید نوعیت کا عمل قرار دے رہے ہیں۔

آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہجرت کرتے ہوئے گھروں کو چھوڑنا کتنا تکلیف دہ تھا، سیرت کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے، جس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔

تو جنت جو کہ ہمارے ماں باپ کا اور ہماری روحوں کا مسکن اول اور منزل اول رہا ہے

❶ ربيع الابرار للزمخشری، ج١، ص ٢٨٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا شوق دل میں ہونا ایک طبعی اور فطری بات ہے۔ اور اس کا ذکر اس شوق میں اضافے کا سبب بنتا ہے، لہٰذا ہم جنت کی نعمتوں کا، اور اہل جنت کی صفات کا کچھ ذکر کرنا چاہیں گے، مگر اس سے پہلے جنت کے شوق کے حوالے سے اک اور حدیث سنتے ہیں کہ اہل ایمان کس طرح جنت کا شوق دل میں رکھتے ہیں۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَتَتَبَّعُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ .))❶

''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتوں کا موبائل سکواڈ ہے ایک گشت کرنے والا دستہ ہے، جس کا کام صرف مجالس ذکر میں شامل ہونا ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

((فُضُلًا عَنْ كُتَّابِ النَّاسِ .))

وہ دستہ لوگوں کے اعمال لکھنے والے کراماً کاتبین کے علاوہ ہے، ان کا کام صرف ذکر کی محفلوں میں حاضر ہونا ہے۔

((فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ .))❷

''جب وہ کوئی ایسی مجلس دیکھتے ہیں کہ جس میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو ان کے ساتھ وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں

یہاں ذکر سے مراد دین کی باتیں ہیں۔ قرآن وحدیث کا درس ہے، وعظ ونصیحت کا ماحول ہے، قرآن وحدیث کی تعلیم ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحيح مسلم: ٢٦٨٩ .

❷ مسند احمد: ج٢، ص ٢٥١، رقم: ٧٤١٨ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ.)) ❶

''کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر پڑھتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ رحمت ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں اپنے پروں میں گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((خَرَجَ مُعَاوِیَةُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ رضی اللہ عنہما عَلَی حَلْقَةٍ فِی الْمَسْجِدِ، فَقَالَ مَا أَجْلَسَکُمْ؟ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰهَ.

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مسجد میں بیٹھی ہوئی ایک مجلس میں گئے، اور دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔''

((قَالَ: آللّٰهِ مَا أَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذَاكَ؟))

''فرمایا: کیا اللہ کی قسم تم لوگ صرف اس لیے بیٹھے ہوئے ہو۔''

((قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا اِلَّا ذَاكَ.))

''انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے سوا ہمیں کسی چیز نے نہیں بٹھایا۔'' یعنی صرف اسی کام کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں

((قَالَ: اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُهْمَةً لَکُمْ.))

''کہا: میں نے تمہیں کسی الزام کی وجہ سے تم سے قسم نہیں لی۔''

❶ مسلم: ٢٦٩٩.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَمَا كَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا .)) [1]

''اور آپ ﷺ سے قربت کے حوالے سے میرے جیسا کوئی کم حدیثیں روایت کرنے والا بھی نہیں ہے۔''

یعنی آپ ﷺ سے جو میری اتنی قربت ہے مگر اس کے باوجود میں نے سب سے کم حدیثیں روایت کی ہیں، مگر اس کے باوجود ایک حدیث آپ کو سناتا ہوں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ سے قربت یوں ہے کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، اور اس نسبت سے وہ خال المومنین کے نام سے مشہور ہیں۔

یعنی مومنوں کے ماموں، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی رشتہ ہے مگر اس نام سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی زیادہ مشہور ہیں۔

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ .))

''ایک بار آپ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک مجلس میں تشریف لے گئے۔''

((فَقَالَ: مَا أَجْلَسَكُمْ؟))

آپ نے فرمایا: ''تم لوگ کیسے بیٹھے ہو؟''

((قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا .))

صحابہ نہ کہا: ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعریف کر رہے ہیں اس پر کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور اس کے ساتھ ہم پر احسان فرمایا۔

((قَالَ: آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَاكَ))

---

[1] مسلم: ٢٧٠١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: کیا اللہ کی قسم! صرف اسی چیز نے تمھیں بٹھایا ہے؟

((قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا اِلَّا ذَاكَ))

صحابہ نہ کہا: اللہ کی قسم! ہمیں اسی چیز نے یہاں بٹھایا ہے۔

((قَالَ: اَمَا اِنِّی لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ .))

آپ نے فرمایا: میں نے تمھیں کسی الزام کی وجہ سے تم سے قسم نہیں لی۔

((وَلٰكِنَّهُ اَتَانِی جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِی اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِی بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ .)) [1]

لیکن میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ عزوجل فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے۔

تو مجالس ذکر کا معنیٰ احادیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس سے مراد وعظ ونصیحت، درس وتدریس اور دین کی باتیں کرنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے گشت کرنے والے فرشتوں کا دستہ مجالسِ ذکر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، اور جہاں کہیں وہ کوئی ایسی مجلس دیکھتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔

((وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَئُوْا مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا .))

''اور وہ فرشتے ایک دوسرے کے پروں کے ساتھ اس مجلس کے گرد ایسا حصار بنا لیتے ہیں کہ ان کی مجلس سے آسمان دنیا تک تمام جگہ بھر دیتے ہیں۔

((فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى السَّمَاءِ .))

''پھر جب مجلس برخاست ہوجاتی ہے اور لوگ منتشر ہو جاتے ہیں، تو فرشتے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔''

---

[1] مسلم : ۲۷۰۱ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَيَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ .))

''تب اللہ عزوجل ان سے پوچھتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بہتر جانتے ہیں۔''

((مِنْ اَيْنَ جِئْتُمْ؟))

''تم کہاں سے آئے ہو؟''

((فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَكَ فِي الْاَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيَسْاَلُوْنَكَ .))

''تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم زمین پر تیرے ایسے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تکبیر بیان کرتے ہیں تیری تہلیل بیان کرتے ہیں (لا إلٰه إلا اللّٰه) کہتے ہیں، تیری حمد بیان کرتے ہیں اور تجھ سے سوال کرتے ہیں دعا مانگتے ہیں۔''

((قَالَ: وَمَاذَا يَسْأَلُوْنِي؟))

''اللہ فرماتے ہیں: وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟''

((قَالُوْا: يَسْأَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ .))

''تو فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کرتے ہیں۔''

تو اللہ فرماتے ہیں:

((وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِي .))

''اور کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟''

((قَالُوْا: لَا اَيْ رَبِّ .))

''وہ کہتے ہیں نہیں! اے ہمارے رب۔''

((قَالَ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِي!))

''تو اللہ فرماتے ہیں اور اگر وہ میری جنت دیکھ لیتے تو کیا ہوتا!''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ .))

''فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تیری پناہ بھی مانگتے ہیں۔''

((قَالَ وَمِمَّ يَسْتَجِيْرُوْنَنِيْ .))

اللہ فرماتے ہیں کس چیز سے وہ میری پناہ مانگتے ہیں؟''

((قَالُوْا مِنْ نَارِكَ يَا رَبِّ .))

''فرشتے کہتے ہیں: تیری آگ سے اے ہمارے رب۔''

((قَالَ: وَهَلْ رَأَوْا نَارِيْ؟))

''اللہ فرماتے ہیں: اور کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے؟''

((قَالُوْا: لَا .))

''کہتے ہیں نہیں۔''

((قَالَ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِيْ!))

''تو اللہ فرماتے ہیں اور اگر وہ میری آگ دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔'' یعنی اس سے زیادہ شدت سے پناہ مانگتے۔

((قَالُوْا: وَيَسْتَغْفِرُوْنَكَ .))

فرشتے کہتے ہیں: اور وہ تجھ سے بخشش اور مغفرت بھی طلب کرتے ہیں۔''

((قَالَ: فَيَقُوْلُ: قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ .))

''فرمایا: اللہ فرماتے ہیں: میں نے ان کو بخش دیا۔''

((فَأَعْطَيْتُهُمْ مَا سَأَلُوْا وَاَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا .))

''اور جو انہوں نے مانگا میں نے انہیں عطا کیا اور جس سے میری پناہ مانگی، میں نے انہیں پناہ دے دی۔''

((قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”فرمایا: تب فرشتے کہتے ہیں۔“

((رَبِّ فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ .))

”فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ان میں ایک ایسا بندہ بھی ہے جو بہت زیادہ گناہ گار ہے وہ تو گزر رہا تھا تو ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔“

((قَالَ: فَيَقُوْلُ:))

”آپ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ فرماتے ہیں:“

((وَلَهُ غَفَرْتُ .))

”میں نے اس کو بھی بخش دیا ہے۔“

((هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ .)) ❶

”وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بدنصیب اور بدبخت نہیں رہتا۔“ اللهم اجعلنا منهم . آمين

تو جنت کے شوق کی بات ہو رہی تھی کہ اہل ایمان یوں جنت کا شوق، اس کی خواہش اور طلب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔

بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا:

((إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ .))

جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو۔

((فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ .)) ❷

کیوں کہ وہ جنت کا درمیان اور جنت کا اعلیٰ مقام ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

---

❶ مسلم: ٢٦٨٩ . ❷ بخاری: ٧٤٢٣، ٢٧٩٠ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو جنت ہر مسلمان کی خواہش، اوراس کی تمنا اور آرزو ہے، اوراس کی آخری منزل ہے، اوراس کی طلب وجستجو اللہ کا حکم ہے۔مگر کچھ لوگ جنت اور جہنم کے بارے میں بڑا عجیب اور گمراہ کن عقیدہ رکھتے ہیں۔جیسا کہ رابعہ بصریہ سے منسوب ایک قول ذکر کیا جاتا ہے کہ رابعہ بصریہ (رحمہا اللہ) نے کہا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں آگ ہو اور دوسرے میں پانی تو میں آگ سے جنت کو جلا دوں اور پانی سے جہنم کی آگ کو بجھا دوں۔تا کہ لوگ جنت کے لالچ سے اور جہنم کے ڈر سے اللہ کی عبادت نہ کریں۔ بلکہ اللہ کی محبت کے جذبے سے کریں، اور یہ عقیدہ سراسر قرآن وحدیث کا انکار ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث پر عمل کرنے والا پکا اور سچا مسلمان بنائے۔آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنت کا ثبوت اور اس کی وسعت

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

گزشتہ خطبات میں ہم نے جنت کے بارے میں جانا کہ جنت کی خواہش انسان کی فطری خواہش ہے، اور تمام ادیان و مذاہب اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں سوائے ملحدین وعقل پرستوں کے۔

عقل پرست لوگ جو صرف اُس چیز کو تسلیم کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں جو عقل پر پوری اترتی ہو، اسی طرح ملحدین بھی کسی ایسی چیز کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں جو ان کی عقل کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو، بلکہ وہ تو عقل پرستوں سے بھی ایک ہاتھ آ گے ہیں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک یہ کائنات خود بخود معرض وجود میں آئی ہے اس کا کوئی خالق و مالک نہیں ہے، چنانچہ وہ جنت، جہنم، حشر نشر، پل صراط، جن اور فرشتے اور دیگر تمام غیر مرئی چیزوں کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں، بلکہ وہ ان سب کی بنیاد: مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے عقیدے کا ہی انکار کر دیتے ہیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، کہ جب انسان زندہ ہی نہیں ہوگا تو ان چیزوں کے وجود کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوگا۔

اور قرآن پاک میں منکرین کے اس عقلی اعتراض کو جا بجا ذکر کیا گیا ہے:

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ (ق: ۳)

''ان کا کہنا ہے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟)) یہ واپسی تو عقل سے بعید ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح دیگر متعدد آیات ہیں۔

تو منکرین وملحدین کا عقیدۂ آخرت سے انکار تو سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہیں، اس لیے کسی چیز کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس ان مدعیان اسلام پر ہے جو مغرب زدہ ذہنیت کے حامل ہیں اور سائنسی ترقی سے مرعوب ومسحور ہو کر جدت پسندی اور روشن خیالی کے نام سے اسلام کے ان عقائد کا نہ صرف یہ کہ انکار کرتے ہیں بلکہ استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔

بعض دین بے زار اور ملحد قسم کے ادباء وشعراء جنت کا کچھ اس طرح نقشہ پیش کرتے ہیں گویا وہ کوئی عشرت کدہ ہے کہ جس میں داخل ہوتے ہی لوگ تقویٰ و پرہیزگاری کا لبادہ اتار پھینکیں گے اور وہاں شراب کے جام چلیں گے، پہلوؤں میں حوریں ہوں گی، موسیقی کی محفلیں ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

مگر جنت پاکیزہ لوگوں کا پاکیزہ ماحول والا پاکیزہ مقام ہے۔

﴿إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ٥ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ٥﴾

(الواقعة: ٢٦ ـ ٢٧)

وہ وہاں کوئی بے ہودہ اور گناہ کی بات نہ سنیں گے، جو بات بھی ہوگی درست اور سلامت ہوگی۔ کوئی یاوہ گوئی، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ اور طنز وتمسخر نہ ہوگا بلکہ ہر بات درست، سلیقے کے مطابق اور سلامتی والی ہوگی۔

جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے استقبال کرتے ہوئے "سلام علیکم" کہہ رہے ہوں گے:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ٥﴾ (الزمر: ٧٣)

"سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے۔"

اور وہ کہیں گے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ (الزمر: ۷۴)

”اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے ساتھ کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا، اور ہم کو زمین کا وارث بنایا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں، پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔“

اہل جنت وہاں ہر سانس کے ساتھ تسبیح وتحمید کریں گے، سبحان اللہ اور الحمد للہ کہیں گے، اور آپس میں گفتگو کے اختتام پر: الحمد للہ رب العالمین کہیں گے، اور حوریں وہاں نہایت شرم و حیا والی اور باپردہ ہوں گی۔ تو جنت کا ماحول نہایت ہی پاکیزہ ہوگا۔

تاہم جنت کا وجود قرآن وحدیث کے واضح اور بکثرت دلائل کی روشنی میں ثابت شدہ ہے اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ مگر جنت کے وجود کے عقلی دلائل سے قطع نظر ہم صرف قرآن وحدیث کے دلائل کے حوالے سے بات کریں گے کیونکہ ہمارے مخاطب اہل ایمان ہیں اور جنت کے وجود پر ایمان، اس کے حق ہونے پر ایمان، ایمان بالغیب میں شامل ہے دین کا حصہ ہے۔ اور جنت کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے ایمان بالغیب کی ضرورت ہے اگر کسی کو جنت کے وجود کو تسلیم کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو تو وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔

جنت کے وجود کے قرآن وحدیث کے بہت سے دلائل میں سے صرف دو ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیات میں جنت کے حصول کے لیے جلدی کرنے اور اس کی طرف سبقت لے جانے کی ترغیب دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (ال عمران: ۱۳۳)

”اور دوڑ کر چلو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف کہ جس کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (الحديد : ٢١)

''دوڑو، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو، اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف کہ جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے، اور جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔''

اسی طرح جنت کے بارے میں بہت سی احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ.

اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ .))[1]

[1] بخاري : ١١٢٠ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تو دعائے استفتاح میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے جنت اور جہنم کے حق ہونے کا ذکر بھی فرماتے۔ بلکہ ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَابْنُ أَمَتِهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِنْهُ، وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ، اَدْخَلَهُ اللّٰهُ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ، اَلثَّمَانِيَةِ شَاءَ)) [1]

جو شخص یہ دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے چاہے داخل کر دے۔

یعنی جنت کے حق ہونے کا اقرار ایمان بالغیب کا حصہ بھی ہے اور اس اقرار وتسلیم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وانعام بھی ہے۔

جنت کا ذکر قرآن وحدیث میں بہت تفصیل سے ہوا ہے، جو ایک دو خطبوں میں بیان نہیں ہوسکتا، تاہم نہایت اختصار کے ساتھ جنت اور اہل جنت کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔

سب سے پہلے جنت کی وسعت اور کشادگی کے بارے میں جانتے ہیں، قرآن پاک میں جنت کے عرض کا ذکر کیا گیا ہے، طول کا نہیں یعنی جنت کی صرف چوڑائی کا ذکر ہے، لمبائی کا نہیں۔ اور جنت کی چوڑائی کیا بیان کی گئی ہے؟ فرمایا: عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اس کی چوڑائی زمینوں اور آسمانوں کے برابر ہے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ سات زمینیں اور سات آسمان ہیں اب زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے جائیں، ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر جتنی لمبائی بنتی ہے، اتنی جنت کی صرف جوڑائی ہے، اور قرآن پاک نے صرف چوڑائی کا ذکر کیا ہے، لمبائی کا نہیں، جس کا مطلب ہے کہ لمبائی یقیناً چوڑائی سے زیادہ ہے، مگر

[1] مسلم: ۲۸.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتنی زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مگر یہ بات یقینی ہے کہ جنت کی لمبائی بہت زیادہ ہوگی، اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جنت کے ایک درخت کا سایہ اتنا طویل ہے کہ اک گھڑ سوار سو برس تک مسلسل چلتا رہے تو بھی سایہ ختم نہیں ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِی الْجَنۃِ لَشَجَرَۃً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِی ظِلِّھَا مِائَۃَ سَنَۃٍ .)) ❶

''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں اک گھڑ سوار سو برس تک چلتا رہے گا یعنی تب بھی ختم نہ ہوگا۔''

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

((اَنَّ مَا بَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّۃِ لَکَمَا بَیْنَ مَکَّۃَ وَھَجَرٍ ، أَوْ کَمَا بَیْنَ مَکَّۃَ وَبُصْرَی .)) ❷

''جنت کے دروازے کے دو پاٹوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے، جتنا مکہ اور ہجر یا مکہ اور بُصری کے درمیان ہے (بصری شام کے ایک علاقے کا نام ہے جو مکہ سے تقریباً تیرہ سو کلو میٹر فاصلے پر ہے)۔''

اس حدیث میں مکہ مکرمہ سے دو مقامات کے درمیان کی مسافت کے تقابل کے حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مکہ سے ہجر جو کہ بحرین میں ایک مقام کا نام ہے، اور بصری جو کہ سوریا (شام) کے ایک علاقے کا نام ہے۔ مسافت تقریباً ایک جیسی ہے۔ مکہ سے ہجر ۱۲۱۰ کلو میٹر، جبکہ مکہ سے بُصری ۱۲۷۲ کلو میٹر ہے۔ صرف ۶۲ کلو میٹر کا فرق ہے۔

اسی طرح اک دوسری حدیث سے بھی اندازہ کر سکتے ہیں، جس میں جنت کے درجات کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ بخاری : ۳۲۵۲ .

❷ صحیح البخاری: ٤٧١٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((إِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ .))❶

''جنت میں سو درجے ہیں۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ سو درجے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔

((مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ .))

''ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ زمین وآسمان کے برابر ہے۔''

((وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا دَرَجَةً .))

''اس میں سب سے بلند ترین درجہ فردوس ہے۔''

((وَمِنْهَا تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ وَمِنْ فَوْقِهَا یَكُوْنُ الْعَرْشُ ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ .))❷

اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں (سَیْحَان اور جَیْحَان اور نیل اور فرات) اس کے اوپر عرش ہے لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔''

تو جنت کی لمبائی کتنی ہے اس کا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا، مگر اتنا بیان فرما دیا ہے کہ:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا﴾ (الدھر : ۲۰)

''اور جب تم دیکھو گے تو ہر طرف نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بہت بڑی سلطنت ہی تمہیں نظر آئے گی۔''

تو یہ تو بات ہو رہی تھی جنت کی وسعت اور کشادگی کے حوالے سے، اب اگر جنت کی نعمتوں کا ذکر کریں تو وہ بھی یقیناً بے حد وحساب ہوں گی، اور ایسی ہوں گی کہ انسان دیکھتا ہی رہ جائے گا، انسان کی خوشی کی انتہاء نہیں رہے گی۔

---

❶ بخاری : ۲۷۹۰ . ❷ مسلم : ۱۸۸٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ اُتِیَ بِالْمَوْتِ کَالْکَبْشِ الأَمْلَحِ ، فَیُوْقَفُ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَیُذْبَحُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ .))

''قیامت کے روز موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں جنت اور جہنم کے درمیان لا کھڑی کی جائے گی اور اسے ذبح کیا جائے گا جنتی اور جہنمی لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔''

((فَلَوْ اَنَّ اَحَدًا مَاتَ فَرَحًا لَمَاتَ اَهْلُ الْجَنَّةِ .))

''اگر خوشی سے مرنا ممکن ہوتا تو اہل جنت خوشی سے مرجاتے۔''

((وَلَوْ اَنَّ اَحَدًا مَاتَ حَزَنًا لَمَاتَ اَهْلُ النَّارِ .))[1]

''اور اگر غم سے مرنا ممکن ہوتا تو جہنمی غم سے مرجاتے۔''

مگر موت کو چونکہ ذبح کر دیا گیا ہوگا لہٰذا جنتی خوشی سے مریں گے نہیں بلکہ اس خوشی سے لطف اندوز ہوں گے۔

غم سے مرنے کے واقعات تو آپ نے بہت سنے ہوں گے کہ کوئی شخص غم کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور فوت ہوگیا، اسی طرح خوشی کے آنسو نکلنے اور خوشی سے مر جانے کے واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں، بلکہ بسا اوقات تو کوئی معمولی سی غیر متوقع خوشی بھی ہارٹ اٹیک کا باعث بن جاتی ہے، اور جنت کی نعمتیں اور جنت کے نظارے تو یقیناً دیکھ کر انسان حیران و ششدر رہ جائے گا۔

اس سے پہلے کہ جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی صفات کا ذکر کیا جائے، اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے وقت جو جنت الفردوس کا سوال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس کی حکمت جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] ترمذی: ۲۵۵۸.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی ایک حکمت تو یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ جنت کا سب سے بلند مقام ہے، اور دوسری یہ کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور ایک یہ کہ جنت کی نہریں وہیں سے پھوٹتی ہیں۔

ان میں سب سے اہم بات تو یہی ہے کہ جنت الفردوس اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں ہے، یعنی جنت الفردوس کو جنتوں میں سب سے بلند ترین بتلایا گیا ہے۔

مگر جنت میں ایک مقام اس سے بھی بلند ہے اور اس کا نام ہے۔ الوسیلۃ، اور وہ مختص ہے صرف ایک شخصیت کے لیے، اور وہ ہیں: سید الاولین والآخرین سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ۔

چنانچہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ .))

فرمایا جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرو۔"

((قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَسِيْلَةُ .))

"صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ وسیلہ کیا ہے؟"

((قَالَ: اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ ، لَا يَنَالُهَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ))

"تو فرمایا: وہ جنت میں اعلیٰ ترین درجہ ہے، جو صرف ایک آدمی کو حاصل ہوگا۔"

((وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ .)) [1]

"اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ ہوں گا۔"

تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے ہوئے جنت الفردوس کا سوال کرنا اس لیے اہم ہے کہ وہ جنت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب ہے، جنت الفردوس پا لینے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کی دعا مانگیں اور اپنے عملوں کی طرف نہ دیکھیں، اگر دعا قبول ہوگئی تو ان شاء اللہ نیک اعمال کی توفیق بھی نصیب ہو جائے گی۔ اور دوسرے یہ

[1] احمد: ٧٥٨٨.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ صرف عملوں کی بدولت کوئی جنت میں جا بھی نہیں سکتا، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے۔

حضرت آسیہ علیہا السلام کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں فرعون کی بیوی تھیں، وہ کتنی نیک، پارسا، کتنی بلند مقام و مرتبے والی تھیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کی مثال بیان کرتے ہوئے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا اور ان کا ذکر کیا ہے، اور حدیث میں ان کے بارے میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا آسِيَةُ إِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ .))

''مرد تو بہت کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران ہیں۔''

((وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ .)) [1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برتری اور فضیلت تمام عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح ثرید کی دیگر تمام قسم کے کھانوں پر ہے۔''

تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں سے ایک ہیں جنہیں کامل گردانا گیا ہے، اس حدیث کی تشریح کا تو نہ جانے کب موقع ملے اس لیے سر دست تھوڑی سی وضاحت کرتا چلوں۔

جو عورتیں زیادہ کامل نہ ہوسکیں تو اس میں کوئی عورتوں کی تنقیص اور توہین اور کمتری نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ عورتوں پر ذمہ داری بہت بڑی ہے، اور وہ ہے بچوں کی تربیت کرنا مردوں سے زیادہ بڑی ذمہ داری ہے، لیکن کوئی سمجھنے کو تیار ہی نہیں۔

تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر رہا تھا وہ کتنی دور اندیش تھیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

---

[1] بخاری: ٣٤١١، مسلم: ٢٤٣١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ان کی دعا کا ذکر کیا ہے:

﴿رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (التحريم : ۱۱)

اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لے۔

تو اللہ کے پڑوس میں جنت کا سوٴال، وہی جنت الفردوس کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنت کی نعمتوں کا ذکر خیر

﴿وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

جنت کی وسعت کے ذکر کے بعد جنت کی چند نعمتوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنت کی نعمتیں یقیناً بے حد وحساب ہیں، ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا۔ قرآن وحدیث میں جنت کی جو بہت سی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے، تو وہ محض اک نمونہ ہے، ورنہ جنت میں انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا ساماں ہے، کوئی نہیں جانتا۔

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ (السجدة : ۱۷)

”کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چھپا رکھا ہے، ان کے اعمال کی جزاء کے طور پر۔“

تاہم چند موٹی موٹی اور نمایاں نعمتیں کہ جن سے انسان کو اکثر واسطہ رہتا ہے، ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ جنت میں انسان کے لیے ہر وہ کچھ ہے جس کی وہ خواہش کرسکتا ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۝﴾ (حم السجدة : ۳۱ ـ ۳۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا، اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے تمہیں عطا ہوگی، یہ سامانِ ضیافت ہے اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''

نعمتوں میں سے سب سے عام اور سب سے زیادہ استعمال ہونے والی نعمتیں کھانے پینے سے متعلق ہیں اور قرآن و حدیث میں جن ماکولات و مشروبات کا ذکر ہے، ان میں انار، انگور، کھجور، انجیر، کیلا اور بیر وغیرہ ہیں پھلوں میں، اور کھانوں میں مچھلی، بیل اور اڑتے ہوئے پرندوں کا گوشت، اڑتے ہوئے پرندوں کے گوشت کا مطلب ہے کہ اڑتے ہوئے پرندے کو دیکھ کر اگر اس کا گوشت کھانے کو جی چاہے گا تو پل بھر میں تیار کر کے حاضر کر دیا جائے گا۔

یاد رہے کہ قرآن و حدیث میں جنت کی جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، دنیا میں ان چیزوں کے ساتھ صرف ایک نام کی مشابہت ہے شکل وصورت اور لذت و ذائقہ یقیناً مختلف ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ يُشْبِهُ مَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا الْأَسْمَاءُ.)) [1]

''جنت کی کسی چیز کی دنیا کی کسی چیز کے ساتھ سوائے ناموں کے کوئی مشابہت نہیں ہے، اس لیے جنت کی چیزوں کا موازنہ نہیں ہے بالخصوص جب یہ بھی حقیقت ہے جو کہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں عارضی، ادھوری اور ناقص ہیں۔

جبکہ آخرت کی چند نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَأَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ (الواقعة: ٢٧)

''اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔''

﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَمَاءٍ مَّسْكُوْبٍ وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾ (الواقعة: ٢٧ ـ ٣٣)

[1] صفة الجنة لابی نعيم الاصبهانی، ج ١، ص ١٤٧، رقم: ١٢٤.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''وہ بے خار بیریوں، اور تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دور تک پھیلی ہوئی چھاؤں، اور ہر دم رواں پانی اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک بکثرت ملنے والے پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں ہوں گے۔''

اب یہاں ان الفاظ پر غور کیا جائے کہ کبھی نہ ختم ہونے والے اور بے روک ٹوک بکثرت ملنے والے پھل۔ تو واضح ہو جائے گا کہ دنیا کے پھلوں کے ساتھ صرف اک نام کی مشابہت ہے۔

جنت کے پھلوں کی اک خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ وہ نہ ختم ہونے والے ہیں، دنیا کے پھلوں میں، یا دنیا کی کسی بھی چیز میں یہ خصوصیت نہیں ہے، مثلاً دنیا میں آدمی کے پاس کسی ایک پھل کا چاہے اک بہت بڑا ذخیرہ ہو، یا باغات ہوں، لیکن جب وہ ایک پھل اس ذخیرے سے اُٹھاتا ہے، یا اس درخت سے توڑتا ہے تو اس کے ذخیرے سے ایک پھل تو کم ہو جاتا ہے، مگر جنت کے پھلوں کی خصوصیت یہ بتلائی کہ ﴿لَا مَقْطُوعَةٍ﴾ وہ کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں، اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا نَزَعَ ثَمرَةً مِنَ الْجَنَّةِ عَادَتْ مَكَانَهَا اُخْرٰى .)) [1]

''جب کوئی آدمی جنت سے پھل توڑے گا تو اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔''

اور ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ ، وَمَا فِيهَا مِنَ الزَّهْرَةِ وَالنَّضْرَةِ .))

''مجھ پر جنت پیش کی گئی، یعنی جنت دکھائی گئی جو کچھ اس میں سبزہ اور شادابی ہے۔''

((فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا قِطْفًا مِنْ عِنَبٍ لِآتِيَكُمْ بِهِ فَحِيلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ .))

''تو میں نے اس میں سے انگور کا ایک خوشہ پکڑنا چاہا، تاکہ اسے تمہارے پاس

[1] مجمع الزوائد، ج ١١، ص ٣٦٨، رقم: ١٨٧٣١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے کر آؤں، تو میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی گئی۔''

((وَلَوْ اَتَيْتُكُمْ بِهٖ، لَاَكَلَ مِنْهُ مَنْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَنْقُصُوْنَهٗ.))

''اور اگر میں وہ تمہارے پاس لے آتا تو اسے زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کھاتیں اور اس میں کوئی کمی نہ آتی۔'' [1]

اور اہل ایمان کے لیے یہ بات ہرگز باعث تعجب نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ ایک تو ہر مسلمان کا انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر ایمان ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا مشاہدہ بھی ہے، نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا کے تمام لوگ ہزاروں سال سے، اس بات کا مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ چاہ زمزم چھ ہزار سال سے لوگوں کی پیاس بجھاتا چلا آرہا ہے۔ مگر اس میں کوئی کمی نہیں آئی، سال بھر مسلمان اس سے مستفید ہوتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلسل رواں دواں اور جاری وساری ہے۔

تو جنت کے پھلوں کی بات ہو رہی تھی، جنت کے پھلوں کی ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ وہ کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں اور دوسری یہ بیان فرمائی کہ ﴿وَلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ کہ اس کے حصول میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔

اب روک ٹوک کئی قسم کی ہے، ایک تو یہ کہ کسی آدمی کی بساط اور استطاعت میں کوئی چیز نہیں ہوتی، ایک یہ کہ کبھی کوئی پھل بے موسمی ہونے کی وجہ سے مارکیٹ میں دستیاب ہی نہیں ہوتا اور ایک روک ٹوک یہ ہے کہ کبھی ڈاکٹر صاحب منع کر دیتے ہیں کہ فلاں چیز نہیں کھانی اور فلاں سے پرہیز کرنا ہے۔

مگر وہاں یہ روک ٹوک نہیں ہوگی جو چیز جنتی کھانا چاہیں گے کسی قسم کی روکاٹ نہیں ہوگی۔ آدمی دنیا میں کوئی چیز کھانا چاہے تو کتنی کھا لے گا؟ زیادہ سے زیادہ دو یا تین آدمی کا

[1] مسند احمد: ١٤٨٠٠.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھانا کھا لے گا، اور پھر اس کی جو حالت ہوگی وہ آپ جانتے ہیں۔ آدمی اگر زیادہ کھا لے تو اس کا چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر جنت میں آپ جانتے ہیں کہ آدمی کتنا کھا سکے گا؟

جنت میں آدمی کو سو (۱۰۰) آدمیوں کے کھانے کی طاقت ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الرَّجُلَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِى الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ .)) ❶

''جنت میں آدمی کو (۱۰۰) آدمیوں کے کھانے پینے کی طاقت حاصل ہوگی۔''

اور جنت میں اہل جنت ہمارے قد کاٹھ کے نہیں ہوں گے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، عَلٰى صُوْرَةِ آدَمَ ، طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ ، يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّى الْآنَ .)) ❷

''جو شخص جنت میں جائے گا، وہ آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا، (تقریباً ۹۰ فٹ) شروع میں لوگوں کے قد ساٹھ ہاتھ تھے۔ جو بعد میں گھٹتے گئے، حتیٰ کہ موجودہ قد پر آ گئے۔''

اور جنتیوں کی عمریں تقریباً تیس سال ہوں گی، جیسا کہ حدیث میں ہے، یعنی جوان ہوں گے اور سدا جوان رہیں گے۔

تو ۹۰ فٹ کا جوان جسے ۱۰۰ آدمیوں کے کھانے پینے کی طاقت ہو کتنا کھا سکے گا،

❶ مسند دارمی: ۲۸۶۷ . مسند احمد: ۹۱۲۶۹ .

❷ صحیح مسلم: ۲۸٤۱ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یقیناً بہت زیادہ ہے۔ یعنی ہمارے جیسے سو آدمیوں کے برابر نہیں بلکہ جنت کے سو آدمیوں کے برابر۔

اور حدیث میں ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ))

''اہل کتاب میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا:

((يَا اَبَا الْقَاسِمِ! تَزْعُمُ اَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ؟ .))

اے ابوالقاسم! آپ سمجھتے ہیں کہ جنت والے کھائیں گے اور پئیں گے۔

((قَالَ: نَعَمْ .))

فرمایا: ''ہاں۔''

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ، اِنَّ الرَّجُلَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِى الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَةِ .))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جنت میں آدمی کو ۱۰۰ آدمیوں کے کھانے پینے کی اور جماع اور شہوت کی طاقت ہوگی۔

((قَالَ: فَاِنَّ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ تَكُوْنُ لَهُ الْحَاجَةُ .))

تو وہ کہنے لگا کہ پھر جو کھاتا پیتا ہے، اس کو حاجت بھی ہوتی ہے۔''

((وَلَيْسَ فِى الْجَنَّةِ اَذًى؟))

''اور جنت میں کوئی گندگی تو نہیں ہوگی؟''

((قَالَ: حَاجَةُ اَحَدِهِمْ عَرَقٌ يَفِيْضُ مِنْ جُلُوْدِهِمْ، كَرِيْحِ الْمِسْكِ فَيَضْمُرُ بَطْنُهُ .)) [1]

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی رفع حاجت اس طرح ہوگی کہ ان کے جسموں

[1] مسند احمد: ١٩٢٦٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پسینہ آئے گا مِسک کی خوشبو کی طرح، تو ان کے پیٹ سکڑ جائیں گے، یعنی اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گے۔‘‘

تو جنت میں کھانے پینے کے حوالے سے بھی بہت سی نعمتیں ہوں گی۔ جنت کی نعمتوں کے ذکر کے ساتھ اگر حوروں کا ذکر نہ ہو تو بات مکمل نہیں ہوتی، مگر حوروں کے ذکر میں ان کی تفصیل کے بجائے صرف اس اشکال کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔ جو بعض لوگوں کے ذہنوں میں آتا ہے، اور لوگ استفسار بھی کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے قرآن و حدیث میں مردوں کو حوروں کا شوق دلایا گیا ہے، مگر عورتوں کے بارے میں نہیں بتلایا گیا کہ انہیں کیا ملے گا؟

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اور ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بلا چون و چرا قبول کیا جائے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ۝﴾ (الانبیاء: ۲۳)

’’اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے، اور سب جواب دہ ہیں۔‘‘

کس کی جرأت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سؤال کرے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟

اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں حیا رکھی ہے، لہٰذا عورت کو ایسی بات کا شوق دلانا کہ جسے سن کر اسے شرم آئے مناسب نہیں سمجھا گیا۔

اور انسانی معاشرے میں ایسے ادب و آداب اور رسم و رواج ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ باپ اپنی بیٹی کی شادی تو کرتا ہے، مگر کبھی اس سے نہیں کہتا کہ میں نے تیرے لیے ایک خوبصورت سا نوجوان ڈھونڈ کے رکھا ہے۔

حیا عورت کا زیور ہے، اس کی خوبصورتی ہے، حیا سے عورت کی شرافت کا اظہار ہوتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے، لوگوں کی نظروں میں حیادار عورت کی عزت اور احترام بہت زیادہ ہوتا ہے۔

تو اس اشکال کی وضاحت میں اور بھی باتیں ہیں مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حوروں کے بارے میں لوگوں کو ایک اشکال اور بھی ہے، چاہتا ہوں کہ اس کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ جنت میں آدمی کے لیے حوروں کی تعداد کے بارے میں جو بات زباں زدِ عام ہے وہ یہ کہ ہر آدمی کے لیے ستر ستر حوریں ہوں گی۔ بلکہ بعض روایات میں تو سینکڑوں اور ہزاروں کے حساب سے بھی بتایا جاتا ہے، مگر یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ البتہ ۷۲ حوروں کے بارے میں ایک روایت صحیح ہے لیکن وہ بھی صرف شہید کے لیے، ہر آدمی کے لیے نہیں۔

باقی لوگوں کو صرف دو دو حوریں ملیں گی، اور ان کے ساتھ ان کی دنیا والی بیوی بھی ہوگی۔

بعض دفعہ دنیا میں میاں بیوی ایک دوسرے سے اتنا تنگ ہوتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو جنت میں بھی اپنا ساتھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

جیسا کہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے دوستوں کو اپنی بیوی کی قبر پر لے گیا اور کہا گواہ رہنا کہ میں اسے تین طلاقیں دے رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اب مرنے کے بعد طلاق دے رہے ہو، زندگی میں کیوں نہیں دی؟

کہا: میں نہیں چاہتا تھا کہ میری جگہ کوئی اور بے چارہ پھنس جائے۔

پوچھا تو اب کیوں دے رہے ہو، اب کیا فائدہ ہے؟

کہا: اب اس لیے دے رہا ہوں کہ کہیں یہ جنت میں میری بیوی نہ بن جائے۔

تو ایسی شدید نفرت بعض دفعہ دونوں طرف سے ہوتی ہے اور ایسے واقعات حقیقت میں موجود ہیں۔

لیکن جنت میں یہ مسئلہ نہیں ہوگا، دنیا میں کسی کی آپس میں چاہے کتنی ہی عداوت، بغض اور نفرت ہو، آخرت میں وہ دلوں سے نکال دی جائے گی۔

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (الاعراف : ٤٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اوران کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں جو کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔''

تو جنت کے بارے میں قرآن وحدیث میں مزید بہت کچھ ہے اور وہ سب کچھ جنت کا شوق دلانے کے لیے اور رغبت پیدا کرنے کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کی جنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے انعام واکرام ہے، اعزاز ہے، توقیر ہے۔

﴿نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ﴾ (حم السجدة : ۳۲)

''اللہ غفور رحیم کی طرف سے مہمان نوازی ہے۔''

لہٰذا اس کی چاہت دل میں رکھیں، اور اس کے حصول کے لیے کوشش کریں۔

احادیث میں بھی بہت زیادہ بیان ہوا ہے، کئی موقعوں پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو فلاں کام کرے گا اس کے لیے جنت ہے۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں آپ ﷺ کو دین کا کام کرتے ہوئے قریش مکہ کی طرف سے بہت زیادہ سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، تو آپ ﷺ لوگوں کو جنت کی رغبت دلا کر مدد کے لیے کہتے۔

حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَكَثَ عَشْرَ سِنِيْنَ يَتْبَعُ الْحَاجَّ فِي مَنَازِلِهِمْ فِي الْمَوْسِمِ بِمِجَنَّةَ وَعُكَاظٍ وَمَنَازِلِهِمْ بِمِنًى .))

''آپ ﷺ تبلیغ دین کے لیے مسلسل دس سال حاجیوں کے پاس ان کے گھروں میں، منیٰ میں ان کے خیموں میں اور مجنہ اور عکاظ کے بازاروں میں ان کے پاس جاتے اور فرماتے۔''

((مَنْ يُؤْوِيني وَيَنْصُرُنِي حَتّٰى اُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي فَلَهُ الْجَنَّةُ .))[1]

''کوئی ہے جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تا کہ میں اللہ کا پیغام لوگوں تک

[1] مسند احمد: ج۳، ص ۳۳۹، رقم: ۱۴۶۹۴.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پہنچا سکوں، اور اس کے لیے جنت ہوگی۔''

اور جب کچھ لوگ یثرب سے آئے اور انہوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی اور بیعت کی دفعات میں ایک چیز یہ بھی شامل تھی کہ:

جب میں تمہارے پاس مدینہ آ جاؤں گا تو تم لوگ میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

تو دین کا کام کرتے وقت مشکلات آتی ہیں، تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچتی ہیں، مگر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دین کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جو آدمی جس طرح بھی مدد کرسکتا ہے اسے دین کا کام کرنے والوں کی مدد کرنی چاہیے، چاہے ایک لفظ سے ہی ہو۔ دین کا کام کرنے والے اور دین کا کام کرنے والوں کی مدد کرنے والے ہی ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور تاریخ انسانی اٹھا کر دیکھ لیں دین کی اور اہل دین کی مخالفت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہونا ہے تو دین کے لیے کچھ کر جائیں یہ زندگی بہت مختصر ہے اور اگر کوئی انجانے میں دین کی یا دین کا کام کرنے والوں کی مخالفت کرتا ہے اور انہیں اذیت پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے۔

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات واحسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جنت کا شوق دلاتا ہے۔ جنت کا شوق اور رغبت جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔ وہاں اس کی اس پیشکش پر اظہار شکر و امتنان بھی ہے، اور پھر یہ کہ جنت کے شوق میں انسان جہنم سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ کیونکہ اصل کامیابی تو یہی ہے کہ انسان جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔ اللھم اجعلنا منھم . آمین

اس لیے دل میں جنت کے شوق کی آبیاری کریں کہ وہ پھلے پھولے، پروان چڑھے اور خوب مضبوط ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنت کی نعمتیں

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (اٰل عمران : ۱۳۳)

گزشتہ چند خطباتِ جمعہ سے جنت کا ذکر ہو رہا تھا، جنت کے بارے میں قرآن وحدیث میں بہت کچھ بیان ہوا ہے اور بڑی وضاحت کے ساتھ ہوا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جنت کے وجود کے اثبات کا بیان ہے، اس کے ناموں کا ذکر ہے، اس کے دروازوں کا ذکر ہے، اس کی وسعت کا ذکر ہے، اس کے محلات کا ذکر ہے، اس کی مٹی، اس کے درختوں، اس کے خیموں اور اس کی نہروں کا ذکر ہے، اور پھر اہل جنت کے حلیوں، ان کے لباسوں، ان کے کھانوں اور ان کی مجلسوں کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سی نعمتوں کا ذکر ہے، مگر جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اس کا دیدار ہے، تاہم قرآن وحدیث میں جنت کی بہت زیادہ اور واضح تفصیلات بیان ہوئی ہیں، جن میں سے گزشتہ خطبات جمعہ میں کچھ بیان ہوئیں۔

آج مزید چند نعمتوں کے بارے میں جانتے ہیں، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جنت کے سو (۱۰۰) درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔

ایک حدیث میں اس کی یوں منظر کشی کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ اَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ اَوْ مِنَ الْمَغْرِبِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِتفَاضُلِ مَابَيْنَهُمْ .))

"فرمایا: جنتی لوگ اپنے سے اوپر والے محلات کے جنتیوں کو دیکھیں گے، تو ایسا محسوس کریں گے، جیسا کہ دور آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے پر کوئی تارا چمک رہا ہے، اور یہ فاصلہ جنتیوں کے باہمی درجات کے فرق کی وجہ سے ہوگا، یعنی جس کو بلند درجہ ملا ہے وہ ایمان وعمل میں دوسرے سے بہتر ہے۔"

((قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ مَنَازِلُ الْاَنْبِيَاءِ ، لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ؟ .))

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو انبیاء علیہم السلام کا مقام ہی ہوسکتا ہے، ان کے علاوہ اس بلند مقام پر کوئی اور تو نہیں پہنچ سکے گا۔

((قَالَ: بَلٰى .))

فرمایا: "کیوں نہیں۔"

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ ، رِجَالٌ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوْا الْمُرْسَلِيْنَ .)) [1]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ ان درجوں میں ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔"

تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام واحسان ہے کہ اس نے اہل جنت کے مابین یہ درجات رکھے ہیں، تاکہ جو زیادہ محنت کرے، زیادہ فرمانبرداری کرے، وہ زیادہ اونچے درجات حاصل کرے۔

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ (الانعام : ١٣٢)

"اور ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے۔"

[1] صحيح البخاري: ٣٢٥٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: ۲۱)

دیکھو! دنیا میں ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر کیسے فضیلت دے رکھی ہے۔ اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی۔

تو درجات میں فرق و تفاوت اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور اس کا عدل و انصاف ہے، کہ جو جس کا حق بنتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا حق دیتے ہیں، ایک ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ یقیناً آدمی کے حق سے زیادہ اس کو عطا کرتے ہیں۔

تو آدمی کے عمل کے مطابق اس کو اجر و ثواب ملنا عین عدل و انصاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم و ناانصافی نہیں کرتے، اس کی حق تلفی نہیں کرتے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النسآء: ۴۰)

”اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اسے دو چند کرتا ہے، اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ (النسآء: ۱۲۴)

”اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان کی کسی داغ دھبے کے برابر بھی حق تلفی نہ ہوگی۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نقیر اصل میں کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی پر بنے ایک نہایت ہی چھوٹے سے ابھرے ہوئے نقطے کو، کھجور کی گٹھلی پر ایک طرف شگاف ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کی پشت پر اک ہلکا سا ابھرا ہوا نقطہ بنا ہوتا ہے، اس کو نقیر کہتے ہیں۔ یعنی کھجور کی گٹھلی پر بنے ہوئے اس باریک سے نقطے کے برابر بھی کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً .))

''اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی کسی ایک نیکی کی حق تلفی بھی نہیں کرتا۔''

((يُعْطَىٰ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزَىٰ بِهَا فِي الْآخِرَةِ .))

''دنیا میں بھی اس کا اجر و ثواب دیتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی جزا ملے گی۔''

((وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتٍ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا .))[1]

''البتہ کافر کو دنیا میں اس کی اللہ کے لیے کی گئی نیکیوں کے بدلے میں کھلایا پلایا جاتا ہے۔''

((حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْآخِرَةِ لَمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا .))

''حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو جزاء دیئے جانے کے لیے اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہتی۔''

یعنی اس کی تمام نیکیوں کا بدلہ اسے دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

حقیقت میں تو دنیا کی تمام چیزوں کے اصل حق دار بھی اہل ایمان ہی ہیں مگر چونکہ دنیا ایک آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے لہٰذا منکرین اسلام کو بھی اس میں شریک کر دیا گیا ہے، مگر آخرت تو خالصتاً اہل ایمان کے لیے ہے۔

---

[1] صحيح مسلم: ٢٨٠٨ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

''ان سے کہو: کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا، اور کس نے اس کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟''

﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾

(الاعراف : ۳۲)

''کہو: یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔''

تو آخرت میں کسی کی ایک نیکی بھی ہوگی تو اسے بھی اس کے اجر سے محروم نہیں کیا جائے گا، اور اگر کوئی دو آدمیوں میں ایک نیکی کا بھی فرق ہوگا تو اس کے درجے میں بھی فرق ہوگا۔

تو قیامت کے دن کسی کی ایک نیکی بلکہ ذرہ برابر نیکی بھی کتنی بڑی اور عظیم نعمت ثابت ہوگی، احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ بِاَشَدَّ مُنَا شَدَةً لِلّٰهِ فِي اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِاِ خْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ .))

فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اپنے حق کے لیے اتنی بحث و تکرار نہیں کرتا جتنی قیامت کے دن اہل ایمان اپنے ان مسلمان بھائیوں کے حق کے لیے اللہ تعالیٰ سے کریں گے جو جہنم میں ہوں گے۔''

((يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ ، وَ يَحُجُّوْنَ .))

کہیں گے: اے رب ہمارے یہ لوگ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۔

((فَيُقَالُ لَهُمْ: اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ .))

انھیں کہا جائے گا: جن کو تم جانتے ہو انھیں نکال لو۔

((فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ .))

چنانچہ ان کی صورتوں کو جہنم پر حرام کر دیا جائے گا۔

((فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا قَدْ اَخَذَتِ النَّارُ اِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَاِلٰى رُكْبَتَيْهِ .))

تو وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے جن کی آدھی پنڈلیوں تک یا گھٹنوں تک آگ پکڑ چکی ہوگی۔

((ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا مَا بَقِيَ فِيْهَا اَحَدٌ مِمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ .))

پھر وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جنھیں نکالنے کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں رہا۔

((فَيَقُوْلُ: ارْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ .))

تو وہ فرمائے گا تو جاؤ: جس کے دل میں دینار بھر خیر پاؤ اسے بھی نکال لاؤ

((فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا .))

تو وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے۔

((ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا اَحَدًا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا .))

پھر وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جن کو نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کوئی نہیں چھوڑا یعنی سب کو نکال لائے۔

((ثُمَّ يَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوْهُ .))

پھر اللہ تعالیٰ کہے گا: جس کے دل میں نصف دینار کے بقدر خیر پاؤ اسے بھی نکال لاؤ۔

((فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ، ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ ، رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا مِمَّنْ اَمَرْتَنَا اَحَدًا .))

تو وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے، پھر کہیں گے: اے ہمارے رب! جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا انھیں ہم نے نہیں چھوڑا (نکال لائے ہیں)

((ثُمَّ يَقُوْلُ: إِرْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوْهُ .))

پھر وہ کہے گا، واپس لوٹو اور جس کے دل میں ذرہ برابر خیر پاؤ اسے بھی نکال لاؤ۔

((فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ، ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا .))

تو وہ بہت خلقت کو باہر نکال لائیں گے پھر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے کسی بھی صاحبِ خیر کو نہیں چھوڑا۔

((فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ ، وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُوْمِنُوْنَ ، وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ .))

پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: فرشتوں نے سفارش کی، انبیاء نے سفارش کی، ایمان داروں نے سفارش کی اب صرف ارحم الراحمین (اللہ تعالیٰ) ہی باقی رہ گیا ہے۔

((فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ ، فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ .))

پھر وہ آگ سے ایک مٹھی بھرے گا تو اس سے ان لوگوں کو نکال لے گا جنھوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہ کیا تھا۔

((قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهَرٍ فِي اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ: نَهَرُ الْحَيَاةِ .))

وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر وہ انھیں جنت کے دہانوں پر ایک نہر میں ڈال دے گا جسے نہر حیات کہا جاتا ہے۔

((فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ))

''تو وہ نہر حیات سے یوں نکلیں گے جیسے بارش کے جمع شدہ پانی کے کنارے پڑا کوئی بیج پھوٹتا ہے۔''

((فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُوءِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ، هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ .)) ❶

تو وہ لوگ موتیوں کی مانند نکلیں گے، ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی اہل جنت انھیں پہچان لیں گے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی عمل کیے اور بغیر کسی نیکی کیے جنت میں داخل کیا ہے۔

یعنی ہوں گے وہ مسلمان مگر کلمہ شہادت کے علاوہ کوئی نیکی نہیں ہوگی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہونے والے لوگوں کو جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔ فرمایا:

((يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ .)) ❷

فرمایا: کچھ لوگ محمد ﷺ کی سفارش سے آگ سے نکالے جائیں گے، اور جنت میں داخل کیے جائیں گے، لوگ انہیں جہنمی کے نام سے پکاریں گے۔''

❶ صحيح مسلم، رقم: ١٨٣ . ❷ بخاری: ٦٥٦٦ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طعنے کے طور پر نہیں بلکہ پہچان کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کا فضل یاد دلانے کے لیے۔

تو بات اصل میں ہو رہی تھی جنت کے درجات کی، ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق درجہ ملے گا، اور ہر شخص اپنی اپنی جنت میں ہی رہے گا، کسی دوسرے کی جنت میں نہیں جا سکے گا۔

کیونکہ جو نچلی جنت میں ہوں گے ان کو حق نہیں ہوگا کہ وہ اپنے سے اوپر والے درجے میں جا سکیں، اور جو اوپر والے درجے میں ہوں گے ان کے لیے اپنے سے کم درجے میں آنا ان کی شان اور ان کے مقام ومرتبے کے خلاف ہوگا، اس لیے ہر شخص اپنی اپنی جنت میں ہی رہے گا۔

اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ اونچے درجے والے جنتی نیچے آ سکیں گے مگر نیچے والے اوپر نہیں جا سکیں گے۔

البتہ ایک استثناء ہوگا کہ جو لوگ اونچے درجے میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی اولادوں کو ان کے ساتھ ملا دے گا۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۝﴾

(الطور: ۲۱)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چل رہی ہے، ان کی اس اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے، اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا اور کمی ان کو نہ دیں گے۔''

یعنی یہ نہیں ہوگا کہ ان کے عمل کم کر کے ان کی اولادوں کے عمل میں اضافہ کر دیا جائے اور پھر ایک نیا درجہ بنا کر اولاد کو والدین سے ملا دیا جائے، بلکہ ان کے عملوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ان کی اولادوں کو نچلے درجے سے اٹھا کر ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔

مگر اس کی تفسیر میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ اولاد کو ان کے والدین کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور شادی شدہ اولاد کی اپنی اپنی جنت ہوگی۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنتی اپنے اعزاء واقارب اور دوست واحباب سے ملنے کی خواہش کریں گے تو اس کا کیا حل ہوگا؟ تو اس کا حل یہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہاں اک جمعہ بازار سجے گا، یعنی ہر جمعہ کو ایک بازار سجے گا، اس میں خرید وفروخت نہیں ہوگی بلکہ ملاقات کے لیے ہوگا۔ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَسُوْقًا یَاتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ .))

''جنت میں ایک بازار ہے جس میں ہر جمعہ کے دن جنتی لوگ آیا کریں گے۔''

((فَتَهُبُّ رِیْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْا فِی وُجُوْهِهِمْ وَ ثِیَابِهِمْ فَیَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَجَمَالاً .))

''شمال کی طرف سے ایک ہوا چلے گی جس کے جھونکے جنتیوں کے چہروں اور کپڑوں پر پڑیں گے، تو اس سے ان کے حسن وجمال میں اضافہ ہوجائے گا۔''

((فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی اَهْلِیْهِمْ وَقَدْ اِزْدَادُوْا حُسْنًا وَجَمَالًا .))

''جب وہ پلٹ کر اپنے گھروں کو آئیں گے تو ان کی بیویاں بھی پہلے سے زیادہ حسین وجمیل ہوئی ہوں گی۔''

((فَیَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ: وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا .))

''تو ان کی بیویاں ان سے کہیں گی کہ واللہ تمہارا حسن وجمال ہمارے بعد تو بہت بڑھ گیا ہے۔''

((فَیَقُوْلُوْنَ: وَاَنْتُمْ وَاللّٰهِ ، لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَجَمَالًا .)) ❶

”اور وہ کہیں گے: واللہ! ہمارے بعد تمہارا حسن وجمال بھی بہت بڑھ گیا ہے۔“

یعنی جنتی لوگ ملاقات کے لیے ایک ایسی جگہ پر جمع ہوں گے جو کسی جنتی کی ملکیت نہیں ہوگی۔

اور ملاقات کا طریقہ یہ ہوگا کہ لوگ اپنے اپنے تختوں پر بیٹھے وہاں جائیں گے، گویا کہ وہ اڑن کھٹولا ہوگا، اڑنے والا تخت، تختِ رواں۔ اڑن کھٹولا کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پریوں کے سیر کرنے کا تخت۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ

﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍo لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةًo فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌo فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌo وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌo وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌo وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌo﴾ (الغاشيه: ١٠ ـ ١٦)

”عالی مقام جنت میں ہوں گے، کوئی بے ہودہ بات وہاں نہ سنیں گے، اس میں چشمے رواں ہوں گے، اس کے اندر اونچی مسندیں ہوں گی، ساغر رکھے ہوئے ہوں گے، گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی، اور نفیس فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔“

تو کچھ اس طرح اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ کر جائیں گے اور وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے، دنیا کی باتوں کا تذکرہ بھی ہوگا۔

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَo﴾ (الحجر: ٤٧)

”اور ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے گے۔“

---

❶ صحيح مسلم: ٢٨٣٣ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی حوالے سے ایک آخری حدیث سنتے ہیں، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

((اَنَّہٗ لَقِیَ اَبَاھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ .))

وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے

((فَقَالَ: اَبُوْھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ أَسْأَلُ اللّٰہَ اَنْ یَجْمَعَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ فِی سُوْقِ الْجَنَّۃِ .))

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے سؤال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں اکٹھا کرے۔

((فَقَالَ سَعِیْدٌ: اَفِیْھَا سُوْقٌ .))

تو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے عرض کیا! کیا اس میں بازار ہوگا؟

((قَالَ: نَعَمْ: وذکر الحدیث .))

فرمایا: جی ہاں! پھر حدیث بیان کی۔ [1]

تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے فضل وکرم سے اس جمعہ بازار میں جمع کرے۔ آمین

---

[1] جامع ترمذی: ٢٥٤٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنت کی مزید نعمتیں

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

گزشتہ چند خطبات جمعۃ المبارک میں جنت کے حوالے سے بات ہو رہی تھی، جنت کے بارے میں ابھی مزید بہت کچھ کہنے کو ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب موضوع کو یہاں سمیٹ لیا جائے اور جو باتیں باقی رہ جائیں گی وہ دوسرے موضوعات میں کسی نہ کسی مناسبت سے بیان ہوتی رہیں گی۔ ان شاءاللہ

جنت کے بارے میں جاننا اور گفتگو کرنا انسان کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان کی اس عارضی زندگی کے بعد یعنی فوت ہونے کے بعد اس کے سامنے صرف دو ہی ٹھکانے ہوں گے ان دو میں سے کوئی ایک ضرور اور اس کی آخری، حقیقی اور حتمی منزل ہوگی۔ تیسرا کوئی آپشن نہیں ہوگا۔

﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ (الشوریٰ : ۷)

''ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا جہنم میں۔''

اب جو آدمی قرآن پاک کی بیان کردہ اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے وہ تو ضرور جاننا چاہے گا کہ جنت کیا ہے اور جہنم کیا ہے، تاکہ وہ فیصلہ کر سکے کہ اسے ان دو میں سے کس کا انتخاب کرنا ہے۔ ویسے دوسری طرف ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ان دونوں ٹھکانوں میں ہر انسان کی پہلے سے بکنگ موجود ہے، جب وہ اپنے عملوں سے ایک جگہ کو کنفرم کر دے گا کہ اسے فلاں جگہ ہی لینی ہے تو اس کی دوسری سیٹ کینسل ہو جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا لَهٗ مَنْزِلَان .))

''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی دو منزلیں اور ٹھکانے نہ ہوں۔''

((مَنْزِلٌ فِی الْجَنَّةِ وَ مَنْزِلٌ فِی النَّارِ .))

''ایک منزل، ایک گھر، ٹھکانہ، رہائش جنت میں ہے اور ایک جہنم میں۔''

((فَاِذَا مَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ، وَرِثَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْزِلَهٗ .))

''جب وہ فوت ہو کر جہنم میں چلا جاتا ہے، تو جنت والے اس کی منزل اور اس کے محل کے وارث بن جاتے ہیں۔'' [1]

فذلك قوله تعالٰی: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ (المومنون: ١٠)

''پھر آپ ﷺ نے فرمایا: پس یہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ کہ یہی لوگ وارث ہوں گے۔''

تو بنیادی طور پر ہر انسان کے لیے دونوں جگہوں پر ایک ایک مکان اور ٹھکانا الاٹ کیا گیا ہے، اب اس کی مرضی ہے وہ کس کو پسند کرتا ہے اور کس کو ترجیح دیتا ہے، وہ جدھر جانا چاہتا ہے اس کے لیے عملی کوششیں کرتا ہے۔

یہ بات آج کسی کو سمجھ آئے یا نہ آے، کوئی اس پر ایمان لائے یا نہ لائے اس کو اہمیت دے یا نہ دے، مگر ایک نہ ایک دن اس کو اس کے دونوں ٹھکانوں کا معائنہ اور مشاہدہ ضرور کرایا جائے گا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ، لَوْ اَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا .))

''کوئی شخص اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس کو اس کا جہنم والا

[1] سنن ابن ماجه: ٤٣٤١ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ٹھکانہ نہ دکھا دیا جائے، کہ اگر وہ برے عمل کرتا تو اس کا وہ ٹھکانہ ہوتا، تا کہ وہ مزید شکر گزاری کرے۔''

((وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِيَ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْاَحْسَنَ لِيَكُوْنَ عَلَيْهِ حَسْرَةً .)) ❶

''اور کوئی شخص اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا، جب تک اس کو اس کا جنت والا ٹھکانہ نہ دکھا دیا جائے، کہ اگر وہ اچھے عمل کرتا تو وہ اس کا ٹھکانہ ہوتا، اور وہ اس لیے اس کو دکھایا جائے گا کہ تا کہ وہ اس پر حسرت و افسوس بنے۔''

اب سوال یہ ہے کہ آدمی کو اس کے دونوں ٹھکانے کس وقت دکھائے جائیں گے؟ تو اس میں علماء کرام کی دو آراء ہیں ایک یہ کہ قیامت کے دن دکھائے جائیں گے جیسا کہ پہلی حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ قبر میں دکھائے جائیں گے۔

جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا وُضِعَ الْعَبْدُ فِي قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ فَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ .))

''آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے، اور اس کے دوست و احباب اور اس کے اعزا و اقارب دفنانے کے بعد واپس جا رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔''

((فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُقْعِدَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ .))

''دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟'' یعنی آپ ﷺ کے بارے میں۔

❶ صحيح البخاري: ٦٥٦٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَاَمَّا اِنْ کَانَ مُؤْمِنًا فَیَقُوْلُ: اِنَّہٗ عَبْدُاللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ .))

اگر وہ مومن ہوگا تو کہے گا آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

((فَیُقَالَ: اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّۃِ .)) [1]

''تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اب اپنا جہنم والا ٹھکانہ بھی دیکھ لے جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔''

تو اس حدیث کی روشنی میں آدمی کو بصورت دیگر اس کا دوسرا ٹھکانہ بھی قبر میں ہی دکھا دیا جاتا ہے اور اس کا اصلی ٹھکانہ تو ہر وقت اس کے سامنے کھلا ہی رہتا ہے، اگر جنتی ہو تو اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں، اور اگر جہنمی ہو تو اسے جہنم کی گرمی اور زہر آلود ہوائیں پہنچتی رہتی ہیں۔

تو جنت چونکہ ہر مسلمان کی آخری اور حقیقی منزل ہے، اس لیے اس کی فکر اور اس کا ذکر لازمی اور ضروری ہے، اور دور اندیشی، دانشمندی اور عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی اپنی آخری، حتمی اور حقیقی منزل کو اس دنیا کی عارضی، ادھوری اور ناپائیدار رہائش پر ترجیح دے اور اس پر زیادہ توجہ دے اور اس کے لیے زیادہ محنت اور جدوجہد کرے۔

اس حقیقت سے دنیا کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ آدمی کے نزدیک جو چیز زیادہ اہم ہوتی ہے، اس کو زیادہ وقت دیتا ہے اور اس کے لیے زیادہ محنت کرتا ہے-

آدمی کو جس چیز کی سچی تڑپ اور سچی خواہش ہوتی ہے یقیناً اس کے لیے زیادہ کوشش اور محنت کرتا ہے، قرآن پاک میں ایسی سچی تڑپ رکھنے والوں کا بکثرت ذکر کیا گیا ہے اور احادیث مبارکہ میں ایسے لوگوں کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔

مگر وہ چونکہ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے اس لیے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے

---

[1] بخاری : ١٣٧٤ ، مسلم : ٢٨٧٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پانچویں خلیفۂ راشد کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کے ایک وزیر رَجَـاء بْن حَیْوَۃ الکِنْدِي جو کہ ایک بہت بڑے عالم دین بھی تھے ان کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

((اَمَرنی عمر بن عبدالعزیز ان اشتريَ لَه ثَوبًا بستة دراهم .))

مجھے عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ میں ان کے لیے چھ درہم کی ایک قمیص خرید کر لاؤں۔

((فاتیتُه به .))

پس میں وہ لے آیا۔

((فَجَسَّهُ وقال: هو علی مَا اُحبُّ لولا انَّ فیه لینًا .))

''چھو کر دیکھا اور کہا کہ یہ ہے تو میری پسند کا لیکن اگر یہ نرم اور ملائم نہ ہوتا تو

((فَبَکَی رجاء بن حیوة .))

رجاء بن حیوہ رو پڑے۔

((فقال له عمر: ما یُبکیك .))

تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پوچھا کس بات پر رونا آیا۔

((قال: اتیتك وانت امیر بثوبٍ بِستمائةِ درهم، فَجَسَسْتَهُ وقلت: هو علی ما احبُّ لولا ان فیه خُشونَة .))

کہا: جب آپ گورنر تھے تو میں آپ کے پاس ۶۰۰ درہم کی قمیص لے کر آیا تھا اور آپ نے چھو کر کہا تھا کہ میں پسند تو ایسی ہی کرتا ہوں اگر یہ کھردری نہ ہوتی تو

((واتیتُك وانت امیرالمومنین بثوبٍ بسِتَّةِ دَرَاهم فَجَسَسْتَهُ وقلتَ هو علی ما احبُّ لولا ان فیه لینًا .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اب جبکہ آپ امیر المؤمنین ہیں آپ کے پاس صرف چھ درہم کی قمیص لے کر آیا ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ بہت ملائم ہے۔

((فقال: يا رجاء إنَّ لي نفساً توّاقة .))

رجاء! میں بڑا شوقین مزاج نفس رکھتا ہوں، جو خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔

((تاقت الى فاطمة بنت عبدالملك فتزوجتُها .))

''دل نے چاہا کہ فاطمہ بنت عبدالملک سے شادی ہو، شادی ہوگئی۔''

((وتاقت الى الإمارة فَوُلِّيتُها .))

''امارت کی خواہش ہوئی امیر اور والی بنا دیا گیا۔''

((وتاقت الى الخِلافة فادركتُها .))

''خلافت کا شوق ہوا تو خلافت مل گئی۔ (امیر المومنین بن گئے)۔''

((وقد تاقت الى الجنَّةِ فأرجو أن أدّركَها ، ان شاء الله عزوجل .)) ❶

''اور اب جنت کا شوق دل میں پیدا ہوگیا ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ بھی حاصل کرلوں گا۔''

تو جس چیز کی سچی خواہش اور تڑپ دل میں ہو انسان لامحالہ اس کے لیے کوشش کرتا ہے، اور سنجیدہ کوشش کرتا ہے، ہم جنت کی دل میں کتنی خواہش رکھتے ہیں اور کیا وہ سچی خواہش ہے، اس کا جواب ہمیں ہمارے عمل سے ملتا ہے۔

آپ لوگوں نے تازہ تازہ جنت کے نظارے کیے ہیں، اور جنت کی باتیں سن کر یقیناً خوش ہوئے ہوں گے، لہٰذا میں فوری طور پر ایسی باتیں نہیں کرنا چاہتا ہے کہ جن سے وہ مزا کرکرا ہو جائے، مگر حقیقت یہ ہے کہ حقیقت سے آنکھیں بھی نہیں موند سکتے، ورنہ قرآن پاک

❶ وفيات الاعيان لابن خلكان، ج٢، ص ٣٠١، ترجمه ٢٣٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور احادیث مبارکہ میں بہت سی ایسی باتوں کا ذکر ہے کہ جن کا مرتکب جنت سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں کچھ لوگ خود ہی جنت میں جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔

آپ نے کبھی کسی ایسے شخص کے بارے میں سنا ہے جو جنت میں نہ جانا چاہتا ہو؟ شاید نہ سنا ہو، مگر یقیناً ایسے لوگ موجود ہیں، حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ أَبَى))

''فرمایا: میری تمام امت جنت میں جائے گی، سوائے ان لوگوں کے جو جنت میں جانے سے خود انکار کر دیں۔''

((قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَأْبَى؟))

''صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟''

((قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى.)) [1]

''فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

جنت میں جانے کا شوق ہو اور اس کے لیے کوئی کوشش نہ ہو بات سمجھ میں نہیں آتی، شاعر کہتا ہے کہ:

تَرجو النَّجاةَ ولم تَسلُك طريقتَها
إن السفينة لا تَجرِي على اليَبَسِ

''کامیابی اور نجات بھی چاہتے ہو مگر اس کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔''

میٹھی میٹھی باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حقیقتاً لوگ ایسے ہی شخص کو پسند کرتے

---

[1] بخاری: ۷۲۸۰۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جو میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہو، جن سے کسی کو ڈر، خوف اور فکر اور پریشانی میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ ایسی باتیں کرنا ہرگز ہمدردی اور خیر خواہی نہیں ہے۔

خطبہ ارشاد فرماتے وقت آپ ﷺ کا حال یہ ہوتا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ.))

''آپ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔''

((وَعَلَا صَوْتُهُ.))

''آواز بلند ہوتی۔''

((وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ.))

''غصہ شدید ہوتا۔''

((حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ.))

حتیٰ کہ آپ ﷺ کا انداز یہ ہوتا گویا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں۔

((يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ.)) [1]

''جیسا کہ کوئی اپنے لشکر کو دشمن کے حملے سے ڈرا رہا ہو، کہ دشمن صبح یا شام کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔''

تو اصل خیر خواہی یہ ہے کہ لوگوں کو خطرات سے آگاہ کیا جائے جو موت کے وقت، قبر میں، حشر میں اور پل صراط پر پیش آنے والے ہیں۔

مگر افسوس! آج ہمارے ہاں خیر خواہی کا معیار بدل گیا ہے، آج ہمارے ہاں مخلص، ہمدرد اور خیر خواہ اس کو سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کے معاملات میں کسی طرح آپ کے لیے فائدہ مند ثابت ہو، مالی معاملات میں ہو، طرف داری میں ہو، جسمانی راحت و آسائش کے حوالے سے ہو۔

ممکن ہے ایسا شخص دنیا کے لحاظ سے واقعی آپ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہو لیکن اگر وہ آخرت

[1] صحیح مسلم: ٨٦٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے معاملے میں آپ کی ہمدردی نہیں کرتا تو وہ خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہے۔

اب کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جو فجر کی نماز کے لیے خود تو مسجد میں چلے آتے ہیں، مگر اپنے بالغ اور جوان بیٹوں کو گھر میں سوتا چھوڑ کر آ جاتے ہیں، کہ انہوں نے سکول جانا ہے یا جاب پر جانا ہے، ان کی نیند خراب ہو جائے گی، لہٰذا سو لینے دو۔ کیا یہ ہمدردی ہے؟ یقیناً نہیں، بلکہ یہ دشمنی ہے۔ اگر اس شخص کا اس حدیث پر ایمان ہے کہ جس میں آپ ﷺ کو خواب میں بے نماز کا انجام دکھایا گیا کہ جو شخص نماز سے سویا رہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ ایک فرشتہ اس کے سر پر پتھر مارتا ہے، جس سے اس کے سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے، وہ فرشتہ پتھر اٹھا کر واپس آتا ہے تو اتنے میں اس کا سر پھر جڑ چکا ہوتا ہے، اور وہ پھر اسی طرح اس کو پتھر مارتا ہے۔

اور یہ معاملہ قبر کا ہے، عالم برزخ کا ہے، آخرت میں جو اس کا انجام ہوگا وہ الگ ہے۔

اب کیا سمجھتے ہیں کہ اس حدیث پر ایمان رکھنے والا شخص اپنے بیٹے کا مخلص اور ہمدرد ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یقیناً اس کا دشمن ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو ایک دوسرے سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، اور وہ ایک دوسرے کے لیے جان بھی قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں مگر دین کے معاملے میں وہ ان کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہیں، نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ دوستوں کو ترغیب دیتے ہیں، نہ خیر خواہی کی نصیحت کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں۔

﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾

(الزخرف : ٦٧)

”اس روز سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔“

آج کے دوست جو دوستی کا بہت دم بھرتے ہیں اگر متقی نہیں ہیں تو جان لو یہ کل کو تمہارے دشمن ہوں گے، جب تم پر حقیقی مشکل آ پڑے گی۔

خیر تو بات ہو رہی تھی ہمدردی اور خیر خواہی کی تو انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر انسانیت کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لیے کوئی ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا اور پھر ان کے بعد ورثۃ الانبیاء علماء کرام ہیں۔

چلتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف اور جنت کا ذکر کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جنت کا ذکر صرف خطبات میں ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ جنت ہماری محفلوں کا موضوع بھی ہونا چاہیے، یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جنت ہمارے ہاں کتنا اہم مسئلہ ہے، ہمارے اسلاف کا یہی طرز عمل تھا۔ حدیث میں ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے امام ابن سیرین رحمہ اللہ، کبار تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ:

((اِخْتَصَمَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ أَيُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ أَكْثَرُ .)) [1]

''مردوں اور عورتوں میں اس بات پر بحث وتکرار چل نکلی کہ ان میں سے جنت میں کون زیادہ ہوں گے مرد یا عورتیں؟''

اور ایک روایت میں ہے کہ

((اِمَّا تَفَاخَرُوْا وَ اِمَّا تَذَاكَرُوْا الرِّجَالُ فِي الْجَنَّةِ أَكْثَرُ اَمِ النِّسَاءُ .))

''کہ یا تو فخر کے طور پر بات ہو رہی تھی یا از راہ تذکرہ بات ہو رہی تھی کہ جنت میں مرد زیادہ ہوں گے، یا عورتیں؟''

((فَسَأَلُوْا اَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ))

تو لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ بتائیں جنت میں مرد زیادہ ہوں گے یا عورتیں؟

((فَقَالَ: اَوَلَمْ يَقُلْ اَبُوْ الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم))

''تو انہوں نے کہا: کیا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔''

ابو القاسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت کے بارے میں مسئلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو القاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، فرمایا:

[1] مسلم : ٢٨٣٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكَنُّوْا بِكُنْيَتِيْ .))

''میرے نام کے ساتھ نام رکھو اور میری کنیت کے ساتھ کنیت نہ رکھو۔''

اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین اقوال ہیں:

(۱)...... آپ کی موجودگی میں منع تھا مگر بعد میں کوئی حرج نہیں۔

(۲)...... جس کا نام محمد ہو وہ ابو القاسم کنیت نہ رکھے۔

(۳)...... اور تیسرے یہ کہ کسی صورت میں بھی ابو القاسم کنیت نہ رکھی جائے اور یہی احوط ہے، یعنی احتیاط کا راستہ ہے۔تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَوَلَمْ يَقُلْ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ .))

کیا ابو القاسم ﷺ نے فرمایا نہیں! پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی۔ وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہروں والے ہوں گے۔

((وَالَّتِيْ تَلِيْهَا عَلٰى اَضْوَاءِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ .))

اور جو ان کے بعد جائے گی وہ آسمان میں سب سے زیادہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہوگی۔

((لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ اثْنَتَانِ ، يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ ، وَمَا فِي الْجَنَّةِ اَعْزَبُ .))[1]

ان میں سے ہر آدمی کی دو دو بیویاں ہوں گی ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی کنوارا نہ رہے گا۔

تو گویا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتانا چاہ رہے تھے کہ جنت میں عورتوں کی اکثریت ہوگی۔اب اس میں بھی تفصیل ہے مگر اللہ کے فضل سے پھر کسی وقت عرض کی جائے گی۔

[1] مسلم : ٢٨٣٤ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان کا مقام اور اُس کی حیثیت: اُس کی سوچ اور نیت

﴿وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۱)

''اور کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے پیس کر رکھ دیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو اٹھایا۔''

زندگی میں انسان کی بڑی بڑی خواہشات میں سے ایک بہت بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنا آپ منوائے، معاشرے میں اپنا مقام و مرتبہ اور اپنی حیثیت ثابت کرے۔ چنانچہ پہلے وہ مقام و مرتبے کا ایک خود ساختہ معیار مقرر کرتا ہے اور پھر اُس کے حصول کے لیے وہ زندگی بھر کے لیے مصروف عمل ہو جاتا ہے۔

کسی کے ہاں مقام و مرتبے کا معیار مال و دولت ہوتا ہے، کسی کے ہاں عہدہ و منصب، کسی کے ہاں اس کا پیشہ اس کی حیثیت اور اس کے رتبے کی علامت ہوتا ہے، کسی نے تعلیمی ڈگری کو اپنے مرتبے کی پہچان قرار دے رکھا ہوتا ہے، اور کسی نے کسی اور چیز کو، مگر حقیقت میں انسان کی حیثیت اور اس کے مقام و مرتبے کی بنیاد اور معیار کیا ہے؟

اس پر ایک ضرب المثل تو عوامی ہے کہ عوام میں مشہور رہے کہ: ''قِيْمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يُحْسِنُ'' ہر آدمی کی اصل قدر، اس کا اصل مقام اس کام کی نسبت سے ہے جو وہ بخوبی، بطریق احسن اور بمہارت ادا کرتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص اپنے پیشے میں مہارت رکھتا ہو تو وہی پیشہ اس کی اصل پہچان ہوگا، اور اسی کے مطابق معاشرے میں اس کی حیثیت اور اس کا مقام ہوگا یا اگر کوئی شخص کسی ملک اور کسی علاقے کا حاکم اور منتظم ہو اور اپنے فرائض بخوبی ادا کر رہا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہو تو اس کا مقام اور اس کی پہچان اک اچھے منتظم کی حیثیت سے ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی سخاوت میں مشہور ہو تو اسی حوالے سے معاشرے میں اس کا مقام ہوگا۔

تو یہ ضرب المثل تو عوام الناس میں مشہور ہے، مگر اسی مناسبت سے ایک ضرب المثل خواص میں بھی مشہور ہے، اور وہ ہے: ”قِيمَةُ كُلِّ امْرِیءٍ مَا يَطْلُبُ“ آدمی کی اصل قدر و قیمت اُس چیز میں ہے جس کی وہ خواہش اور طلب وجستجو کرتا اور عزم رکھتا ہے۔

مثلاً: اگر کوئی شخص کسی ایسے کام میں مہارت رکھتا ہو جسے معاشرے میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو، مگر وہ کام اُس نے صرف ضرورت اور گزر اوقات کے لیے اختیار کر رکھا ہو، تو وہ کام اس کی پہچان اور اس کے مقام ومرتبہ کی علامت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس کی اصل پہچان اور اس کا مقام ومرتبہ اس کی خواہش اور طلب، اس کی سوچ اور کردار، اور اس کے نصب العین میں ہوگا، جس کا وہ دل میں عزم مصمم رکھتا ہو، کہ جس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ((سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ))

میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ: ((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِهِ))

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد۔

((قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ))

میں نے پوچھا کہ کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

((قَالَ: أَعْلَاهَا ثَمَنًا ، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو سب سے مہنگا ہو، اور اپنے مالکوں کے ہاں سب سے عزیز ہو۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟))

میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ نہ کرسکوں تو؟

((قَالَ: تُعِينُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ))

تو فرمایا: کسی کام کرنے والے کی مدد اور اعانت کردو، یا کسی اناڑی اور ناتجربہ کار کا کام کردو۔

((قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ))

میں نے عرض کیا، اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں تو؟

((قَالَ : تَدَعُ النَّاسَ مِنْ الشَّرِّ))

فرمایا: تو لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو۔

تو گویا کہ انسان کی زندگی کا کم سے کم نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم نقصان بھی نہ پہنچائے۔

((فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ .))[1]

تو آدمی کے مقام و مرتبے کے معیار کے حوالے سے یہ دوسری ضرب المثل جو کہ خواص کی ہے، یعنی علماء وحکماء اور دانشوروں کے ہاں معروف ومشہور ہے زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ کیوں کہ اگر آدمی کی حیثیت اور اس کے مقام و مرتبے کا معیار کام کی نوعیت قرار دیا جائے تو پھر مزدور لوگ جو کہ لوگوں کی غالب اکثریت ہیں بے مقام اور بے حیثیت قرار پاتے ہیں، جب کہ آدمی کے مقام و مرتبے کا معیار اس کا کام نہیں بلکہ اس کی سوچ اس کے خیالات، اس کے افکار اور اس کے عزائم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((قَالَ: كُنْتُ أَرْعَى غَنَمًا لِعُقْبَةَ ابْنِ أَبِي مُعَيْطٍ))

[1] بخاري: ٢٥١٨.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔‘‘

((فَمَرَّ بِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُوْبَكْرٍ))

ایک روز میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔

((فَقَالَ: يَا غُـلَامُ! هَلْ مِنْ لَبَنٍ؟))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوان! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟

((قَالَ: قُلْتُ : نَعَمْ))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا: ہاں،

((وَلٰكِنِّيْ مُؤْتَمَنٌ)) مگر میں امانت دار ہوں، (یعنی یہ میرے پاس امانت ہیں)

((قَالَ: فَهَلْ مِنْ شَاةٍ لَمْ يَنْزُ عَلَيْهَا الْفَحْلُ؟))

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس پر نر کودا نہ ہو یعنی جفتی نہ کی ہو؟

((فَأَتَيْتُهُ بِشَاةٍ))

تو میں نے آپ ﷺ کو ایک ایسی بکری حاضر کردی۔

((فَمَسَحَ ضَرْعَهَا فَنَزَلَ لَبَنٌ .))

آپ ﷺ نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا تو اس کا دودھ اُتر آیا۔

((فَحَلَبَهُ فِيْ إِنَاءٍ))

’’آپ ﷺ نے اسے ایک برتن میں دوہا۔‘‘

((فَشَرِبَ وَسَقَى أَبَابَكْرٍ))

آپ ﷺ نے خود بھی پیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا۔

((ثُمَّ قَالَ لِلضَّرْعِ: إِقْلِصْ ، فَقَلَصَ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پھر آپ ﷺ نے تھن کو کہا سکڑ جا، اور وہ سکڑ گیا۔

((قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بَعْدَ هٰذَا))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فرماتے ہیں، پھر اس واقعے کے بعد ایک دفعہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا

((فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ))

اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ باتیں مجھے بھی سکھایئے۔

((قَالَ: فَمَسَحَ رَأْسِيْ، وَقَالَ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ! فَإِنَّكَ غُلَيِّمٌ مُعَلَّمٌ)) [1]

تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تم سیکھے سکھائے نوجوان ہو۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جن کی معاشرے میں حیثیت اور مقام و مرتبے کا تعین اگر اُن کے کام کی وجہ سے کیا جاتا تو وہ محض اک چرواہے تھے، جنھیں دیہات کی زبان میں کمّی کہا جاتا ہے، مگر اُن کا اصل مقام ان کی امانت داری اور ان کے کردار کی بلندی قرار پایا اور وہ بھی آپ ﷺ کی زبان اقدس سے کہ: ((فَإِنَّكَ غُلَيِّمٌ مُعَلَّمٌ)) کہ تم ایک سیکھے سکھائے نوجوان ہو۔

آدمی کی یہ خواہش کہ سوسائٹی میں اس کو ایک اچھا مقام حاصل ہو، اس کا ایک سٹیٹس (Status) ہو، اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، فی ذاتہ بُری خواہش نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کی جائز اور فطری خواہش ہے۔

لیکن اُس مقام و مرتبے کی بنیاد اور معیار اپنی طرف سے گھڑ لینا اور مقرر کر لینا، نہ صرف یہ کہ ایک جھوٹا، جعلی اور مصنوعی معیار ہوتا ہے بلکہ معاشرے میں تَفَرُّق و تَشَتُّت، اختلاف و

[1] ابن حبان: ۷۱۸۶.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتشار اور نفرت، حسد، بغض کدورت، طبقاتی کشمکش اور ظلم و ناانصافی کو جنم دیتا ہے۔

انسان کا اصل مقام اس کے اخلاق و کردار، اس کی افادیت، اس کی شرافت، اور اسلام سے اس کی وابستگی اور وفاداری کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اور اسلام سے گہری وابستگی اس کے مقام کو اور بلند کرتی اور چار چاند لگا دیتی ہے۔ اس پر یقیناً بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مگر ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

حدیث میں ہے:

((اَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ کَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابًّا))

''''ایک سیاہ فام عورت یا ایک نوجوان مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتی یا کرتا تھا۔''

((فَفَقَدَهَا أَوْ فَقَدَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ))

''آپ ﷺ نے اس عورت یا اس نوجوان کو موجود نہ پا کر اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔''

((فَقَالُوْا مَاتَ))

''تو لوگوں نے بتایا کہ وہ فوت ہوگیا ہے۔''

قَالَ اَفَـلَا کُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ))

''آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟''

((فَکَأَنَّهُمْ صَغَّرُوْا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ))

''گویا کہ لوگوں نے اس عورت یا اس نوجوان کے معاملے کو معمولی جانا۔''

((فَقَالَ: دُلُّوْنِيْ عَلٰی قَبْرِهِ))

''تو فرمایا: مجھے اس کی قبر کی نشاندہی کرو۔''

((فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰی عَلَيْهَا))

''لوگوں نے اس کی نشاندہی کی تو آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ))

''پھر فرمایا: یہ قبریں اپنے مکینوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ میرے اُن کا جنازہ پڑھنے پر انہیں روشن کر دیتا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں کسی بے سہارا اور کالی عورت اور وہ بھی مسجد میں جھاڑو دینے والی کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے، چنانچہ لوگوں نے اسے عام اور معمولی حیثیت والی عورت سمجھ کر جنازہ پڑھ کر دفنا دیا۔

مگر وہ تو لوگوں کا بنایا ہوا معیار ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں آدمی کی اعلیٰ شخصیت ہونے کا اک دوسرا معیار ہے اور وہ ہے اس کا تقویٰ و پرہیز گاری اور اسلام سے اس کے تعلق کی گہرائی۔

چنانچہ اس سے بڑھ کر کسی کی خوش قسمتی اور کسی کے مقام کی بلندی کیا ہوگی جسے آپ ﷺ قابل اہمیت اور توجہ اور درخور اعتنا سمجھتے ہوں۔

آج دین کے ساتھ نسبت اور وابستگی پر لوگ شرم محسوس کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ دین کے ساتھ نسبت و تعلق ایک مسلمان کا سرمایۂ حیات ہے، اس کی عزت و افتخار ہے، اس کی خوش بختی اور سعادت مندی ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ آپ ﷺ سیدالاولین و الآخرین اور سرور کائنات معاملاتِ دین کا اس درجہ اہتمام کرتے اور اہمیت دیتے کہ تواضع اور انکساری کے بلندترین مقام پر فائز ہوتے۔ حدیث میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

((غَدَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ لِيُحَنِّكَهُ))

''میں صبح کے وقت عبد اللہ بن ابی طلحہ کو آپ ﷺ کے پاس گھٹی دلانے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے کر لے گیا۔“

((فَوَافَيْتُهُ فِي يَدِهِ الْمِيْسَمُ يَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَةِ))

”تو میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لوہے کا تیز دھار آلہ تھا جس سے آپ ﷺ صدقے کے اونٹوں کو نشان لگا رہے تھے۔ تاکہ صدقے کے اونٹ دوسرے اونٹوں کے ساتھ گڈمڈ اور خلط ملط نہ ہو جائیں۔“

اب اس سے بڑھ کر دین کے معاملات کی اہمیت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے نشان لگا رہے ہوں، بدبو کی اذیت برداشت کر رہے ہوں اور ہاتھ خون سے لت پت ہوں۔

تو معاشرے میں انسان کے مقام و مرتبے کی علامت اس کی پہچان اور اس کا معیار وہ ہے جو اسلام نے مقرر کیا ہے جبکہ خودساختہ معیار کے نتائج انتہائی خوفناک ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں عزت و شرافت اور مقام و مرتبے کا ایک معیار مال و دولت سمجھا جاتا ہے، مگر مال و دولت صرف اس شخص کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے جو جائز طریقے سے کمائے اور جائز اور حلال طریقے سے خرچ کرے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ))

”یہ مال یقیناً شیریں اور سرسبز ہے۔“

((مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ بِحَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ))

”پس جس نے اسے حق کے ساتھ، یعنی جائز طریقے سے حاصل کیا اور حق کے ساتھ لگایا یعنی جائز طریقے سے خرچ کیا تو وہ بہترین امداد ہے۔“

((وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور جس نے اسے ناحق حاصل کیا، وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔''

اور ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ))

''صالح مال، صالح شخص کے لیے کیا ہی خوب ہے۔''

مال و دولت کے بارے میں لوگوں میں جو ایک عمومی تصور پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مال و اولاد اور دیگر نعمتیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتے ہیں۔ خود سے یہ طے کر لینا کہ فلاں نعمت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے انسان کو دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوگ اپنی کوٹھیوں اور اپنے بنگلوں پر یہ آیت لکھواتے ہیں:

﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾

''یہ میرے رب کا فضل ہے۔''

یہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے، پوری آیت نہیں ہے اب پوری آیت کیوں نہیں لکھتے اس لیے کہ اس سے دولت اور چودھراہٹ کا نشہ کافور ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے فرمایا:

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ﴾ (النمل:٤٠)

''یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔''

اندازہ کیجیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو فضل ربی کو ایک امتحان سمجھتے تھے، مگر ہم کس طرح یقین کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

مال و دولت کے نقصانات میں سے، اگر جائز طریقے سے نہ کمایا گیا ہو اور جائز طریقے پر خرچ نہ کیا گیا ہو، بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ تکبر اسے ظلم و زیادتی پر ابھارتا اور برانگیختہ کرنے لگتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشرف مخلوق انسان یا فرشتے؟

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: ۷۰)

''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔''

کائنات میں انسان کا مقام ومرتبہ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس حوالے سے آپ نے یہ تو سن رکھا ہوگا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

انسان یقیناً اک نہایت ہی معزز ومکرم اور شرف وفضیلت والی مخلوق ہے، لیکن کیا وہ علی الاطلاق تمام مخلوقات سے افضل واشرف ہے؟ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی دلیل معلوم نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ:

﴿وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: ۷۰)

اللہ فرماتے ہیں: ''ہم نے انسان کو بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت بخشی ہے۔''

تو انسان کو یقیناً بہت سی مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے، مگر سب پر نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس حدیث کی روشنی میں فرشتوں کا سب سے افضل واشرف ہونا ثابت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ الْفُقَرَاءُ الْمُهَاجِرُوْنَ .))

''اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے پہلے جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

فقراء مہاجرین ہوں گے۔‘‘

((اَلَّذِيْنَ تُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُوْرُ وَ يُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ، وَ يَمُوْتُ اَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهٗ فِيْ صَدْرِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُ لَهَا قَضَاءً .))

’’وہ فقراء مہاجرین کہ جن سے مورچے بھرے جاتے ہیں، یعنی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے اور حملہ آور دشمن کو روکتے ہوئے وہ پیش پیش ہوتے ہیں اور ڈھال کا کام دیتے ہیں۔‘‘

((وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ .))

’’پُر مشقت اور ناپسندیدہ کاموں سے ان کے ذریعے بچا جاتا ہے۔‘‘ یعنی وہ ہر خدمت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

((وَيَمُوْتُ اَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهٗ فِيْ صَدْرِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُ لَهَا قَضَاءً .))

’’اور ان میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے، تو اس کی خواہش دل میں ہی رہ جاتی ہے، اسے پورا نہیں کر سکتا۔‘‘

یعنی وہ اپنی معمولی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے ورنہ تمام کی تمام خواہشات تو کبھی بھی نہ کسی کی پوری ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔

((فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ مَلَائِكَتِهٖ .))

’’تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا۔

((اِئْتُوْهُمْ فَحَيُّوْهُمْ .))

’’کہ جاؤ اور ان کا خیر مقدم کرو، اُن کا استقبال کرو۔‘‘

((فَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: نَحْنُ سُكَّانُ سَمَائِكَ وَخِيْرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ اَفَتَاْمُرُنَا اَنْ نَاْتِيَ هٰؤُلَاءِ فَنُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ؟))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے استفسار کرتے ہوئے حکمت معلوم کرتے ہوئے، کہ ہم تیرے آسمان کے رہائشی ہیں، اور تیری مخلوقات میں سے سب سے افضل ہیں کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ان کے پاس جا کر انہیں سلام کریں۔ اور استقبال کریں؟"

اور ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے کہیں گے:

((وَاِنَّكَ تُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَبْلَنَا .))

"کہ تو ہم سے پہلے ان کو جنت میں داخل کرے گا؟"

((قَالَ: اِنَّهُمْ كَانُوْا عِبَادًا يَعْبُدُوْنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا .)) [1]

۔تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ان باتوں کی نفی نہیں فرمائیں گے بلکہ۔فرمائیں گے کہ وہ ایسے بندے ہیں جو میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔"

((قَالَ فَتَاْتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ ، ﴿يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ .))

(الرعد: ٢٤)

"تو تب فرشتے ان کے پاس آئیں گے، پھر آپ ﷺ نے سورۂ رعد کی آیت تلاوت فرمائی: "تو فرشتے ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو پس کیا ہی خوب ہے آخرت کا گھر۔"

تو اس حدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے سب سے افضل ہیں۔ جہاں تک انسان کی فضیلت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت فضیلت والا ہے، اور بہت سی مخلوقات سے افضل ہے اور انسان کی فضیلت کے قرآن وحدیث میں بہت زیادہ دلائل ہیں۔

[1] مسند احمد: ٦٥٧٠ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر انسان کو اپنی فضیلت ثابت کرنا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا اور انہیں عقل سے نوازا مگر ان میں خواہشات اور شہوات نہیں رکھیں۔

جانوروں کو پیدا فرمایا اور ان میں خواہشات و شہوات رکھیں مگر عقل نہیں دی، سوائے اک محدود سی عقل کے۔

اور انسان کو پیدا فرمایا تو اس کو عقل سے بھی نوازا اور اس میں خواہشات وشہوات بھی رکھیں۔

پس اگر انسان کی عقل اس کی خواہشات پر غالب آ گئی تو اس نے اپنی فضیلت ثابت کر دی اور اس کا شمار فرشتوں کی طرح ہوگا۔

لیکن اگر اس کی شہوات اور خواہشات اس کی عقل پر غالب آ گئیں تو اس نے اپنی فضیلت کھو دی اور اس کا شمار جانوروں کی طرح ہوگا، بلکہ (بل هم اضل) قرار پائے گا کہ وہ جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہے، کیونکہ جانور اگر اپنی خواہشات میں مگن ہیں تو ان کے پاس ایک عذر موجود ہے کہ انہیں عقل نہیں دی گئی، جبکہ انسان کو تو عقل بھی دی گئی ہے جو کہ صحیح اور غلط میں فرق وتمیز کرتی ہے۔ اچھے اور برے اور نفع ونقصان کی پہچان کراتی ہے۔

تو انسان کے اپنی فضیلت ثابت کرنے اور اپنی فضیلت کھونے کو ایک اس انداز میں بھی بیان فرمایا گیا کہ:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○﴾ (الشمس : ۹ - ۱۰)

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔''

تو انسان جیسا کہ گزشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ معاشرے میں اپنا مقام ومرتبہ اور اپنی حیثیت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ایک خود ساختہ معیار کی روشنی میں، جبکہ حقائق کی روشنی میں اور اسلام کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو نتائج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف ہوتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں انسان کی حیثیت کا معیار اس دنیا میں اور آخرت میں لوگوں کے بنائے ہوئے معیار سے مختلف ہے۔

اس وقت ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے، صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور علماء کرام رحمہم اللہ کے چند پُر حکمت اقوال کا تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ .))

''حیثیت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔''

((فَعَالِمٌ رَبَّانِیٌّ .))

''عالم ربانی، یعنی دین کا علم رکھنے والا عالم۔''

((وَمُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيْلِ نَجَاةٍ .))

''اور نجات کی غرض سے علم حاصل کرنے والا طالب علم۔''

((وَهَمَجٌ رُعَاعٌ ، اَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ .)) [1]

''اور تیسرا احمق و نادان عامّی جو ہر ہانک لگانے والے کے پیچھے چل نکلنے والا ہے۔''

یعنی لوگوں کی صرف یہی تین قسمیں ہیں، ان سے باہر کوئی انسان نہیں، ان کے علاوہ کوئی اپنے آپ کو چاہے کچھ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرے اور چاہے کسی بھی حیثیت کا دعویٰ کرے مگر حقیقت میں لوگوں کی صرف یہی تین قسمیں ہیں، چوتھی کوئی نہیں، لہٰذا کوئی اپنی حیثیت جاننا چاہے تو ان تینوں میں اپنے آپ کو ڈھونڈے کہ آدمی کی چوتھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یعنی فضیلت کے اعتبار سے سب سے مقدم عالم ربانی ہے کہ جسے دوسروں کی خیرخواہی

[1] تاریخ دمشق، ج٥، ص ٢٥١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلوب ہے، اور دوسرے نمبر پر وہ جسے اپنی خیر خواہی مطلوب ہے، اور اپنی نجات کی فکر ہے، لہٰذا اس کے لیے وہ مقدور بھر کوشش کرتا ہے، لیکچرز سنتا ہے، کتاب پڑھتا ہے، دین کے مسائل معلوم کرتا ہے، کیونکہ اسے اپنی نجات کی فکر ہے۔

اور تیسرا شخص تین میں نہ تیرہ میں، اس کی کوئی حیثیت نہیں، وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جس کا نعرہ اسے پسند آ گیا۔

((اَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ .))

''وہ ہر ہانکنے والے کی پکار پر چلا جاتا ہے۔''

جس طرح چرواہا آواز لگاتا ہے تو بھیڑ بکریاں اس کی آواز کے مطابق چلنے لگتی ہیں، انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کیا کہا ہے، بس صرف آواز کے پیچھے چلتے ہیں۔

وہ کہے مظاہرہ کرو، مظاہرہ کرنے لگ جاتے ہیں، وہ کہے توڑ پھوڑ کرو، توڑ پھوڑ کرنے لگ جاتے ہیں، وہ کہے ہڑتال کرو ہڑتال کرنے لگ جاتے ہیں۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ اس نے صحیح کہا ہے یا غلط۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَاِنَّهُمُ الْاَكْثَرُوْنَ عَدَدًا ، الْاَ قَلُّوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ قَدْرًا .))

''ایسے لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت میں کم ہیں۔''

((وَهُمْ حَطَبُ كُلِّ فِتْنَةٍ .))

''ایسے ہی لوگ ہر فتنے کا ایندھن ہوتے ہیں۔''

((بِهِمْ تُوْقَدُ، وَيُشَبُّ ضِرَامُهَا .))

''انہی سے آگ لگائی جاتی ہے اور انہی سے بھڑکائی جاتی ہے۔''

((وَهٰؤُلَاءِ مِنْ اَضَرِّ الْخَلْقِ عَلَى الْأَدْيَانِ .))[1]

[1] مفتاح دار السعادة، ج ۱، ص ۳۵۹.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور یہی لوگ ادیان کے لیے سب سے خطرناک اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔''

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

((فَإِنَّ الرَّجُلَ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ بَصِيْرًا .))

''کہ آدمی یا تو صاحب بصیرت و بصارت ہوتا ہے، یعنی صاحب علم اور دانا و بینا ہوتا ہے۔''

((أَوْ أَعْمٰى مُتَمَسِّكًا بِبَصِيْرٍ يَقُوْدُهٗ .))

''یا وہ خود تو نابینا ہے مگر کسی بینا کا ہاتھ تھام رکھا ہوتا ہے، جو اس کی رہنمائی کر رہا ہوتا ہے۔''

((أَوْ أَعْمٰى يَسِيْرُ بِلَا قَائِدٍ .)) [1]

''یا وہ نابینا بھی ہوتا ہے اور بغیر کسی قائد و رہنما کے بھی چل رہا ہوتا ہے۔''

اور آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اسی لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لَوْلَا الْعُلَمَاءُ لَكَانَ النَّاسُ كَالْبَهَائِمِ . [2]

''اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ چوپاؤں کی طرح ہوتے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو لوگوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، اپنی اپنی قسم ان میں سے تلاش کریں، ان تینوں میں سے ہم کسی نہ کسی ایک میں ضرور موجود ہوں گے۔

مشہور تابعی امام ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے انہی اقسام کو ایک دوسرے انداز میں پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ فرمایا:

إِذَا مَا مَاتَ ذُوْ عِلْمٍ وَ تَقْوٰى
فَقَدْ ثُلِمَتْ مِنَ الْإِسْلَامِ ثُلْمَةٌ

---

[1] مفتاح دار السعادة لابن القيم، ج١، ص ٣٦٢.

[2] سنن الصالحين وسنن العابدين لأبي الوليد الباجي، ص ٢٤٩، رقم: ٨٥١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جب کوئی صاحب علم وتقویٰ فوت ہوتا ہے تو اسلام میں اک دراڑ پڑ جاتی ہے۔''

وَ مَوْتُ الْحَاكِمِ الْعَدْلِ الْمُوَلّٰی
بِحُكْمِ الشَّرْعِ مَنْقَصَةٌ وَنِقْمَة

''اور ایک عادل حکمران کا فوت ہونا جو شریعت کے حکم کے مطابق حکومت کرتا ہو، نقص اور نقمت ہے۔''

ومَوتُ العَابِدِ القَوَّامِ لَيْلًا
يُنَاجِى رَبَّه في كُلِّ ظُلْمَة

''اور عابد و زاہد، شب زندہ دار اور تہجد گزار کا فوت ہونا بھی جو رات کی تاریکی میں اپنے رب سے سرگوشیاں کرتا ہے۔''

ومَوتُ فَتًى كثيرِ الجُودِ مَحْلٌ
فَانَّ بَقَاءَهُ خيرٌ ونِعْمَة

''اور کثیر السخاوت نوجوان کی موت جَدْب وقحط سالی ہے، اور اس کی زندگی اور بقا خیر اور نعمت ہے۔''

ومَوتُ الفَارِسِ الضِّرغامِ هَدْمٌ
فَكَمْ شَهِدَت لَه فِي الحَرب عَزْمة

''اور اک شیر شہسوار کی موت شکستگی اور تباہی ہے، میدانِ جنگ میں اس کے کتنے ہی فیصلہ کن مواقف اس کی گواہی دیتے ہیں۔''

فَحَسْبُكَ خَمْسَةٌ يُبْكَى عَلَيْهِم
وَبَاقِي النَّاسِ تَخْفِيفٌ وَرَحْمَة

''بس یہ پانچ ہی ہیں جن پر آنسو بہائے جاتے ہیں، ان کے علاوہ جو ہیں ان کے فوت ہونے سے زمین کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ اور بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رحمت ہے۔“

وَبَــاقِــي الــنَّــاسِ هَـمَـجٌ رُعَــاعٌ
وَفِــي اِيْـجَـادِهِـمْ لِـلّٰــهِ حِـكْـمَةٌ ❶

”اور باقی لوگ عامی اور احمق و نادان ہیں، انہیں پیدا کرنے میں اللہ کی حکمت ہے۔“

ان اشعار کی تشریح کا تو یہ مقام نہیں ہے، البتہ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اپنی حیثیت معلوم کرنا ہو تو ان مذکورہ پانچ صفات میں اپنے آپ کو تلاش کریں، اگر ان میں نہیں ہیں۔ تو پھر جان لیں کہ آپ اللہ کی زمین پر بوجھ ہیں اور اس کے بندوں کے لیے باعث اذیت ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جب فوت ہوتا ہے تو یا تو وہ مستریح ہوتا ہے یا مستراح منہ ہوتا ہے، یعنی یا تو اس کی دنیا کی پریشانیوں سے جان چھوٹ جاتی ہے یا اس کے شر سے لوگوں کی جان چھوٹ جاتی ہے۔

اب ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ہم کون سی قسم میں سے ہیں۔

ان اشعار میں امام ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ

فَـحَـسْـبُـكَ خَـمْـسَـةٌ يُـبْـكَـى عَـلَيْـهِـمْ
وَبَــاقِــي الـنَّــاسِ تَـخْـفِـيْـفٌ وَرَحْـمَـةٌ

”بس یہ پانچ ہی ہیں جن پر رویا جاتا ہے، اور باقی لوگوں کا جانا زمین کا بوجھ ہلکا ہونا اور لوگوں کے لیے باعث رحمت ہونا ہے۔“

تو یقیناً کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کی موت پر زمین و آسمان روتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی موت پر اللہ کی مخلوق سکھ کا سانس لیتی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ جو ایک بہت بڑے عالم اور تابعی تھے، روایت کرتے

❶ طبقات الشافعیه، للسبکی، ج۸، ص ۱۰۰.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ:

((اَتَی ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما رَجُلٌ ، فَقَالَ: یَا اَبَا الْعَبَّاسِ! اَرَأَیْتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ﴾. فَهَلْ تَبْكِي السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ عَلٰی اَحَدٍ؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا: اے ابوالعباس! آپ کا اللہ عزوجل کے اس فرمان کے متعلق کیا خیال ہے ''پھر نہ ان پر آسمان اور زمین روئے اور نہ وہ مہلت دیے گئے۔'' تو کیا کسی شخص پر آسمان اور زمین روتے ہیں؟

((قَالَ نَعَمْ: اِنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ اِلَّا لَهٗ بَابٌ فِی السَّمَاءِ یَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهٗ، وَفِیْهِ یَصْعَدُ عَمَلُهٗ .))

''آپ نے فرمایا: جی ہاں! مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے مگر آسمان میں اس کا ایک دروازہ ہے اس سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور اسی میں اس کا عمل چڑھتا ہے۔

((فَاِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ فَاُغْلِقَ بَابُهٗ فِی السَّمَاءِ الَّذِیْ کَانَ یَصْعَدُ فِیْهِ عَمَلُهٗ، وَیَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهٗ، بَکٰی عَلَیْهِ .))

چنانچہ مومن بندہ جب فوت ہوتا ہے تو آسمان میں اس کا وہ دروازہ جس میں اس کا عمل چڑھتا اور اس سے اس کا رزق اترتا تھا بند کر دیا جاتا ہے تو وہ اس (آدمی) پر روتا ہے۔

((وَاِذَا فَقَدَهٗ مُصَلَّاهُ مِنَ الْاَرْضِ الَّتِیْ کَانَ یُصَلِّیْهَا فِیْهَا، وَیَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا بَکَتْ عَلَیْهِ .))

اور جب زمین میں سے اس کی جائے نماز اسے گم پاتی ہے کہ جہاں وہ نماز پڑھتا اور اللہ کا ذکر کرتا تھا تو زمین کا وہ حصہ اس پر روتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((وَإِنْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ آثَارٌ صَالِحَةٌ ، وَلَمْ يَكُنْ يَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ مِنْهُمْ خَيْرٌ ، قَالَ: فَلَمْ تَبْكِ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْض .)) ❶

''اور بے شک قوم فرعون کے لیے زمین میں کوئی نیک آثار نہیں تھے اور نہ ان کے لیے آسمان میں کوئی بھلائی چڑھی ہے لہٰذا وہ ان پر نہیں روئے۔''

بہرحال مال و دولت، عزت وعظمت اور فضل وشرف کا معیار یقیناً نہیں ہے۔ دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں معیار نہیں ہے وہ تو آل فرعون کے پاس بھی بہت تھیں۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَزُرُوعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيمٍ ○ وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فَاكِهِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ ○ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنظَرِيْنَ ○﴾ (الدخان: ۲۵ ـ ۲۹)

''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے، کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے، اور عیش وعشرت کا سامان کہ جن میں وہ مزے کر رہے تھے، مگر اس کا انجام کچھ یوں ہوا کہ ہم نے ان سب چیزوں کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا، اور پھر اُن پر آسمان رویا اور نہ زمین، اور نہ ہی وہ ذرا سی بھی مہلت دیے گئے۔''

اس لیے دین کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں کہ یہی دنیا اور آخرت میں حقیقی شرف وفضیلت کا سبب ہے، اور یہی حقیقی مقام ومرتبہ ہے۔

---

❶ شعب الایمان للبیهقی: ۳۰۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم کی حقیقت اور اس کی سنگینی

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ٥ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ٥ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ٥﴾

(العلق: ٦ ـ ٨)

ہر شخص جانتا ہے اور خوب جانتا ہے، بلکہ عینی مشاہدہ بھی رکھتا ہے کہ دنیا میں بے شمار مسائل و مصائب اور مشکلات ہیں۔ آپس کے جھگڑے ہیں، گھریلو تنازعات ہیں، لین دین کے اختلافات ہیں حقوق کی جنگ ہے، پسند ناپسند پر سر پھٹول اور دھینگا مشتی ہے۔

ان مسائل کے اسباب کا اگر تفصیلی جائزہ لیں تو وہ یقیناً بہت زیادہ ہیں، لیکن اگر مختصر اور بنیادی بات کریں تو وہ یہ ہے کہ انسان میں کچھ فطری کمزوریاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں جو ان تمام مسائل کا اصل سبب ہیں قرآن پاک میں انسان کی متعدد فطری کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ٥﴾ (الاحزاب: ٧٢)

''بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ٥﴾ (النسآء: ٢٨)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ قَتُورًا ٥﴾ (الاسراء: ١٠٠)

''اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ٥ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ٥ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ٥﴾ (المعارج: ۱۹ ـ ۲۱)

’’بے شک انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔‘‘

تو اس طرح کی متعدد فطری کمزوریاں انسان میں پائی جاتی ہیں۔ جو کہ یقیناً قابل اصلاح ہیں، ان پر قابو پایا جا سکتا ہے، ان کمزوریوں اور خامیوں کو خوبیوں میں بدلا جا سکتا ہے اگر انہیں بدلا نہ جا سکتا ہوتا اوران کی اصلاح ممکن نہ ہوتی تو باز پرس اور حساب کتاب بھی نہ ہوتا۔

لہٰذا انسان میں موجود فطری خامیاں اور کمزوریاں ان مسائل کا اصل سبب ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ان مسائل کے حل کے لیے ہمیں اپنی ان فطری کمزوریوں پر قابو پانا ہوگا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دینا ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ فطری کمزوریوں کی اصلاح کیسے ہوگی، اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

تو طریقہ کار جاننے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فطری کمزوریوں پر قابو پانا اگرچہ ممکن تو ہے، مگر آسان نہیں ہے فطری کمزوریوں پر قابو پانا ایسے ہی ہے جیسے کھلے سمندر میں پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت پر تیرنا، چنانچہ ان کے لیے جہد مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے، مواظبت اور مداومت کی ضرورت ہوتی ہے، پابندی اور ہمیشگی کی ضرورت ہوتی ہے، عزم مصمم اور پختہ ارادے کی ضرورت ہوتی ہے، اور سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے۔

البتہ اگر آخرت کی حقیقت سمجھ میں آ جائے، اس پر ایمان مضبوط اور گہرا ہو تو پھر کسی بھی فطری کمزوری کو بدلنا آسان ہو جاتا ہے۔

تو طریقہ کار کسی بھی فطری کمزوری پر قابو پانے کا اور اس کی اصلاح کا یہ ہے کہ سب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے اس سے آگاہی حاصل ہو، اس کا عقلی، معاشی، اور معاشرتی لحاظ سے قابل مذمت، قابل نفرت اور نقصان دہ ہونا ثابت ہو، اور اگر آدمی مسلمان ہو تو اس کے لیے اس فطری کمزوری کا شرعی لحاظ سے برا ہونا ہی کافی ہوگا، مگر اس پر اس بری فطری عادت اور کمزوری کی شدت اور سنگینی کو واضح کیا جائے اور اسے اس کے انجام بد سے خبردار کیا جائے۔

لٰہذا ہم آج کی اس گفتگو میں اپنی اصلاح کی خاطر انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک نہایت ہی خطرناک کمزوری کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ کہ جس کی وجہ سے دنیا مصیبت کدہ بنی ہوئی ہے، اور وہ ہے ظلم۔

اہل لغت ظلم کی جو تعریف کرتے ہیں وہ تو کچھ یوں ہے کہ وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ . ''کسی چیز کو اس کے مقام سے ہٹا کے رکھنا۔''

یعنی کسی چیز کو اس کے مقام سے اوپر کر دیں تو بھی ظلم ہے اور اس کو اس کے مقام سے نیچے کر دیں تو بھی ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبے کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ "لا شريك له" ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک کرنا جو کہ اس کے مقام میں کمی کرنا ہے ظلم ہے بلکہ ظلم عظیم ہے، اور ظلم کی انواع واقسام میں سب سے بڑا ظلم شرک کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (لقمان: ١٣)

''شرک یقیناً ظلم عظیم ہے۔''

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا مقام انسانوں میں یقیناً سب سے بلند ہے لیکن انہیں ان کے مقام سے بڑھا دینا بھی ظلم ہے۔

عوام الناس کے ہاں ظلم کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی حق تلفی کرنا، کسی کو ذہنی اور جسمانی اذیت دینا، کسی کی ذات، مال اور عزت میں اس کو نقصان پہنچانا ظلم ہے۔

ظلم کی یہ دونوں تعریفیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، مگر ظلم کی اقسام اور ان کی سنگینی کے لحاظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ذرا جانتے ہیں، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدَّوَاوِیْنُ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ثَلَاثَۃٌ .))

''اللہ تعالیٰ کے ہاں رجسٹرز اور دفتر تین قسم کے ہیں۔''

((دِیْوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ شَیْئًا .))

''ایک دفتر ایسا ہے کہ اس میں جو کچھ درج ہو، اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔''

((وَ دِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُ اللّٰہُ مِنْہُ شَیْئًا .))

''اور ایک دفتر ایسا ہے کہ اس میں جو کچھ درج ہو، اللہ تعالیٰ اس میں سے کسی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔''

اس میں درج کی گئی ایک ایک چیز کا حساب کرتے ہیں۔

((وَ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُہُ اللّٰہُ .))

''اور ایک دفتر ایسا ہے کہ اس میں اگر کچھ درج ہو تو اسے اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرتے۔''

((فَاَمَّا الدِّیْوَانُ الَّذِیْ لَا یَغْفِرُہُ اللّٰہُ ، فَالشِّرْکُ بِاللّٰہِ .))

''پس وہ دفتر کہ جس میں درج کسی چیز کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔''

قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ﴾ (المائدۃ: ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی۔''

((وَاَمَّا الدِّیْوَانُ الَّذِیْ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ شَیْئًا فَظُلْمُ الْعَبْدِ نَفْسَہٗ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ رَبِّہٖ مِنْ صَوْمِ یَوْمٍ تَرَکَہٗ ، اَوْ صَلَاۃٍ تَرَکَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَزَّوَجَلَّ يَغْفِرُ ذٰلِكَ وَيَتَجَاوَزُ اِنْ شَاءَ .))

''اور وہ دفتر کہ جس میں درج کسی چیز کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا، وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے، جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے، کسی دن کا روزہ چھوڑ دیا ہو یا کوئی نماز چھوڑ دی ہو، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا اور اس سے درگزر و تجاوز کرے گا۔''

((وَاَمَّا الدِّيْوَانُ الَّذِيْ لَا يَتْرُكُ اللّٰهُ مِنْهُ شَيْئًا ، فَظُلْمُ الْعِبَادِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا الْقِصَاصُ لَا مَحَالَةَ .))[1]

''اور وہ دفتر کہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہیں چھوڑتا، وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے، اس کا قصاص اور بدلہ لازمی ہے۔''

تو آج ہم ظلم کی اس آخری قسم کے حوالے سے بات کرنا چاہیں گے۔

اس حدیث میں تو اگرچہ ضعف ہے، مگر متعدد آیات و احادیث سے علماء کرام نے کچھ ایسا مفہوم مستنبط کیا ہے کہ مغفرت و بخشش کے لحاظ سے لوگوں کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگا۔

اس حدیث کی روشنی میں آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ ظلم کی یہ قسم کتنی سنگین ہے، حقوق اللہ کے مقابلے میں۔

ظلم کی سب سے خطرناک قسم تو وہی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا، اور پھر اس کے بعد دوسرے درجے کا سنگین جرم (ظلم العباد بعضهم بعضاً) بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔

لہٰذا اس سے آگاہی حاصل کرنا، اور اس کی شدت اور سنگینی معلوم کرنا اور اس کے انجام کے بارے میں جاننا نہایت ضروری ہے اگر اس سے بچنے کی فکر ہو تو؟۔

اور ظلم کے بارے میں جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ بہت سے لوگ ظلم کی بہت سی

[1] مسند احمد: ۲۶۰۳۱ ۔ سندہ ضعیف .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورتوں کو ظلم نہیں سمجھتے۔ یا اتنی اہمیت نہیں دیتے یا انہیں معمولی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ ظلم چاہے کتنا ہی چھوٹا اور ہلکا کیوں نہ ہو، ظلم ہی ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اقْتَطَعَ حقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ أَوْجَبَ لَهُ النَّارَ .))

''جو کوئی جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق مارے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اور جہنم واجب کر دیتا ہے۔''

((قَالُوْا وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟))

''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی معمولی سی چیز بھی ہو تو؟''

((قَالَ: وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ .)) [1]

''تو فرمایا: اگرچہ اراک کی لکڑی ہی کہ جس سے مسواک کی جاتی ہے کیوں نہ ہو۔''

یعنی مسواک کی لکڑی کے برابر بھی حق تلفی ہو یا مسواک کی ضرب سے ہی کسی کو جتنی تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، کیوں نہ ہو، ظلم تصور ہوتا ہے اور اس پر جنت حرام اور جہنم واجب کر دی جاتی ہے۔

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اس دن کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور گناہ بھی سامنے لایا جائے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝﴾

(الانبياء: ٤٧)

''قیامت کے دن ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا ہم

[1] صحيح مسلم: ١٣٧ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

بڑے بڑے گناہوں یا بڑے بڑے ظلموں سے تو بہت سے لوگ بچنے کی کوشش کرتے ہوں گے، مگر چھوٹے چھوٹے ظلموں سے کتنے لوگ بچنے کی کوشش کرتے ہیں، شاید بہت کم بلکہ شاید بہت سے لوگ انہیں ظلم ہی نہ سمجھتے ہوں گے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((اَلَا تُحَدِّثُوْنِی بِأَعَا جِیْبَ مَا رَاَیْتُمْ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ؟))

''کیا تم حبشہ کی سرزمین پر ہونے والے عجیب وغریب واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

((قَالَ فِتْیَةٌ مِنْهُمْ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ .))

''ان میں سے کچھ نوجوانوں نے کہا: ہاں ضرور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔''

((بَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَرَّتْ بِنَا عَجُوْزٌ مِنْ عَجَائِزِ رَهَا بِیْنِهِمْ .))

''ایک بار ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس سے ان کے درویشوں کے بوڑھوں میں سے ایک بڑھیا گزری۔''

((تَحْمِلُ عَلٰی رَاْسِهَا قُلَّةً مِنْ مَاءٍ .))

''اس نے سر پر پانی کا ایک مٹکا اٹھا رکھا تھا۔''

((فَمَرَّتْ بِفَتًی مِنْهُمْ .))

''وہ ان کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کے پاس سے گزری۔''

((فَجَعَلَ اِحْدٰی یَدَیْهِ بَیْنَ كَتِفَیْهَا ثُمَّ دَفَعَهَا فَخَرَّتْ عَلٰی رُكْبَتَیْهَا ، فَانْكَسَرَتْ قُلَّتُهَا .))

''اس نوجوان نے اس بڑھیا کے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ایک ہاتھ رکھا اور دھکا دے دیا، وہ بڑھیا گھٹنوں کے بل گر گئی، اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَلَمَّا ارْتَفَعَتْ ، الْتَفَتَتْ اِلَيْهِ .))

''وہ بڑھیا اٹھی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔''

((فَقَالَتْ سَوْفَ تَعْلَمُ يَا غُدَرُ .))

''تو اس نے کہا: تمہیں عنقریب پتا لگ جائے گا اے دھوکے باز۔''

((اِذَا وَضَعَ اللّٰهُ الْكُرْسِيَّ ، وَجَمَعَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَتَكَلَّمَتِ الْاَيْدِيْ وَالْاَرْجُلُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ، فَسَوْفَ تَعْلَمُ كَيْفَ اَمْرِيْ وَأَمْرُكَ عِنْدَهٗ غَداً .))

''جب اللہ تعالیٰ کرسی رکھے گا، اولین و آخرین کو جمع کرے گا، ہاتھ اور پاؤں بولیں گے جو جو وہ کرتے رہے، پس تمہیں معلوم ہو جائے گا میرا اور تیرا معاملہ کل کو اس کے ہاں کیا ہوتا ہے۔''

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدَقَتْ صَدَقَتْ .))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا۔''

((كَيْفَ يُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيْفِهِمْ مِنْ شَدِيْدِهِمْ .))[1]

اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے پاک کرے گا جس کے ہاں کمزوروں کو ان کے طاقتور لوگوں سے ان کا حق نہ دلایا جا سکے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ارض حبشہ کے عجیب وغریب واقعات میں سے یہ ایک واقعہ سنایا، اور انہیں اس واقعے میں جو عجیب وغریب بات لگی وہ شاید یہ تھی کہ اس بڑھیا کا قیامت کے دن ہونے والے حساب کتاب کی یہ تفصیل بیان کرنا تھا۔

قرآن وحدیث ان تفصیلات کی تصدیق کرتے ہیں۔

اب اس واقعہ سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نوجوان نے اس راہبہ کو جو دھکا دیا تو ظلم کی نیت سے نہیں بلکہ محض ایک فن کے طور پر، جس طرح بہت

[1] سنن ابن ماجه: ٤٠١٠ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے لوگ فن کے طور اس طرح کے کام کر جاتے ہیں اور وہ اسے ظلم نہیں سمجھتے۔

اور دوسرے یہ کہ جوانی میں طاقت کا نشہ اور خمار ہوتا ہے آدمی کا خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے، تا کہ اس کی طاقت کو تسکین ملے۔

یہ واقعہ صرف اس دور کی اور اس معاشرے کی عکاسی ہی نہیں کرتا بلکہ ہر دور میں طاقتور لوگوں کی اور کسی بھی قسم کے نشے میں مدہوش لوگوں کی اسی قسم کی سوچ ہوتی ہے، کچھ ایسا ہی طرز عمل ہوتا ہے۔

تو اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جنہیں لوگ عموماً ظلم نہیں سمجھتے، مگر لوگوں کے ظلم نہ سمجھنے سے وہ ظلم کی فہرست سے خارج نہیں ہو جاتے بلکہ ظلم ہی رہتے ہیں۔

ظلم کی بہت سی اور چھوٹی چھوٹی صورتوں میں سے ایک آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ: ((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ)) [1] ''مال دار اور صاحب حیثیت آدمی کا ٹرخانا، ادائیگی میں تاخیر کے لیے حیلے بہانے کرنا لٹکانا۔''

یعنی آدمی کسی کا مقروض ہو اور وہ قرض ادا کر بھی سکتا ہو مگر قرض خواہ کو ٹرخاتا رہتا ہو، حیلے بہانے کرتا رہتا ہو تو وہ ظلم ہے۔ اب ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اس قسم کے ظلم کو ظلم سمجھتے ہیں؟ ظلم تو کیا سمجھیں گے، ہمارے ہاں تو اس کو چالاکی، ہوشیاری اور سمجھداری سمجھا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ .))

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس اور کنگال کون ہوتا ہے؟

((قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ . قَالَ: الْمُفْلِسُ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَاَخَذَ مَالَ هٰذَا، وَ قَذَفَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا، وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا۔ فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ،

---

[1] بخاری: ٢٢٨٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَ هٰـذَا مِـنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ . اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ، ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ .)) ❶

صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سازوسامان۔ آپ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، تو اس کی نیکیوں میں سے اس کو بھی دیا جائے گا اور اس کو بھی دیا جائے گا اور اگر اس کے ذمے کی ادائیگی سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو اس کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا۔ پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

لہٰذا کبھی بھی کسی ظلم کو چھوٹا اور معمولی نہ جانیں، اور آپ ﷺ کی نصیحت کو ہر دم نظروں کے سامنے رکھیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَـنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلَمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ .)) ❷

"جس کسی کا اپنے مسلمان بھائی پر کیا ہوا ظلم اس کے ذمہ ہو، اس کی عزت کے حوالے سے یا کسی بھی اور معاملے میں تو اسے آج ہی اس سے معاف کروالے۔ اس سے پہلے کہ جب کوئی دینار ہوگا نہ درہم۔"

❶ صحيح مسلم: ٢٥٨ . ❷ صحيح البخاری ٢٤٤٩ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم کے بنیادی اسباب و وجوہات

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝﴾

(العلق: ٦ - ٨)

”ہرگز نہیں! یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز سمجھتا ہے، یقیناً تیرے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔“

گزشتہ خطبہ جمعہ میں دنیا کے مسائل و مصائب کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے جو بنیادی سبب معلوم ہوا وہ یہ کہ انسان میں کچھ فطری کمزوریاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں جو ان مسائل کا اصل سبب ہیں، اور ان فطری کمزوریوں میں جو چیز بالخصوص ان تمام مسائل کا سب سے بڑا اور ڈائریکٹ سبب ہے، وہ ہے انسان کی فطرت میں ظلم کا وجود، یعنی انسان فطرۃً ظلم کی طرف میلان اور رجحان رکھتا ہے۔

تو گزشتہ خطبہ جمعہ میں ظلم کی تعریف، اس کی شدت اور سنگینی، اس کی قباحت و شناعت اور اس کے انجام بد کا ذکر ہوا، اور آج کچھ ظلم کے اسباب و وجوہات جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

یوں تو ظلم کی شکلیں اور صورتیں اور اس کی قسمیں بھی بہت ہیں اور اس کے اسباب بھی بہت ہیں، مگر اس کا ایک بڑا اور بنیادی سبب کہ باقی تمام اسباب جس کے گرد گھومتے ہیں، وہ ہے انسان کا مستغنی ہونا۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝﴾

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”ہرگز نہیں، انسان یقیناً اس بنا پر سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز دیکھتا ہے۔“

یعنی انسان حقیقت میں مستغنی اور بے نیاز نہیں ہے، بلکہ صرف وہ اس طرح سمجھتا ہے۔ وہ کن چیزوں کی وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے، اور اس کی سرکشی کیا ہے؟ آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ بات جان لیجیے کہ اس آیت کریمہ میں انسان سے مراد کوئی معین شخص نہیں بلکہ تمام بنی آدم ہیں، یعنی یہ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ بے نیاز ہو گیا ہے تو اس میں سرکشی کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے، پھر اگر اللہ کا ڈر اور خوف، اس کی قوت و طاقت کا یقین، قیامت کے دن کے حساب و کتاب پر ایمان نہ ہو یا کمزور ہو تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے۔

وہ کن چیزوں کے بھروسے پر بے نیازی دکھاتا اور سرکشی کرتا ہے؟ وہ ہے طاقت۔

اور طاقت کئی قسم کی ہے، مگر سب سے زیادہ جس طاقت کا انسان کو نشہ ہوتا ہے، یا اس کی وجہ سے انسان آپے سے باہر ہونے لگتا ہے، من مانیاں کرتا ہے، کسی کی پرواہ نہیں کرتا، کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، حدود سے تجاوز کرتا ہے اور ظلم و زیادتی کرنے لگتا ہے وہ ہے مال و دولت اور حکومت و اقتدار اور حکومت واقتدار کی طاقت کا نشہ سب سے خطرناک ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد مال و دولت کی طاقت کا نشہ۔ ویسے تو جو طاقت بھی اسے حاصل ہو وہ اس حساب سے بے پروائی دکھاتا ہے اور حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے۔ اگر صحت و تندرستی کی نعمت اسے حاصل ہو تو بیماری کو بھول جاتا ہے، اور بیماری کو بھولنے کا مطلب ہے کہ اسے کسی بیمار کی تیمارداری، اس کی مدد، اس کی دلجوئی اور اس کی تسلی کی پرواہ نہیں رہتی۔ اور اگر اسے پیٹ بھر کر کھانا میسر ہو تو بھوک کو بھول جاتا ہے، اسے بھوکوں کی بے بسی اور بے چارگی اور بھوک کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح دوسری قوتیں بھی ہیں، تاہم جو بھی قوت و طاقت اسے حاصل ہو،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی حساب سے وہ بے نیازی دکھاتا ہے اور سرکشی کرتا ہے۔

اس میں قصور قوت و طاقت کا اور ان نعمتوں کا ہرگز نہیں ہے جو اسے حاصل ہوتی ہیں، بلکہ قصور خود اس کا اپنا ہے جو کسی طاقت کے حاصل ہونے پر اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے، اور اس کے اس خیال اور سوچ کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو بھلا بیٹھا ہوتا ہے۔

چنانچہ جب اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾

انسان یقیناً اس بنا پر سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھ بیٹھتا ہے، اس کے بعد فرمایا:

﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝﴾

''یقیناً پلٹنا تیرے رب ہی کی طرف ہے۔''

یعنی رب کے حضور پیش ہونے کے عقیدے پر اس کا ایمان نہیں ہے، یا کمزور ہے، تبھی تو وہ آپے سے باہر ہو رہا ہے۔

اور جس کو اپنے رب کی طرف پلٹنا یاد ہوتا ہے، وہ اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ ہر دم، ہر کام کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوتا ہے، اس پر بھروسہ کرتا ہے، وہ تکبر و غرور نہیں کرتا، کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا، ہر ضرورت کے لیے ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی ہوتا ہے، اور وہ دعا کرتا ہے کہ

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .)) [1]

''اے اللہ! تیری رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام کام خود ہی سنوار دینا کہ تیرے سوا کوئی

---

[1] ابوداؤد: ۵۰۹۰.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

معبودِ برحق نہیں ہے۔“

وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) کسی قسم کی حرکت وجنبش کی ہمت ہے اور نہ کسی قسم کی طاقت، بغیر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کے۔

اور جس شخص کو آخرت یاد نہ ہو اس کے لیے کوئی بھی نعمت، کوئی بھی قوت و طاقت نقصان دہ اور وبال جان ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ اس کے لیے بے نیازی احسان فراموشی اور سرکشی کا باعث بنتی ہے۔ ایسا شخص کہ جس کا قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو یا نہایت کمزور ہو، یا ایک سرسری سا ایمان ہو، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہیں، اور اکثر و بیشتر اس کے لیے باعث ہلاکت اور تباہی و بربادی ہوتی ہیں۔ اسے جسمانی طاقت حاصل ہو، دولت وثروت کی طاقت ہو حکومت واقتدار کی طاقت ہو، عہدہ ومنصب کی طاقت ہو، چرب زبانی کی طاقت ہو، علم کی طاقت ہو، وہ اسے ظلم پر ابھارتی ہیں، اور ظلم کی راہ اس کے لیے ہموار کرتی ہیں۔ اور جب وہ ظلم و زیادتی اور سرکشی پر اتر آتا ہے تو پھر وہ مظلوم کی بددعا کو نظر انداز کر دیتا ہے بلکہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، جبکہ مظلوم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی اہمیت اور پذیرائی حاصل ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعْـوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ ، وَ تُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ .))

مظلوم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

((وَيَـقُـوْلُ الـرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ ، لَاَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ .))[1]

[1] ترمذی: ۳۵۹۸.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور رب عزوجل کہتا ہے میری عزت و جلال کی قسم! اگرچہ ایک وقت کے بعد ہی ہو تیری ضرور مدد کروں گا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

((وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ.)) [1]

''مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی سرکش انسان جب قوت و طاقت کے عروج پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ اپنے زوال کا تصور بھی نہیں کرتا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی کمزور شخص اس کا کچھ بگاڑ سکے گا، اور ہر طاقت ور شخص کچھ ایسا ہی سوچتا ہے، مگر تاریخ نے عبرت کے لیے ایسے سرکشوں کا انجام ہمارے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ کسی بھی ظالم کا نام لیجیے، ایک ایک کا جو حشر ہوا وہ تاریخ میں موجود ہے، فرعون ہو، قارون ہو، ہامان ہو، نمرود ہو، ابوجہل ہو، کوئی بھی ہو۔ ایک ایک کا انجامِ بد دنیا نے دیکھا ہے اور تاریخ نے بعد والوں کے لیے اسے محفوظ کر رکھا ہے۔

مال و دولت اور حکومت واقتدار کے نشے میں لوگوں پر ظلم کرنے والوں کی فہرست تو بہت طویل ہے، سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، عبرت کے لیے اور اپنی اصلاح کے لیے ایک واقعہ سنتے ہیں:

بَرامکہ یا برمکی خاندان کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا، یہ لوگ اصل میں ایرانی النسل تھے، عباسی خلفاء کے ادوار میں اقتدار کے اعلیٰ مناصب پر آہستہ آہستہ فائز ہوتے گئے، حکومت میں اور عوام میں ان کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا اور جڑیں مضبوط ہوگئیں۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں تو یہ لوگ حکومت پر ایسے قابض ہو چکے تھے کہ خود ہارون رشید اپنے آپ کو ان کے سامنے بے بس محسوس کرنے لگے۔

---

[1] بخاری: ١٤٩٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت تو بس صرف نام کی رہ گئی تھی، تختہ الٹنے کی تیاریاں مکمل تھیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے ان کے ارادے بھانپ لیے کہ ان پر پوری طرح نظر رکھی ہوئی تھی۔ پھر ایک دن اچانک ان کی گرفت کی اور سب کا قلع قمع کر دیا۔ ان میں سے ایک جگہ باپ بیٹا ایک ہی قید میں تھے۔

بیٹا باپ سے کہنے لگا:

”يَا اَبَاهُ! بَعْدَ الْعِزِّ وَالْمُلْكِ صِرْنَا فِي الْقَيْدِ وَالْحَبْسِ . “

اے ابا جان! اس عزت و افتخار اور حکومت واقتدار کے بعد آج ہم قید و بند کی صعوبتیں اٹھا رہے ہیں۔“

”فَقَالَ: يَا بُنَيَّ! دَعْوَةُ مَظْلُوْمٍ سَرَتْ بِلَيْلٍ غَفَلْنَا عَنْهَا وَلَمْ يَغْفَلِ اللّٰهُ عَنْهَا .))

”تو باپ نے کہا: بیٹا! کسی مظلوم کی بددعا ہوگی جو رات کی تاریکی میں چلی جسے ہم نے تو نظر انداز کر دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے نظر انداز نہ کیا۔“

تو جب انسان بے پروا اور بے نیازی دکھاتا ہے، تو پھر کسی مظلوم کی بددعا کی پرواہ کرتا ہے اور نہ کسی ظلم کو ظلم سمجھتا ہے، بلکہ اسے اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

تو مال و دولت اور حکومت و اقتدار عموماً لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے ان کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے الا یہ کہ کسی دل میں آخرت کا ڈر ہو تو اس کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے، ورنہ سراسر نقصان کا خطرہ ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنِّي اَخْشٰى اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا ، كَمَا تَنَافَسُوْهَا ، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ .))[1]

[1] بخاري : ٣١٥٨ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اللہ کی قسم! مجھے تمھارے فقر و فاقے کا ڈر نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ دنیا تم پر اس طرح کشادہ کردی جائے گی جس طرح تم سے پہلوں پر کشادہ کی گئی تھی، پھر تم اس کے حصول میں آپس میں اس طرح منافست کرنے لگو گے جس طرح انہوں نے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی ٹھان لی، اور وہ تمھیں ہلاک کردے گی جس طرح ان کو ہلاک کیا۔''

اور قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ: ۲۷)

''اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو زمین میں سرکشی کرنے لگتے۔''

﴿وَلٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ﴾

''مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (الشوریٰ: ۲۷)

''یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔''

ظلم س بچنے کے لیے ایک بات ضرور مدنظر رکھیں کہ ظلم کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اسے کبھی ہلکا مت جانیں اور اگر نفس امارہ کسی پر ظلم کے لیے ابھارے تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے قدرت و اختیار کو سامنے لے آئیں، جیسا کہ حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِيْ بِالسَّوْطِ ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ خَلْفِيْ ، اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ! فَلَمْ أَفْهَمِ الصَّوْتَ مِنَ الْغَضَبِ . قَالَ: فَلَمَّا دَنَا مِنِّيْ ، اِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ . فَاِذَا هُوَ يَقُوْلُ: اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ! اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ ، قَالَ: فَاَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِيْ ، فَقَالَ: اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ!أَنَّ اللّٰهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

هَذَا الْغُلَامِ . قَالَ: فَقُلْتُ لَا اَضْرِبُ مَمْلُوْكًا بَعْدَهُ اَبَدًا .)) ❶

میں اپنے غلام کو چابک مار رہا تھا، میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی، اے ابومسعود! جان لو! میں غصہ کی وجہ سے آواز نہ پہچان سکا جب وہ میرے قریب پہنچے تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے اور آپ کہہ رہے تھے! ابومسعود جان لو! ابومسعود جان لو! کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا پھینک دیا پھر آپ نے فرمایا ابومسعود جان لو! یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر اُس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس غلام پر اختیار رکھتے ہو۔ کہتے ہیں: میں نے کہا: اس کے بعد میں کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔

معاملہ صرف مار کا نہیں، بلکہ کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں ہے جیسے گزشتہ جمعے ہم نے حدیث سنی تھی۔ بظاہر کتنی معمولی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ لوگ عموماً اپنے غلام، خادم اور ملازم کو ڈانٹنا اور مارنا اپنا حق سمجھتے ہیں جبکہ آپ ﷺ کے سرزنش کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی سنگین اور سنجیدہ معاملہ ہے۔ اور ایک حدیث میں ظلم کی ایک شکل یہ بیان فرمائی:

((لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَ عُقُوْبَتَهُ .)) ❷

غنی آدمی کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

((قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: يُحِلُّ عِرْضَهُ يُغَلَّظُ لَهُ، وَعُقُوْبَتَهُ: يُحْبَسُ لَهُ .))

ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: عزت کے حلال ہونے سے مراد اسے برا بھلا کہنا ہے۔ اور اس کی سزا حلال ہونے سے مراد اسے قید کرنا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

---

❶ صحیح مسلم: ١٦٥٩ .

❷ ابوداؤد، رقم: ٣٦٢٨ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، اَوِ انْتَقَصَهُ، اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ، فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) [1]

سنو! جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا یا اس کا کوئی حق چھینا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی مرضی کے لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے مباحثہ کروں گا۔"

ظلم کی سنگینی تو ہم نے جانی اور اس کی چند شکلیں بھی معلوم کیں۔ مگر اس کا ایک پہلو یہ بھی ملاحظہ کیجیے اور اندازہ کیجیے کہ یہ معاملہ کتنا سنگین ہے۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ (هود: ١١٣)

"اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے، اور تمہیں کوئی ایسا ولی اور سرپرست نہ ملے گا جو اللہ سے تمہیں بچا سکے، اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچ سکے گی۔"

یعنی ظالموں کے ساتھ دوستی، ان کی طرف جھکاؤ اور میلان یعنی ان کے ساتھ مل کر ظلم نہیں کر رہے بلکہ صرف ان کی طرف جھکاؤ ہونے کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن جاؤ گے۔

گویا کہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور جھکاؤ اور میلان اور رجحان رکھنا بھی ان کی مدد کرنا ہے اور وہ بھی ظلم ہی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب جیل میں تھے تو جیلر (جیل کا انچارج) نے آ کر پوچھا

---

[1] سنن ابی داؤد: ٣٠٥٢.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَأَنَا مِنْ أَعْوَانِ الظَّلَمَةِ؟))

کیا میں ظالموں کے مددگاروں میں سے ہوں۔

((قَالَ فَأَعوانُ الظَّلَمَةِ مَنْ يَأْخُذُ شَعْرَكَ وَيَغْسِلُ ثَوْبَكَ وَيُصْلِحُ طَعَامَكَ وَيَبِيعُ وَيَشْتَرِي مِنْكَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَمِنْ أَنْفُسِهِمْ.)) [1]

''کہا ظالموں کا مددگار تو وہ ہے جو تمہارے بال بنائے، تمہارے کپڑے دھوئے، تمہارا کھانا پکائے، تجھ سے خرید و فروخت کرے، تم تو خود ظالموں میں سے ہو۔''

اسی طرح ظلم کی بہت ہی باریک شکلیں ہیں، جس کا آدمی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا، اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔

((اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِىْ بِهَا فِى النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا.)) [1]

''آدمی کبھی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس میں وہ خود کوئی حرج نہیں سمجھتا حالانکہ اس کی وجہ سے وہ ستر برس تک جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا۔''

اس لیے یہ ایک کوشش ہے کہ ہم ظلم سے بچ سکیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر فوری طور پر گرفت نہیں ہو رہی تو اس سے دھوکہ نہ کھائیں۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُo﴾ (ابراهيم: ٤٢)

''یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے غافل نہ سمجھو اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے، ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لیے جب آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔''

اور فرمایا:

---

[1] مناقب الامام احمد لابن الجوزی، ص ٤٣١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَo نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرَاتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَo﴾ (المومنون : ٥٥ ـ ٥٦)

''کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال اولاد سے مدد دیے جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔''

تاہم ظلم کی بہت سی صورتیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں کوئی گناہ نہیں سمجھی جاتیں جن پر پھر کبھی گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

---

❶ سنن ترمذی: ٢٣١٤.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

یادداشت

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....